



تصنیف

مجدد اعظم امام احمد رضا خان قادری بریلوی

ترجمہ

تاج الشریعہ مفتی محمد اختر رضا خان

مفتی الدیار الہندیہ

رسالہ

الزلال الانقٰی من بحر سبقة الاتقٰی

۱۳ ھ

(سب اُمّتیوں سے بڑے پرہیزگار کی سبقت کے دریا سے صاف ستھرا میٹھا پانی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال تعالٰی وابتغوا الیه الوسیلة[1]
احمد رضا نقی علی رضا
علی طیب ذکی بان
یفضل الشیخین والضجیعین
الجلیلین و الامیرین
المؤیدین فی درجات

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اور اللہ تعالیٰ کی طرف
وسیلہ ڈھونڈو۔ پاک برتر نبی (صلے اللہ
تعالےٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم) کی رضائے احمد
(سب سے زیادہ سراہی ہوئی رضامندی)
پسندیدہ برتر پاک ستھرے کے لئے ہے جو
شیخین گرامی مرتبت مصطفےٰ صلے اللہ تعالےٰ

---

[1] القرآن الکریم ۵/۳۵

عليه عليه فباح به وافصح وبينه واوضح، ولوح به وصرح ناديا اليه لسانه وطيبا به جنانه ۔

علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں لیٹنے والے دونوں امیروں اور وزیروں کی درجاتِ بلند و بالا میں فضیلت مانتا ہے تو اس کو خوب واضح اور ظاہر کیا ہے اور اس کو مبین اور روشن کیا ہے اور اس کی تلویح و تصریح کی اس طرح کہ اس کی زبان اس عقیدہ کی طرف بلاتی اور اس کا دل اس پر خوش ہے۔

اذ لم تكن بحمد الله من الكبر وحب الجاه ذرة لديه اصفه وصفا اجد به رشفا من بحر نعت مصطفى كانت له الجلائل وزانت به الفضائل وازدانت له الفواضل فيه كان بدؤها واليه كان فيئها فلا تنتمي الا اليه ولا تنتهي الا اليه انعته بمحامد تكون لي مصاعد الى ذروة حمد واحد له الحمد كله دقه وجله وكثره وقله واوله واخره وباطنه وظاهره يرفع من يشاء ويضع اذ ميزان الفضل بيديه قولي هذا اقول و في ميدان الحمد اجول ۔ بسم الله الرحمٰن الرحيم - قال تعالى وله الحمد فى الاولىٰ والأخرة[1]، والحمد لله

اس لئے کہ بحمد اللہ تکبر و محبت جاہ سے کوئی ذرہ اس کے پاس نہیں، میں اس کی ایسی تعریف کروں جس سے اس مصطفٰے صلے اللہ تعالٰے علیہ وآلہ وسلم کے بحر نعت کے قطرے لوں جس کے لئے بزرگیاں ہیں اور فضیلتیں اس سے مزین ہیں اور عظیم نعمتیں اس کی مطیع، تو اسی سے ان کا آغاز اور انتہی کی طرف ان کی رجوع تو اسی کی طرف منسوب ہوں اور اسی کی طرف منتہی ہوں میں اوصافِ حمیدہ سے اس کی تعریف بیان کرتا ہوں جو حمد یکتا کی بلندی تک پہنچنے کے لئے میرا زینہ بنیں۔ سب تعریفیں اسی کو سزاوار تھوڑی اور بہت اول و آخر ظاہر و باطن جس کو چاہے بلند فرمائے اور جس کو چاہے پست کرے اس لئے کہ فضل کی ترازو اس کے دستِ قدرت میں ہے، میں اپنی یہ بات کہہ کر میدانِ حمد میں جولان کروں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ تعالٰے فرماتا ہے: اللہ ہی کے لئے حمد ہے دنیا و آخرت میں سب تعریفیں اللہ

[1] القرآن الكريم ۲۸/۷۰

ربّ العلمين حمدًا منيعًا على ان
فضل نبينا على العلمين جميعًا،
واقامه يوم القيمة للمذنبين
شفيعًا، وحبا كل من
رأه ولو لحظة من بعيد
فضلًا وسيعًا، ووعد من
وقع في واحد من الصحابة
حميمًا وضريعًا، واختار منهم
الاربعة الكرام عناصر الاسلام و
ائمة الانام اختيارًا بديعًا، وبنى ترتيب
الخلافة على ترتيب الفضيلة وغلط
من عكس غلطًا شنيعًا، فصلى الله
وسلّم وبارك وترحم على حبيب
القلوب وطبيب الذنوب وأله
الاطهار وصحبه الاخيار انه كان بصيرًا
سميعًا، صلوٰة اعظام يتلوها سلام و
سلام اكرام تعقبه صلوٰة وتشيع كلا
بركة وزكوة الى الابد تشيعًا، واشهد
ان الالٰه سيده ومولاه ما اعظمه
واعلاه واكبره واجله وحده
لاشريك له الٰها رفيعًا، وان
محمدًا عبده ورسوله
ورحمته ورفده،
اجمله واكمله، وبدين
الحق ارسله ليمحو

کے لئے جو پروردگار ہے سب جہانوں کا،
اللہ کے لئے حمد بلند ہے اس پر کہ اس نے ہمارے
نبی (صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کو سب جہانوں
پر فضیلت دی اور انھیں قیامت کے دن گنہگاروں
کا شفیع مقرر کیا۔ اور ہر مسلمان کو جس نے انھیں
ایک لحظہ دُور سے بھی دیکھا وسیع فضل دیا اور
ان کے صحابیوں کے بدگویوں کو جہنم کے گرم پانی
اور آگ کے کانٹوں کی غذا کی وعید سنائی اور ان صحابہ
سے چار بزرگوں کا کہ اسلام کے عناصر اور مخلوق کے امام
ہیں بے مثال انتخاب کیا اور خلافت کی ترتیب
فضیلت کی ترتیب پر رکھی اور جس نے ترتیب
اُلٹی اس نے بری غلطی کی، تو اللہ صلوٰۃ وسلام
بھیجے اور رحمت وبرکت اتارے دلوں کے پیارے
اور گناہوں کے چارہ ساز اور اُن کی آل پاک
اور نیک صحابہ پر، بیشک وہی سننے والا جاننے والا ہے،
عظمت کا درود جس کے پیچھے سلام چلے اور تکریم
کا سلام جس کے پیچھے درود آئے، اور دونوں کو
برکت وافزائش ہمیشہ کے لئے قوت دے،
اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک ان کا خدا
ان کا آقا و مولےٰ کس قدر بلند و برتر اور بالا و
اعلیٰ ہے، یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں،
عظمت والا معبود ہے، اور بیشک محمد صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) اس کے خاص بندے
اور اللہ کے رسول ہیں اور اس کی رحمت اور
اس کی عطا ہیں۔ اللہ نے انھیں سچے دین کے

كل علة ويعلو الدين كله علوا سريعًا۔

وبعد فهٰذه ان شاء الله منحة عالية و سلعة غالية و رحمة ربانية لا نزغة شيطانية، واوراق ان رأيت قليلة، وان وعيت جليلة، اذا قرأت هانت، واذا فهمت لانت، وان انصفت زانت، وان تعسفت بانت، وجنات عالية قطوفها دانية[1]، فيها سرر مرفوعة و اكواب موضوعة، ونمارق مصفوفة، و زرابي مبثوثة[2]۔ قبولها القبول من قبل الفحول، وزينتها الرد من اهل الحسد فيها من كل الثمرات، وجنا الجنات عنب التحقيق ورطب التدقيق، وجوز الحقائق و لوز الدقائق تؤتي الفريقين اكلها مرتين مرة عسلا لارباب السنن، و اخرى ثمالاعه لاصحب الفتن فيها عيون حكمة تسمى سلسبيلا، فان شئت ريا فقم سل سبيلا، ماءها صاف و شاف و كاف

ساتھ بھیجا تاکہ وہ ہر خرابی مٹائیں اور سب دینوں پر جلد غالب آئیں۔

بعد حمد وصلوٰۃ ان شاء اللہ یہ گراں قدر عطا اور بیش بہا متاع اور ربانی رحمت ہے نہ کہ شیطانی وسوسہ، اور یہ اوراق دیکھو تو تھوڑے ہیں اور انھیں یاد کرلو تو گرانقدر ہیں اور پڑھو تو آسان اور سمجھو تو سہل، اور انصاف کرو تو سنواریں اور تعصب برتو تو جدا رہیں، اور یہ جنات عالیہ ہیں جن کے خوشے جھکے ہوئے ہیں اُن میں اونچے تخت ہیں اور چنے ہوئے کوزے اور قالین بچھے ہوئے اور چاندنیاں ہیں پھیلی ہوئی، اس کی ضیا فضلا کو مقبول و منظور اور اس کی زینت یہ ہے کہ اہلِ حسد اسے قبول نہ کریں۔ اس میں سب باغوں کے ہر قسم کے پھل ہیں۔ تحقیق کے انگور اور تدقیق کی تر و تازہ کھجور اور حقائق کے ناریل اور دقائق کے بادام، یہ اپنے پھل دو بار دیتی ہے ایک بار سُنیوں کے لئے ایسا پھل جو شہد کی طرح میٹھا ہو، اور دوسری بار گمراہوں کے لئے ایسا پھل جو اُن کے لئے مہلک زہر ہو۔ اس میں حکمت کے چشمے ہیں جن کا سلسبیل نام، اگر تو سیرابی چاہتا ہے تو اُٹھ راستہ تلاش کر، اس کا پانی صاف اور شافی اور کافی پہنچنے والے

عه بضم الثاء السم المنقع كذا فی المعجم الوسیط۔

---

[1] القرآن الکریم ٦٩/٢٢ و ٢٣

[2] " " ٨٨/١٣ تا ١٦

هُلاهِلُ[عه] مر ولمن يستقيه
وهلاهل مر ولمن يتقيه فيالها من
جنة في ظلها جنة للانس والجنة من
شمس الافتنان وحريق المراء اصلها
ثابت وفرعها في السماء[۱]
تولى سقى اشجارها
وفتق ازهارها واجتناء
ثمارها عبده الكل عليه
والمفتاق في كل امر اليه
عبد المصطفى الشهير باحمد رضا
المحمدي دينا والسني يقينا والحنفي
مذهبا والقادري منتسبا والبركاتي
مشربا والبريلوي مسكنا والمدفن
البقيعي ان شاء الله مدفنا فالعدني
الفردوسي برحمة الله موطنا، كان الله
له وحقق امله واصلح عمله و
جعل أخراه خيرا من اولاه ابن الامام
الهمام والفاضل الطمطام
والبحر الطام والبدر التام، حامي السنن
وماحي الفتن، ذي تصانيف رائقة وتواليف

کے لیے بہت کثیر اور ستھرا جس سے وہ سیراب
ہوجائیں اور جو اس سے بچے اس کیلئے زہر قاتل
ہے کہ اس کو ہلاک کردے، تو یہ کیسی جنت ہے
جس کے سایہ میں انسانوں اور جنوں کیلئے گمراہی
کی دُھوپ اور آتشِ جدل (ہٹ دھرمی) سے
امان ہے، اس کی جڑ جمی ہوئی اور اسکی شاخیں
آسمان میں، اس کے درختوں کی آبیاری اور اسکے
پھول کھلانے اور پھل چننے کا کام اللہ کے محتاج بندے سرانجام
دیتے ہیں اور ہر کام میں اس کے فقیر بندے عبدالمصطفیٰ
عرف احمد رضا، جو دین کے اعتبار سے محمدی ہے
اور عقیدہ کے اعتبار سے سُنّی اور مذہباً حنفی ہے
اور قادری انتساب ہے اور ارادۃً برکاتی اور مسکناً
بریلوی اور مدفن کے لحاظ سے ان شاء اللہ مدینہ والا
بقیع پاک والا اور اللہ کی رحمت سے مقام ابدی
کے لحاظ سے بہشتی فردوسی نے خود انجام دیا اللہ
اس کا ہو اور اس کی اُمید بر لائے اور اس کے
عمل نیک کرے اور اس کی عاقبت اس کی دُنیا
سے بہتر فرمائے (احمد رضا) ابن امام ہمام فاضلِ
عظیم، دریائے موجزن و ماہِ تمام، حامیِ سنت،
ماحیِ بدعت، صاحبِ تصانیف پسندیدہ و توالیف

عه بضم الهاء الماء الكثير الصافي المعجم الوسيط۔
عه۲ الهلهل، السم القتال، المعجم الوسيط۔

---

۱ القرآن الكريم ۱۴/۲۴

فائقة شریفة منیفة لطیفة نظیفة بقیة السلف حجة الخلف، ناصح الامة، کاشف الغمة، حامی حمی الرسالة عن کید اهل الضلالة، وما قلت فی بابه معتذرا الی جنابه ؎

فواللہ لم یبلغ ثنائی کمالہ
ولکن عجزی خیر مدحی لمالہ
فذا البحر لولا ان للبحر ساحلا
وذا البدر لولا البدر یخشی مآلہ

سیدی ومولائی وسندی ومأوای العالم العلم علامة العالم مولانا المولوی محمد نقی علی خان القادری البرکاتی الاحمدی الرسولی رضی اللہ تعالیٰ عنه وارضاه بالنضرة والسرور لقاه ابن العارف العریف السید الغطریف شمس التقی بدر النقی نجم الهدیٰ علامة الوریٰ ذی البرکات المتکاثرة والکرامات المتواترة والترقیات الرفیعة والتنزلات البدیعة وقلت فی شانه راجیا لاحسانه ؎

اذا لم یکن فضل فما النفع بالنسب
وهل یصطفی خبث وان کان من ذهب
ولکننی ارجو الرضا منک یا رضا
وانت علی فاز لی عالی الرتب

فاضلہ وبلند رتبہ ولطیفہ صافیہ بقیۃ السلف حجۃ الخلف، ناصح اُمت، دافع کربت، نگہبان حدود رسالت از مکر اہل ضلالت، اور میں نے ان کے باب میں ان کی جناب میں معذرت کے طور پر عرض کیا ہے ؎

اس کے کمال تک نہ پہنچا مرا بیان
پر بہترین مدحت ہے عجز کی زباں
ساحل اگر نہ ہو تو وہ بحر بیکراں
کھٹکا نہ ہو غروب کا تو بدر ہر زماں

سیدی ومولائی وسندی وملجائی بحر علم، علامۂ عالم، مولانا مولوی محمد نقی علی خاں قادری برکاتی احمدی رسولی، اللہ ان سے راضی ہو اور انھیں راضی کرے اور انھیں تازگی وفرحت دے۔ ابن عارف بدر سید وسردار کریم شمس تقوی ماہ تمام تقدس نجم ہدایت علامۂ خلقت صاحب برکات کثیرہ وکرامات مستمرہ ودرجات عالیہ ومنازل بدیعہ میں نے ان کی شان میں اُن کے انعام کا اُمیدوار ہو کر کہا ؎

معدوم ہو کرم تو کس کام کا نسب
زر کا بھی میل ہو تو مقبول ہو وہ کب
لیکن امیدوار رضا تجھ سے ہوں رضا
اور تو علی ہے مجھ کو دے عالی قدر رتب

حصنی وحرزی وذخری وکنزی ذی القدر السنی والفخر السمی مولانا المولوی محمد رضا علی خان النقشبندی قدس اللہ سرہ وافاض علینا برہ اٰمین یا رب العلمین، حملنی علیٰ تصنیفہا واحسان تالیفہا باحصان ترصیفہا ما رأیت ان قد زاغت اقدام وزلت اقوام وضلت افہام عما رفعت لہ الرایات الی ارفع الغایات، واشمخ النہایات من توافر الاٰیات و تظافر الاخبار وتواتر الاٰثار من العترۃ الاطہار والصحابۃ الکبار والاولیاء الاخیار والعلماء الابرار من تفضیل الشیخین علی ابی الحسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم، وجعلنا لہم ومنہم حتی بلغنی ان بعض من قادۃ التخمین والظن غیرامین الی اقتدار العین فی ازدراء الثمین واجتباء المہین تعلق بشکوک سخیفۃ لا لطیفۃ ولا نظیفۃ وانما ھی کطعام من ضریع لایسمن ولا یغنی من جوع، فیما توافق علیہ سادۃ النقی وقادۃ التقی

میری حرز جان اور میری امان اور میرے کنز و ذخیرہ صاحب قدر علی و فخر گرامی مولانا مولوی محمد رضا علی خاں نقشبندی اللہ ان کا باطن منزہ فرمائے اور ہم پر اُن کا فیض جاری فرمائے، آمین یارب العلمین! مجھے اس کتاب کی تصنیف اور اس کی تالیف خوب اور اس کی ترتیب کو محکم کرنے پر اس امر نے اکسایا جو میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ منحرف ہوئے اور کچھ قدم پھسلے اور کچھ ذہن اس سے گمراہ ہوئے جس کے لئے نہایت بلندی تک علم بلند کئے گئے آیات، اخبار اور آثار کی کثرت سے اور اس پر صحابہ کبار، اہل بیت اطہار، پیشوایان اخیار اور علماء ابرار کا اجماع ہو چکا یعنی شیخین ابوبکر و عمر کی فضیلت ابوالحسنین علی پر، اللہ ہمیں ان کے لئے کرے اور انھیں میں ہمیں رکھے یہاں تک کہ مجھے خبر پہنچی کہ جن لوگوں کو ظن نے کھینچا اور ظن امین نہیں اندھوں کی اقتداء اور قیمتی چیز[1] کی تحقیر اور ذلیل چیز[2] کے انتخاب کی طرف وہی شبہات کہ نہ لطیف ہیں نہ نظیف ستھرے، بلکہ آگ کے کانٹوں کی غذا کی طرح ہیں کہ نہ فربہ کریں نہ بھوک سے بے نیاز کریں کا سہارا اس میں لیتا ہے جس پر سرداران تقدس و تقویٰ کا اتفاق ہے یعنی

---

[1] یعنی عقیدہ صحیحہ موافق اہلسنت وجماعت [2] یعنی گمراہی

---

[3] القرآن الکریم ۸۸/ ۶ و ۷

من الاحتجاج بكريمة "وسيجنبها الاتقى"[1] وقام بعرضها كلها او بعضها احد المتدخلين في عداد الاذكياء على بعض العصريين من النبلاء، و لم اعلم الام دارت رحى التقرير، وعلى أي شق برك البعير، فاشتد ذلك علي وعظم امره لدي فاستخرت الله تعالى في عمل كتاب يبين الجواب عن كل ارتياب ويكشف النقاب عن وجه الصواب، مع اطلاعي على قصور باعي وقصر ذراعي وعدم الظفر من اسفار التفاسير الا بشيء نزر يسير ولولا الاما اقاسيه من هجوم هموم وعموم غموم وتباعد اغراض وتوارد اعراض وما لا محيص عنه لمسلم من ايذاء موذ وايلام مولم كما اخبر النبي الاكرم صلى الله عليه وسلم بيد أن الفقير العاني عاين عين اعيان المعاني تفيض على فيضا مدرارا وتثج الى ثجاجها، فقوي ظني ان صاحب التوفيق سيقوي الضعيف على ما يطيق فاختلست الفرصة

کریمہ وسیجنبہا الاتقی سے فضیلتِ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حجت قائم کرنا اور ان شبہات کو ایک شخص نے جو اذکیاء کے شمار میں دخیل ہونا چاہتا ہے، فضلاء میں سے ایک معاصر پر پیش کیا اور مجھے معلوم نہ ہوا کہ تقریر مدعی کی ہو چکی کب تک چلی اور اونٹ کس کروٹ بیٹھا تو یہ مجھے دشوار گزرا اور اس کا معاملہ میرے نزدیک بڑا ہو گیا تو میں نے اللہ سے استخارہ کیا ایک کتاب کی تصنیف میں جو ہر شبہہ کا روشن جواب دے اور صواب کے چہرے سے نقاب اٹھا دے باوجودیکہ میں اپنے قصور طاقت اور بساط کی قلت اور کتبِ تفاسیر سے بہت تھوڑا میسر ہونے سے واقف ہوں اور اگر سوائے اندوہ وغم کے ہجوم اور اغراض کی دوری اور امراض کے ورود پیہم کے اور موذی کی ایذا جس سے کسی مسلم کو چھٹکارا نہیں جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی، کچھ نہ ہو تو اس کام سے یہی مانع ہوتا مگر اس فقیر ذلیل نے دیکھا کہ معانی نفیسہ کا چشمہ اس کے قلب پر سراٹے سے ابل رہا ہے اور وہ بڑی مقدار میں اس کی طرف بہہ کر آرہے ہیں تو میرا گمان غالب ہوا کہ مالکِ توفیق (خدا) اس ضعیف کو اس کی قوت دے گا جس کی اسے قدرت نہیں

---

[1] القرآن الکریم ۹۲/۱۷

خمسة ايام من آخر الشهر المبارك
ذی الحجة الحرام حتی جاءت بحمد
الله کما تری تروق الناظر و تجلو
البصائر کاشفة عن وجوه
غوانی من حسان معانی لم تقرع
الآذان، و نفائس تحقیق و عرائس
تدقیق لم یطمثهن قبلی انس ولا جان
فان صدق ظنی فکل ما فیه غیر
ما انمیه مما سمح به فکری الفاتر،
وادی الیه نظری القاصر،
والانسان کما تعلم مساوق
الخطاء والنسیان، فما کان صوابا
فمن الله الرحمن، وانا ارجوا
لله سبحنه فیه، وما کان خطأ
فمنی ومن الشیطان وانا ابرء
الی الله عن مساویه، ویأبی الله
العصمة فی کل معنی
و کلمة الا لکتابه الاعظم
و کلام رسوله الاکرم
صلی الله تعالی علیه وسلم، ولما کان
فض ختامها وطلوع بدر
تمامها للیلة بقیت
من المائة الثالثة
عشر من سنی هجرة
سید البشر علیه من الصلوات

تو میں نے ماہِ مبارک ذوالحجۃ الحرام کے آخری پانچ دن
کی فرصت لی یہاں تک کہ یہ کتاب بحمد اللہ ایسی
ظاہر ہوئی جیسی کہ تم دیکھتے ہو جو دیکھنے والے کو خوش
کرتی، بصیرتوں کو جلا بخشتی ہے، اور ایسے خوشنما معانی
(جو کانوں سے نہ ٹکرائے) سے پردے ہٹاتی ہے جو
خوبانِ بے نیازِ آرائش کے چہرے ہیں اور تحقیق
کی نفیس صورتیں اور تدقیق کی دلہنیں ہیں جنھیں مجھ
سے پہلے کسی آدمی نے چھوا نہ کسی جن نے، تو
اگر میرا گمان سچا ہو تو سوائے اس کے جس کی میں
کسی کی طرف نسبت کروں اس میں جو کچھ ہے وہ
میری فکرِ قاصر کی دین ہے اور اس تک میری
کوتاہ نظر پہنچی ہے اور انسان جیسا کہ تم جانتے
ہو خطاء و نسیان کے ساتھ چلتا ہے، تو جو
درست ہو وہ خدائے رحمان کی طرف سے ہے،
اور میں اس کے سبب اللہ سے امیدوارِ ثواب
ہوں، اور جو خطا ہو تو وہ میری اور شیطان کی
جانب سے ہے اور میں اللہ کی طرف اس کی
بدلیوں سے برأت کرتا ہوں، اور اللہ ہر معنی اور
ہر کلمہ میں عصمت (خطا سے محفوظ ہونا) اپنی
کتاب معظم اور اپنے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کے کلام کے سوا کسی کے لئے نہیں چاہتا،
اور جب اس رسالہ کی مہر اختتام کی شکست اور
اس کے تمام کا ماہِ تمام اس ایک رات میں
طلوع ہوا جو سید البشر کی ہجرت کے سالوں میں
سے تیرھویں صدی میں باقی تھی ان پر درودوں

انماهاومن التحیات ان کاھا ناسب ان اسمیہا "الزلال الأنقی من بحرسبقۃ الاتقی" لیکون العلم علما علی العام والله تعالٰی ولی الانعام، وھو الخامس عشر من تصانیفی فی علوم الدین نفعنی الله تعالٰی بہا و سائر المسلمین وجعلہا نورًا بین یدی و حجۃ لی لاعلیّ، انہ علٰی ما یشاء قدیر و بالاجابۃ جدیر وحسبنا الله و نعم الوکیل، ولاحول ولا قوۃ الا بالله العلی العظیم۔

میں سب درودوں سے بڑھتا درود اور تحیات میں سب سے فزوں تحیت ہو مناسب ہے کہ اس کا نام الزلال الانقی من بحرسبقۃ الاتقی رکھوں تاکہ نام سالِ تصنیف کی نشانی ہو جائے اور اللہ تعالٰی ہی ولی نعمت ہے اور یہ میری تصانیف سے پندرہویں تصنیف ہے علومِ دین میں اللہ تعالٰی مجھے اور باقی مسلمانوں کو اس سے نفع بخشے، اور اللہ تعالٰی اسے میرے مابعد کیلئے نور بنائے اور میرے حق میں حجت نہ میرے خلاف، وہ جو چاہے کرسکتا ہے، اور قبولِ دعا اُسی کو سزاوار ہے، اور اللہ ہمیں کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے، اور بدی سے پھرنا اور نیکی کی طاقت اللہ علو وعظمت والے ہی سے ہے۔

اعوذ بالله من الشیطٰن الرجیم ؕ

قال ربنا تبارك و تعالٰی "یایہا الناس انّا خلقنٰکم من ذکر و انثٰی وجعلنٰکم شعوبًا وقبائل لتعارفوا انّ اکرمکم عند الله اتقٰکم ان الله علیم خبیر[1]"۔ اراد الله سبحٰنہ وتعالٰی رد ما کانت علیہ الجاھلیۃ من التفاخر بالاٰباء و الطعن فی الانساب و تعلی النسب علٰی

ہمارا رب تبارک و تعالٰی فرماتا ہے: "اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا پھر تمھیں شاخیں اور قبیلے کیا کہ آپس میں پہچان رکھو، بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ بیشک اللہ جاننے والا خبردار ہے" (ترجمہ رضویہ)

اللہ تعالٰی کی مراد اس طور کا رَد ہے جس پر اہلِ جاہلیت چلتے تھے کہ باپ دادا پر فخر کرتے اور دوسروں کے نسب پر طعنہ زن ہوتے

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/۱۳

غیرہ من الناس حتی کانہ عبد لہ او اذل، وکان بدء ھذہ النزعۃ اللئیمۃ من الذلیل الخسیس عدو اللہ ابلیس اذ قال "انا خیر منہ خلقتنی من نار وخلقتہ من طین[1]"۔ فرد اللہ سبحنہ وتعالٰی علیھم بان اباکم واحد وامکم واحدۃ فانہ تعالٰی "خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالا کثیرا ونساء[2]" فما منکم من احد الا وھو یدلی بمثل ما یدلی بہ الاٰخر سواءً بسواءٍ، فلا مساغ للتفاضل فی النسب والتفاخر بالام والاب، واما ما رتبناکم علی اجیال تحتھا شعوب تحتھا قبائل فانما ذٰلک لتعارفوا فتصلوا ارحامکم ولا ینتمی احد الٰی غیر ابیہ، لا لان تتفاخروا ویزدری بعضکم بعضا نعم ان اردتم التفاضل فالفضل عندنا بالتقوی فکلما ازداد

اور نسب کی وجہ سے آدمی دوسرے آدمی پر ایسی تعلی کرتا گویا کہ وہ اس کا غلام ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ خوار ہے، اور اس ذلیل طریقہ کی ابتداء ذلیل خسیس ابلیس سے ہوئی جس نے کہا تھا کہ اے رب! میں آدم سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے بنایا اور آدم (علیٰ نبینا وعلیہ السلام) کو مٹی سے بنایا، تو اللہ نے ان کا یوں رد فرمایا کہ تمھارا باپ ایک ہے اور تمھاری ماں ایک ہے اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی کو بنایا اور ان دونوں سے بہت سارے مرد اور عورتیں پھیلا دیئے تو تم میں ہر ایک اپنی اصل سے وہی اتصال رکھتا ہے جو دوسرا رکھتا ہے تو نسب میں ایک کو دوسرے پر فضیلت کی راہ نہیں اور ماں باپ سے ایکدوسرے پر فخر کی مجال نہیں، رہا یہ کہ ہم نے تمھیں اصول پر مرتب کیا جن کے نیچے ان کی شاخیں ہیں اور ان کے نیچے قبیلے ہیں تو یہ محض اس لئے کہ آپس میں پہچان رکھو تو اپنے قریبی عزیزوں سے ملو اور کوئی باپ کے سوا اور کی طرف منسوب نہ ہو اس لئے کہ تم نسب پر گھمنڈ کرو، اور ایک دوسرے کو حقیر جانے، ہاں اگر فضیلت چاہو تو فضیلت ہمارے یہاں تقوٰی (پرہیزگاری) سے ہے تو جب انسان پرہیزگاری

---

[1] القرآن الکریم ۷/ ۱۲ و ۳۸/ ۷۶
[2] القرآن الکریم ۴/ ۱

الانسان تقوی زاد کرامة عند ربه تبارك و
تعالی، فاکرمکم عندنا من کان اتقی
لا من کان انسب ۔ ان اللہ
علیم بکرم النفوس وتقواھا
خبیر بھم النفوس فی
ھواھا۔

قال البغوی قال ابن عباس
نزلت فی ثابت بن قیس وقوله
للرجل الذی لم یفسح له:
"ابن فلانة يعيره بامه قال
النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه
وسلم "من الذاکر فلانة؟"
فقال ثابت انا یا رسول اللہ،
فقال انظر فی وجوہ القوم،
فنظر، فقال ما رأیت
یا ثابت؟ قال رأیت احمر
وابیض واسود، قال
فانك لا تفضله الا فی الدین
والتقوی" فنزلت فی
ثابت ھذہ الآیة و
فی الذی لم یتفسح له
"یایھا الذین آمنوا اذا
قیل لکم تفسحوا
فی المجالس فافسحوا۔"
وقال مقاتل لما کان یوم فتح مکة

میں بڑھے اپنے رب کے یہاں عزت میں بڑھے۔
تو ہمارے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے
جو زیادہ پرہیزگار ہے نہ کہ وہ جو بڑے نسب والا
ہے بیشک اللہ تعالیٰ نفوس کی عزت اور
ان کی پرہیزگاری کو جانتا ہے اور نفوس کی اپنی
خواہش میں کوشش سے خبردار ہے۔

امام بغوی نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس
(رضی اللہ عنہما) نے فرمایا یہ آیت حضرت ثابت
بن قیس (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں اور اُن
کے اُس شخص سے جس نے اُن کے لئے مجلس میں
جگہ کشادہ نہ کی "فلانی کا بیٹا" کہنے کے باب میں اُتری
تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، کون ہے
جس نے فلانی کو یاد کیا؟ حضرت ثابت نے عرض
کیا: وہ میں ہوں یا رسول اللہ! تو حضور (علیہ
الصلوٰۃ والسلام) نے فرمایا: لوگوں کے چہروں
میں بغور دیکھو۔ تو انھوں نے دیکھا۔ پھر فرمایا:
اے ثابت! تم نے کیا دیکھا؟ عرض کی: میں
نے لال، سفید اور کالے چہرے دیکھے۔ سرکار
(علیہ السلام والتحیۃ المدرار) نے فرمایا: تو
بے شک تمھیں ان پر فضیلت نہیں مگر دین اور
تقویٰ میں۔ تو حضرت ثابت کے لئے یہ آیت اُتری
اور جنھوں نے مجلس میں کشادگی نہ کی تھی ان کے
حق میں ارشاد نازل ہوا: اے ایمان والو!
جب تم سے کہا جائے مجلسوں میں جگہ دو تو جگہ دو۔
اور مقاتل کا قول ہے کہ جس دن مکہ فتح ہوا رسول اللہ

امر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بلالا حتى علا على ظهر الكعبة واذن، فقال عتاب بن اُسيد بن ابى العيص: الحمد لله الذى قبض ابى حتى لم يرهذا اليوم ۔ وقال الحارث بن هشام اما وجد محمد غيرهذا الغراب الاسود مؤذنا ۔ وقال سهل بن عمرو ان يرد الله شيئا يغيره ۔ وقال ابوسفيان انى لا اقول شيئا اخاف ان يخبربه رب السماء، فاتى جبريل فاخبر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بما قالوا فدعاهم وسألهم عما قالوا فاقروا فانزل الله تعالىٰ هٰذه الاٰية وزجرهم عن التفاخر بالانساب والتكاثر بالاموال والازراء بالفقراء[1]

صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) کو حکم دیا (کہ اذان دیں) تو وہ کعبہ کی چھت پر چڑھے اور انھوں نے اذان کہی، تو عتاب بن اُسید بن ابی العیص نے کہا: اللہ کے لئے حمد ہے جس نے میرے باپ کو اٹھالیا اور انھوں نے یہ دن نہ دیکھا۔ اور حارث بن ہشام نے کہا: کیا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو اس کالے کوّے کے سوا کوئی اذان دینے والا نہ ملا۔ اور سہل بن عمرو نے کہا: اللہ کو اگر کوئی چیز ناپسند ہوگی وہ اسے بدل دے گا۔ اور ابوسفیان بولے، میں کچھ نہیں کہتا مجھے خوف ہے کہ آسمان کا رب انھیں خبردار کردے گا۔ تو جبریل (علیٰ نبینا وعلیہ السلام) نازل ہوئے پھر رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان لوگوں کی باتیں بتادیں تو حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے ان سے ان کے اقوال کی بابت پوچھا تو اُنھوں نے اقرار کیا، تو اللہ نے یہ آیت اتاری اور انھیں نسب پر فخر اور اموال پر گھمنڈ اور فقراء کی تحقیر سے منع فرمایا۔

قال العلامة النسفى فى المدارك تبعا للزمخشرى فى الكشاف عن يزيد بن شجرة مر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى سوق المدينة فرأى غلاما اسود يقول من اشترانى فعلىٰ شرط ان لا يمنعنى

علامہ نسفی نے زمخشری کی اتباع کرتے ہوئے مدارک میں فرمایا یزید بن شجرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کے بازار میں گزرے تو ایک سیاہ فام غلام دیکھا جو کہتا تھا مجھے جو خریدے تو اس شرط پر خریدے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

[1] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیۃ ۱۳/۴۹ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۴/۱۹۵

من الصلوات الخمس خلف رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم، فاشتراه بعضهم فمرض فعاده رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه واٰله وسلم ثم توفی فحضر دفنه فقالوا فی ذٰلك شیئا فنزلت[1]

وبالجملة فمحصل الاٰیة نفی التفاخر بالانساب وان الکرم عند اللّٰه تعالیٰ انما ینال بالتقوٰی فمن لم یکن تقیا لم یکن له حظ من الکرامة وسلبه کلیا لا یصح الا عن کافر اذ کل مؤمن یتقی اکبر الکبائر الکفر والشرك، ومن کان تقیا کان کریما ومن کان اتقی کان اکرم عند اللّٰه تعالیٰ، ولعلّك تظن ان سردنا تلك الروایات فی شان النزول مما لا یغنینا فیما نحن بصدده، ولیس کذٰلك بل هو ینفعنا فی نفس الاحتجاج ونکسر به سورة بعض الاوهام ان شاء اللّٰه

وآلہٖ وسلم کے پیچھے پنجگانہ نماز سے نہ رو کے گا۔ تو اُسے کسی نے خرید لیا۔ پھر وہ بیمار پڑا تو رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اس کی عیادت کو تشریف لائے، پھر اس کی وفات ہو گئی تو سرکار اس کے دفن میں رونق افروز ہوئے تو لوگوں نے اس بارے میں کچھ کہا تو یہ آیت اتری۔

مختصر یہ کہ آیتِ کریمہ کا حاصل نسب پر فخر کی نفی ہے اور یہ کہ اللہ کے یہاں عزت تقوٰی ہی سے ملتی ہے، تو جو متقی نہیں اس کے لئے عزت سے کچھ حصہ نہیں، اور تقوٰی کا سلب کُلی طور پر کافر کے سوا کسی سے نہیں، اس لئے کہ ہر مومن اکبر الکبائر کفر و شرک سے بچتا ہے اور جو متقی ہوگا وہ باعزت ہوگا اور جو زیادہ تقوٰی والا ہوگا وہ زیادہ عزت دار اپنے رب کے یہاں ہوگا۔ اور شاید تمہیں گمان ہو کہ ہمارا ان روایتوں کو ذکر کرنا اس مدعٰی میں جس کے ثابت کرنے کے ہم درپے ہیں ہمیں نفع بخش نہیں حالانکہ بات یُوں نہیں بلکہ وہ ہمیں نفس استدلال میں فائدہ دے گا اور ہم اس سے کچھ وہمیوں کا زور توڑیں گے ان شاء اللہ۔

---

[1] مدارک التنزیل تفسیر النسفی تحت الآیۃ ۴۹/۱۳ دار الکتاب العربی بیروت ۴/۱۷۳

تعالٰی، کما ستطلع علیہ، فانتظر، ھذہٖ مقدمۃ

تعالٰی، جیسا کہ تم عنقریب اس پر مطلع ہوگے تو انتظار کرو یہ ایک مقدمہ ہے

والمقدمۃ الاُخریٰ

اور دوسرا مقدمہ یہ ہے

قال اللہ سبحٰنہٗ و تعالٰی: "وسیجنّبھا الاتقی الذی یؤتی مالہ یتزکّی و مالاحد عندہ من نعمۃ تجزی الا ابتغاء وجہ ربہ الاعلی ولسوف یرضی"[1] اجمع المفسرون من اھل السنۃ والجماعۃ علی ان الاٰیۃ نزلت فی الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ وانہ ھو المراد بالاتقی۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور بہت اس سے دُور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار جو اپنا مال دیتا ہے کہ ستھرا ہو اور کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے اور بیشک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا، اہلِ سنّت وجماعت کے مفسرین کا اجماع ہے اس پر کہ یہ آیت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حق میں اُتری اور الاتقی سے وہی مراد ہیں۔

اخرج ابن ابی حاتم والطبرانی ان ابابکر اعتق سبعۃ کلھم یعذب فی اللہ فانزل اللہ تعالٰی قولہ وسیجنبھا الاتقی الی اٰخر السورۃ[2]، قال البغوی قال ابن الزبیر وکان

ابن ابی حاتم وطبرانی نے حدیث روایت کی کہ ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے ان سات کو آزاد کیا جو سب کے سب اللہ کی راہ میں ستائے جاتے تھے تو اللہ تعالٰی نے اپنا فرمان (وسیجنبھا الاتقی تا آخر سورۃ) نازل فرمایا۔ بغوی نے فرمایا کہ ابن الزبیر کا قول ہے کہ ابوبکر

---

[1] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۷ تا ۲۱

[2] الصواعق المحرقۃ بحوالہ ابن حاتم والطبرانی الباب الثالث الفصل الثانی دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۹۸

الدرالمنثور " " " تحت الآیۃ ۹۲/ ۱۷ تا ۲۱ داراحیاء التراث العربی ۸/ ۴۹۳

الحاوی للفتاوٰی الفتاوی القرآنیۃ سورۃ اللیل الفصل الاول دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۳۲۷

ابوبكر يبتاع الضعفة فيعتقهم، فقال ابوه: اى بنى لو كنت تبتاع من يمنع ظهرك؟ قال منع ظهرى اريد، فنزل "وسيجنبها الاتقى" الى آخر السورة، وذكر محمد بن اسحٰق قال كان بلال لبعض بنى جمح وهو بلال بن رباح واسم اُمّه حمامة وكان صادق الاسلام وطاهر القلب، وكان امية بن خلف يخرجه اذا حميت الظهيرة فيطرحه على ظهره ببطحاء مكّة، ثمّ يامر بالصخرة العظيمة فتوضع على صدره، ثم يقول له لا تزال هٰكذا حتى تموت او تكفر بمحمد (صلى الله عليه وسلم) ويقول وهو فى ذٰلك البلاء، احد احد، وقال محمد بن اسحٰق عن هشام بن عروة عن ابيه قال مر به ابوبكر يوما وهم يصنعون به ذٰلك و كانت دار ابى بكر فى بنى جمح فقال لامية الا تتقى فى هذا المسكين؟ قال ، ______ انت افسدته فانقذه مما

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کمزوروں کو خریدتے پھر انھیں آزاد کر دیتے۔ تو ان سے ان کے والدین نے کہا: اے بیٹے! ایسے غلاموں کو خریدتے ہوتے جو تمھاری حفاظت کرتے۔ ابوبکر نے فرمایا: میں اپنی حفاظت ہی چاہتا ہوں۔ تو یہ آیت تا آخر سورت نازل ہوئی۔ اور محمد بن اسحٰق نے ذکر کیا بلال (رضی اللہ عنہ) قبیلہ بنی جمح کے غلام تھے اور ان کا نام بلال بن رباح ہے اور ان کی ماں کا نام حمامہ ہے اور بلال (رضی اللہ عنہ) اسلام میں سچے تھے اور پاک دل تھے، اور امیہ بن خلف انھیں باہر لاتا جب گرم دوپہر ہوتی تو انھیں پیٹھ کے بل مکہ کے ریتلے میدان میں ڈال دیتا پھر بڑی چٹان لانے کا حکم دیتا تو ان کے سینہ پر رکھدی جاتی پھر کہتا: تم ایسے ہی پڑے رہو گے یہاں تک کہ مرجاؤ یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کافر ہو۔ اور حضرت بلال احد احد فرماتے حالانکہ وہ اس بلا میں ہوتے۔ اور محمد بن اسحٰق نے ہشام بن عروہ سے روایت کی انھوں نے اپنے باپ سے روایت کی انھوں نے فرمایا: ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا گزر ایک دن بلال (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے پاس سے ہوا اور وہ لوگ بلال (رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ یہی برتاؤ کر رہے تھے اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کا گھر بنو جمح میں تھا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تو (امیۃ بن خلف) اس بیچارے کے معاملہ میں

ترى، قال ابوبكر افعل عندي غلام اسود واجلد منه واقوى على دينك اعطيكه؟ قال قد فعلت فاعطاه ابوبكر غلامه واخذه فاعتقه، ثمّ اعتق معه على الاسلام قبل ان يهاجر ست رقاب بلال سابعهم، عامر بن فهيرة (رضي الله تعالىٰ عنه) شهد بدرًا و أُحدًا و قتل يوم بئر معونة شهيدًا، و ام عميس و زهرة فاصيب بصرها و اعتقها فقال قريش ما أذهب بصرها الّا اللات و العزّى فقالت كذبوا و بيت الله ما تضر اللات و العزّى و ما تنفعان، فردّ الله تعالىٰ اليها بصرها واعتق النهدية و ابنتها و كانتا لامرأة من بني عبد الدار فمر بهما و قد بعثتها سيدتهما تطحنان لها وهي تقول والله لا اعتقكما ابدًا،

اللہ سے نہیں ڈرتا، تو امیہ نے کہا آپ نے اسے بگاڑا ہے تو آپ اس گت سے اسے بچا لیں جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے فرمایا، میں بچائے لیتا ہوں میرے پاس ایک غلام ہے سیاہ فام جو بلال (رضی اللہ عنہ) سے زیادہ قوی اور طاقتور ہے اور تیرے دین پر ہے وہ تجھے دے دوں۔ امیہ بولا، مجھے منظور ہے۔ تو ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے امیہ کو اپنا غلام دے دیا اور بلال (رضی اللہ عنہ) کو لے لیا تو انھیں آزاد کر دیا پھر ان کے ساتھ اسلام کی شرط پر ہجرت سے پہلے چھ غلاموں کو آزاد کیا انکے ساتویں بلال ہیں۔ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ جو جنگ بدر و احد میں شریک ہوئے اور بئر معونہ کی جنگ میں قتل ہو کر شہید ہوئے، اور ام عمیس و زھرہ کی آنکھ جاتی رہی، جب انھیں ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے آزاد فرمایا تو قریش بولے کہ انھیں لات و عزیٰ نے اندھا کیا ہے، تو آپ بولیں، قریش، کعبہ کی قسم جھوٹے ہیں لات و عزیٰ نہ ضرر دے سکیں نہ فائدہ پہنچا سکیں۔ تو اللہ نے انھیں ان کی بینائی پھیر دی۔ اور نہدیہ اور اس کی بیٹی کو آزاد کیا اور یہ دونوں بنی عبدالدار کی ایک عورت کی لونڈیاں تھیں، تو صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ان کے پاس سے گزرے اور ان کی آقا عورت نے انھیں بھیجا تھا کہ اس کا آٹا پیسیں اور وہ عورت کہتی تھی کہ خدا کی قسم انھیں کبھی آزاد نہ کروں گی۔

فقال ابوبكر كلا يا ام فلان، فقالت كلا انت أفسدتهما فاعتقهما، قال فبكم؟ قالت بكذا وكذا، قال قد أخذتهما وهما حرتان، ومر بجارية بني المؤمل وهي تعذب فابتاعها فاعتقها. وقال سعيد بن المسيب بلغني ان امية بن خلف قال لابي بكر في بلال حين قال اتبيعه؟ قال نعم ابيعه بنسطاس وكان نسطاس عبد لابي بكر صاحب عشرة آلاف دينار، وغلمان وجوار ومواش وكان مشركا حمله ابوبكر على الاسلام ان يكون ماله له، فأبى فابغضه ابوبكر، فلما قال له امية ابيعه بغلامك نسطاس، اغتنمه ابوبكر وباعه منه فقال المشركون ما فعل ذلك ابوبكر الا ليد، كانت لبلال عنده فانزل الله تعالى

تو ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے فرمایا: اے ام فلان! ہرگز نہیں۔ وہ بولی، ہرگز نہیں، آپ نے ان دونوں کو بگاڑا ہے تو آپ آزاد کریں۔ صدیق نے فرمایا: تو کتنے دام پر بیچتی ہے؟ وہ بولی: اتنے اور اتنے دام پر۔ ابوبکر (رضی اللہ تعالٰے عنہ) نے فرمایا: میں نے ان دونوں کو لیا اور یہ دونوں آزاد ہیں۔ اور آپ کا گزر بنو مؤمل کی ایک لونڈی کے پاس سے ہوا جب اس پر ظلم ہو رہا تھا تو اُسے خرید کر اُسے آزاد کر دیا، اور سعید بن المسیّب (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے فرمایا کہ مجھے خبر پہنچی کہ اُمیّہ بن خلف نے ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) سے بلال کے معاملہ میں اُس وقت جب انھوں نے اس سے پوچھا کہ کیا بلال کو فروخت کرے گا؟ کہا: ہاں میں اسے نسطاس سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا غلام جو دس ہزار دینار اور بہت سے لونڈی اور غلام اور چوپایوں کا مالک تھا کے بدلے بیچتا ہوں اور ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے چاہا تھا کہ نسطاس اسلام لے آئے اور اس کا مال اُسی کا رہے، تو وہ نہ مانا تو حضرت ابوبکر نے اس کو مبغوض جانا۔ پھر جب امیہ نے کہا: بلال کو میں آپ کے غلام کے بدلے دیتا ہوں۔ ابوبکر نے اس بات کو غنیمت جانا اور نسطاس کو اُمیّہ کے ہاتھ بیچ دیا، تو مشرکین بولے: ابوبکر (رضی اللہ تعالٰے عنہ) نے ایسا صرف اس لیے کیا ہے کہ بلال (رضی اللہ تعالٰے عنہ) کا ان پر کوئی احسان ہے، تو اللہ تعالٰے نے یہ آیت

وما لاحد عنده من نعمة تجزی[1]

اتاری وما لاحد عنده الخ لعینی اور اس پر کسی کا کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے ۔

وذکر العلامة ابو السعود فی تفسیرہ قد روی عطاء والضحاک عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما (و ذکر قصة شراء بلال واعتاقہ قال) فقال المشرکون ما اعتقہ ابوبکر الا لید کانت عندہ فنزلت[2] اھ ملخصًا۔

اور علامہ ابو السعود نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا کہ عطا اور ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا (اس روایت میں خریداری بلال اور ان کے آزاد ہونے کا قصہ ذکر کیا پھر کہا) تو مشرکین بولے، ابوبکر نے بلال کو ان کے کسی احسان ہی کی وجہ سے آزاد کیا ہے تو یہ آیت (مندرجہ بالا) اتری اھ ملخصًا۔

وفی الازالة عن عروة ان ابابکر الصدیق اعتق سبعة کلھم یعذب فی اللہ بلالًا و عامر بن فھیرة والنھدیة وابنتھا وزنیرة وام عیسٰی وامة بنی المؤمل، وفیہ نزلت وسیجنبھا الاتقی[3] الی اٰخر السورة۔

اور ازالہ میں عروہ سے ہے کہ ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے سات کو آزاد کیا، ان سب پر اللہ کی راہ میں ظلم توڑا جاتا تھا وہ بلال و عامر بن فہیرہ اور نہدیہ اور اس کی بیٹی اور زنیرہ اور ام عیسٰی اور بنی مؤمل کی کنیز ہیں اور انھیں کیلئے آیت اتری وسیجنبھا الاتقی اور اس سے (دوزخ) بہت دور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار ہے ۔۔۔ تا آخر سورت۔

وعن عامر بن عبد اللہ بن الزبیر عن ابیہ قال قال ابو قحافة لابی بکر اراک تعتق رقابًا ضعافًا فلو انک اذا فعلت ما فعلت اعتقت رجالًا جلدًا یمنعونک

اور عامر بن عبد اللہ بن الزبیر سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے راوی ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ حضرت ابو قحافہ نے ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے فرمایا: میں تمھیں دیکھتا ہوں کہ کمزور غلاموں کو آزاد کرتے ہو تو کاش! تم تندرست و

---

[1] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیة ۹۲/ ۱۷ تا ۲۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۴۶۳-۴۶۳
[2] ارشاد العقل السلیم " " ۹۲/ ۱۹ دار احیاء التراث العربی " ۹/ ۱۶۸
[3] ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء فصل ہشتم مقصد اول مسلک اول سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۳۰۱

ويقومون دونك فقال يا أبت انما اريد وجه الله، فنزلت هذه الآية فاما من اعطى واتقى الى قوله وما لاحد عنده من نعمة تجزى الا ابتغاء وجه ربه الاعلى ولسوف يرضى[1]

تو ناغلام آزاد کرتے جو تمھاری حفاظت کرتے اور جنگ میں تمھاری سپر ہوتے۔ تو ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے فرمایا: اے میرے باپ! میں تو صرف اللہ کی رضا چاہتا ہوں تو یہ آیت نازل ہوئی فاما من اعطیٰ واتقیٰ یعنی جس نے دیا اور پرہیزگاری کی ——— اللہ تعالیٰ کے قول وما لاحد عندہ من نعمۃ تجزیٰ تک یعنی ان پر کسی کا احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے اور بیشک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا۔

وعن سعيد بن المسيب قال نزلت "وما لاحد عنده من نعمة تجزى" فى ابى بكر عتق ناسا لم يلتمس منهم جزاء ولا شكورا ستة او سبعة منهم بلال وعامر بن فهيرة[2]

اور سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انھوں نے فرمایا کہ آیت کریمہ وما لاحد عندہ من نعمۃ تجزیٰ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں اُتری کہ انھوں نے کچھ لوگوں کو آزاد کیا اُن سے نہ بدلہ چاہا نہ شکر گزاری، وہ آزاد شدہ چھ یا سات تھے، اُنھیں میں بلال وعامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے۔

وعن ابن عباس فى قوله تعالىٰ "وسيجنبها الاتقىٰ" قال هو ابوبكر الصديق[3]

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے "وسیجنبہا الاتقیٰ" کی تفسیر میں ہے فرمایا وہ ابوبکر صدیق ہیں (آیت میں جن کا ذکر ہے)

قلت وقد اخرج ابن ابى حاتم ابن مسعود (رضى الله تعالىٰ عنه) ان ابابكر اشترى بلالا من امية بن خلف

میں کہتا ہوں اور ابن ابی حاتم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بسندِ خود روایت کی کہ امیہ بن خلف اور اُبی بن خلف سے حضرت ابوبکر

---

[1] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء فصل ہشتم مقصد اول مسلک اول سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۳۰۱

[2] " " " " " " " " " " " "

[3] " " " " " " " " " " " "

ببردة و عشرة اواق
فاعتقه لله تعالى، فانزل الله
تعالى هذه الآية : اى ان
سعى ابي بكر و امية و
ابي لمفترق فرقانا
عظيما فشتان ما بينهما[1]
وقد قال السيد ابن
السيد عمار بن ياسر
رضي الله تعالى عنهما في
اشتراء الصديق بلالاً و اعتاقه
شعرًا ؎

جزى الله خيرًا عن بلال وصحبه
عتيقا و اخزى فاكها وابا جهل
عشية هما في بلال بسوءة
ولم يحذرا ما يحذر المرء ذو العقل
بتوحيد رب الانام و قوله
شهدت بان الله ربي على مهل
فان تقتلوني فاقتلوني فلم اكن
لاشرك بالرحمن من خيفة القتل
فيا رب ابراهيم والعبد يونس
وموسى وعيسى نجني ثم تمل
لمن ظل يهوى الغي من آل غالب
على غير بركات منه ولا عدل[2]

نے حضرت بلال کو ایک چادر اور دس اوقیہ سونے کے عوض خریدا پھر انھیں خاص اللہ کے لئے آزاد کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری جس کا مطلب یہ ہے "بے شک تمھاری کوشش مختلف ہے" یعنی ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور امیہ اور اُبی بن خلف کی کوششوں میں عظیم فرق ہے تو ان میں بون بعید ہے" اور سردار بن سردار عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ابوبکر صدیق کے بلال رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد کرنے کے بارے میں یہ اشعار کہے جن کا ترجمہ درج ذیل ہے : اللہ جزائے خیر دے بلال اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے عتیق (ابوبکر) کو اور امیہ اور ابوجہل کو رسوا کرے، وہ شام یاد کرو جب اُن دونوں نے بلال کا بُرا چاہا اور اس سے نہ ڈرے جس سے ذی عقل آدمی ڈرتا ہے، انھوں نے بلال کا بُرا اس لئے چاہا کہ بلال نے خلق کے خدا کو ایک جانا اور اس نے یہ کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ میرا رب ہے، میں اس پر مطمئن ہوں تو اگر تم مجھے قتل کرو تو اس حال میں قتل کروگے کہ میں رحمان کا شریک نہیں ٹھہراتا قتل کے ڈر سے تو اے ابراہیم اور اپنے بندے یونس اور موسیٰ و عیسیٰ کے رب! مجھے نجات دے پھر اسے مہلت نہ دے جو ناحق ظالمانہ آلِ غالب کی گمراہی کی آرزو کئے جاتا ہے۔

---

[1] الصواعق المحرقة بحوالہ ابن ابی حاتم الباب الثالث الفصل الثانی دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۹۹

[2] لباب التاویل فی معانی التنزیل (تفسیر خازن) تحت الآیۃ ۹۲/۱۷ " " " " ۴۳۶/۴

هذا وقد قال البغوی فی الاتقی یعنی ابا بکر الصدیق فی قول الجمیع۔[1]	اسے یاد رکھو اور امام بغوی نے الاتقی کی تفسیر میں کہا اس لفظ سے خدا کی مراد سب مفسرین کے قول کے بموجب ابوبکر صدیق ہیں۔
وقال الرازی فی مفاتیح الغیب "اجمع المفسرون منا علی ان المراد منه ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنه۔"[2]	امام رازی نے مفاتیح الغیب میں فرمایا "ہم سُنّیوں کے مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اتقٰی سے مراد ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں"۔
ونقل ابن حجر فی الصواعق عن العلامة ابن الجوزی اجمعوا انها نزلت فی ابی بکر۔[3]	صواعق میں ابن حجر نے علامہ ابن الجوزی سے نقل کیا، علماء اس پر متفق ہیں کہ یہ آیت ابوبکر کے حق میں نازل ہوئی۔
حتی بلغنی ان الطبرسی مع رفضه لم یسغ له انکاره فی تفسیره مجمع البیان، والفضل ماشهدت به الاعداء، والحمد للہ رب العلمین۔	یہاں تک کہ مجھے خبر پہنچی کہ طبرسی کو باوجود رفض اپنی تفسیر مجمع البیان میں اس کا انکار نہ بن پڑا اور فضل وہی ہے جس کی شہادت دشمن دیں، والحمد للہ رب العالمین۔
ثم ان الامام الفاضل فخر الدین الرازی حاول فی تفسیرہ اثبات ان الآیة لاتصلح الا للصدیق بطریق النظر والاستدلال علی ماھودابه رحمه اللہ تعالٰی فقال "اعلم ان الشیعة باسرھم ینکرون ھذہ الروایة ویقولون انها نزلت فی حق علی ابن ابی طالب علیه السلام والدلیل علیه قوله تعالٰی "ویؤتون الزکوٰة وھم	پھر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اپنی عادت کے مطابق اپنی تفسیر میں عقلی استدلال و نظر کی راہ سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش فرمائی کہ آیت کا مفہوم صدیق اکبر کے سوا کسی کے لئے نہیں بنتا، تو انھوں نے فرمایا تمھیں معلوم ہو کہ تمام شیعہ اس روایت کے منکر ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ آیت علی بن ابی طالب کے حق میں اتری ہے اور اس کی دلیل اللہ کا فرمان ہے ویؤتون الزکوٰة وھم راکعون یعنی وہ رکوع کی

[1] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیة ۹۲/۱۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴/۴۶۳

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) " المطبعة البھیة المصریة مصر ۳۱/۲۰۵

[3] الصواعق المحرقة الباب الثالث الفصل الثانی دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۹۸

راكعون"، فقوله "الاتقى الذى يؤتى
ماله يتزكى" اشارة الى ما فى تلك
الأية من قوله "يؤتون
الزكوة وهم راكعون" ولما
ذكر ذلك بعضهم فى محضرى
قلت اقيم الدلالة العقلية
على ان المراد من هذه
الأية ابوبكر، وتقريرها ان
المراد من هذا الاتقى هو
افضل الخلق، فاذا كان كذلك
وجب ان يكون المراد هو ابوبكر،
فهاتان المقدمتان متى
صحتا صح المقصود، انما
قلنا ان المراد من هذا الاتقى
افضل الخلق لقوله تعالىٰ "ان
اكرمكم عند الله اتقاكم" والاكرم
هو الافضل، فدل على
ان كل من كان
اتقى وجب ان يكون الافضل،
فثبت ان الاتقى المذكور
ههنا لابد وأن يكون
افضل الخلق عند الله
تعالىٰ، فنقول لابد و
ان يكون المراد به ابابكر لان الامة مجمعة
على ان افضل الخلق بعد رسول الله صلى الله

حالت میں زکوٰۃ دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا قول
الاتقی الذی یؤتی ماله یتزکی یعنی وہ سب
سے بڑا پرہیزگار جو ستھرا ہونے کو اپنا مال دیتا
ہے، اسی وصف کی طرف اشارہ ہے جو اس آیت
میں مذکور ہوا یعنی اللہ کا یہ فرمانا "یؤتون
الزکوٰۃ" الآیۃ اور جب ایک رافضی نے یہ بات
میری مجلس میں کہی میں نے کہا میں اس پر دلیل
عقلی قائم کروں گا کہ اس آیت سے مراد صرف
ابوبکر ہیں اور تقریر دلیل یوں ہے کہ مراد اس بڑے
پرہیزگار سے وہی ہے جو سب سے افضل ہے،
تو جب معاملہ ایسا ہے تو ضروری ہے کہ اس
سے مراد بس ابوبکر ہوں، تو جب یہ دونوں مقدمے
صحیح ہونگے دعویٰ درست ہوگا۔ اور ہم نے یہ
اسی لئے کہا کہ اس بڑے پرہیزگار سے مراد
سب سے افضل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول
ہے "اللہ کے یہاں سب سے زیادہ عزت والا
وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہو"
اور اکرم ہی افضل ہے۔ تو آیت نے بتایا کہ
ہر وہ شخص جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہوگا ضروری
ہے کہ وہ سب سے زیادہ مرتبے والا ہو، تو ثابت
ہوگیا کہ سب سے بڑا پرہیزگار جس کا یہاں (آیت
میں) ذکر ہوا ضروری ہے کہ اللہ کے یہاں سب
سے افضل ہو۔ اب ہم کہتے ہیں کہ ساری امت
اس پر متفق ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کے بعد خلق سے افضل ابوبکر ہیں یا علی۔

تعالیٰ علیه وسلم اما ابوبکر او علیؓ ولایمکن حمل
هٰذه الآیة علیٰ علی بن ابی طالب فتعین
حملها علیٰ ابی بکر، و انما قلنا انه لایمکن
حملها علیٰ علی بن ابی طالب لانه تعالیٰ
قال فی صفة هذا الاتقی "وما لأحد
عنده من نعمة تجزی" وهذا
الوصف لایصدق علیٰ علی ابن ابی طالب
لانه کان فی تربیة النبی صلی الله
تعالیٰ علیه وسلم لأنه اخذه من
ابیه وکان یطعمه ویسقیه و
یکسوه ویربیه، وکان الرسول
صلی الله تعالیٰ علیه وسلم
منعما علیه نعمة یجب جزاءها
اما ابوبکر فلم یکن للنبی علیه
الصلوٰة والسلام نعمة دنیویة
بل ابوبکر کان ینفق علی الرسول
علیه الصلوٰة والسلام بلیٰ کان
للرسول علیه الصلوٰة والسلام علیه
نعمة الهدایة والارشاد الی
الدین، الا ان هذا لایجزی
لقوله تعالیٰ "ما اسئلکم علیه
من اجر" والمذکور ههنا
لیس مطلق النعمة
بل نعمة تجزی، فعلمنا
ان هذه الآیة لا تصلح

اور یہ ممکن نہیں کہ یہ آیت علی پر محمول کی جائے تو
ابوبکر کے لئے اس کا مصداق ہونا متعین ہوگیا، اور
ہم نے یہ اسی لئے کہا کہ آیت کو علی پر محمول کرنا
ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سب سے
بڑے پرہیزگار کی صفت میں فرمایا ہے وما لاحد
عندہ من نعمۃ تجزی یعنی اس پر کسی کا
احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے، اور یہ وصف
علی بن ابی طالب پر صادق نہیں آتا اس لئے کہ
وہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تربیت میں تھے
بایں سبب کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علی
کو ان کے باپ سے لے لیا تھا اور حضور انھیں
کھلاتے پلاتے، پہناتے اور پالتے تھے۔ اور
حضور (رسول) صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
علی کے ایسے محسن ہیں کہ ان کے احسان کا بدلہ
واجب ہوا۔ رہے ابوبکر، تو حضور (نبی صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم) کا ان پر دنیوی احسان نہیں
بلکہ ابوبکر رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خرچ
اٹھاتے تھے۔ ہاں کیوں نہیں ابوبکر پر رسول
علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دین کی طرف ہدایت و
ارشاد کا احسان ہے۔ مگر یہ ایسا نہیں جس کا
بدلہ دیا جائے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا
(حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کی
حکایت کرتے ہوئے) میں تبلیغ پر تم سے کچھ
اجر نہیں مانگتا۔ اور یہاں مطلق احسان کا ذکر
نہیں بلکہ بات اس احسان کی ہے جس کا بدلہ

لعلی بن ابی طالب ، واذا ثبت ان المراد بھذہ الآیۃ من کان افضل الخلق، و ثبت ان ذلک الافضل من الامۃ اما ابوبکر اوعلی ، و ثبت ان الاٰیۃ غیرصالحۃ لعلی تعین حملھا علی ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ، وثبت دلالۃ الاٰیۃ ایضا علی ان ابابکر افضل الامۃ[1] اھ ملخصًا۔

دیا جائے تو ہم نے جان لیا کہ آیت کا یہ معنٰی علی بن ابی طالب کے لئے نہیں بنتا ، اور جب یہ ثابت ہے کہ مراد اس آیت کی وہی ہے جو افضل خلق ہے اور یہ ثابت ہے امت میں سب سے افضل یا ابوبکر ہیں یا علی ، اور یہ ثابت ہوچکا ہے کہ مفہوم آیت علی کے شایاں نہیں اس کا مصداق ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے متعین ہوگیا اور آیت کی دلالت اس پر بھی ثابت ہوگئی کہ ابوبکر ساری اُمت سے افضل ہیں اھ ملخصًا۔

قلت اما ماذکرالفاضل الامام ان علیًا رضی اللہ تعالٰی عنہ کان فی تربیۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وأنہ اخذہ من ابیہ فقد ذکرہ محمد بن اسحٰق وابن ھشام وھذا لفظ ابن اسحٰق "حدثنی عبد اللہ بن ابی نجیح عن مجاھد بن جبیر ابی الحجاج قال کان من نعمۃ اللہ تعالٰی علی علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ مما صنع اللہ تعالٰی لہ وارادہ بہ من الخیران قریشا اصابتھم ازمۃ شدیدۃ وکان ابوطالب ذاعیال کثیرفقال

میں کہتا ہُوں کہ رہی یہ بات جو فاضل امام (فخر الدین رازی علیہ الرحمہ) نے فرمائی کہ علی رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تربیت میں تھے اور آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُنھیں ان کے والد سے لے لیا تھا تو اس کا ذکر محمد ابن اسحٰق وابن ہشام نے کیا ہے اور محمد بن اسحٰق کے الفاظ یوں ہیں ، مجھ سے عبد اللہ بن ابی نجیح نے حدیث بیان کی اُنھوں نے روایت کی مجاہد بن جبیر ابی الحجاج سے اُنھوں نے فرمایا کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ پر اللہ تعالٰی کے احسان کے قبیل سے وہ ہے، جو اللہ تعالٰی نے ان کے ساتھ کیا اور ان کی بھلائی کا ارادہ فرمایا وہ یہ کہ قریش پر سخت تنگی پڑی اور ابوطالب کی اولاد بہت تھی اس لئے رسول اللہ

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۹۲/۱۷ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۳۱/۲۰۵ و ۲۰۶

رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم للعباس عمه وکان من الیسر بنی هاشم یا عباس ان اخاك اباطالب کثیر العیال وقد اصاب الناس ما تری من هذه الازمة فانطلق بنا الیه، فلنخفف عنه من عیاله آخذ من بنیه رجلا وتأخذ انت رجلاً، فنکلهما عنه قال العباس نعم فانطلقا حتی اتیا الی ابی طالب فقالا له انا نرید ان نخفف عنك من عیالك حتی ینکشف عن الناس ما هم فیه، فقال لهما ابوطالب اذا ترکتما لی عقیلاً فاصنعا ما شئتما، فاخذ رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم علیا فضمه الیه واخذ العباس جعفرا فضمه الیه فلم یزل علیّ رضی الله تعالیٰ عنه مع رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم حتی بعثه الله تبارك وتعالیٰ نبیا فاتبعه علی وآمن به علی وصدقه ولم یزل جعفر عند العباس حتی اسلم واستغنی عنه[1] انتهی۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے چچا عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے فرمایا اور وہ بنی ہاشم کے بڑے مالداروں میں سے تھے، اے عباس! آپ کے بھائی ابوطالب کی اولاد بہت ہے اور لوگوں پر جو یہ سختی پڑی ہے وہ آپ دیکھ رہے ہیں تو ہمارے ساتھ ابوطالب کے یہاں چلئے کہ ہم ان کی اولاد کا بوجھ کم کریں ان کے بیٹوں سے ایک آدمی میں لے لوں اور ایک آدمی آپ لے لیں تو ہم دونوں ان کی کفالت کریں۔ حضرت عباس نے عرض کی: جی ہاں۔ تو دونوں حضرات چل کر ابوطالب کے پاس تشریف لائے تو ان سے کہا: ہم چاہتے ہیں کہ جب تک لوگوں کی مصیبت (جس میں وہ مبتلا ہیں) دور ہو آپ سے آپ کی اولاد کا بوجھ کم کردیں۔ تو ابوطالب ان سے بولے: اگر تم میرے لئے عقیل کو چھوڑ دو تو تم جو چاہو کرو۔ تو رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علی کو لے کر اپنے سینے سے لگایا اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جعفر کو لیا اور چمٹا لیا۔ تو علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے ساتھ رہے یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے سرکار کو نبی مبعوث فرمایا تو حضرت علی ان پر ایمان لائے اور ان کو سچا مانا اور جعفر عباس کے پاس رہے یہاں تک کہ اسلام لاکر ان سے بے نیاز ہوگئے اھ۔

---

[1] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ذکر ان علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ دار ابن کثیر بیروت الجزء الاول والثانی ص ۲۴۶

قلت وتمام النعمة الکبریٰ بتزویج البتول الزهراء صلوات اللّٰہ علیٰ ابیہا الکریم وعلیہا واما ما ذکر من ان ابابکر کان ینفق علیٰ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم فھذا اوضح و اظھر عند من لہ خبرۃ بالاحادیث والسیر۔ اخرج الامام احمد والبخاری عن ابن عباس عن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: انہ لیس من الناس احدٌ اَمَنَّ علیّ فی نفسہ ومالہ من ابی بکر بن ابی قحافۃ ولو کنت متخذا من الناس خلیلاً لاتخذت ابا بکر خلیلاً ولکن خُلّۃ الاسلام افضل، سُدّوا عنی کل خَوخۃ فی ھذا المسجد غیر خوخۃ ابی بکر۔[1] واخرج الترمذی عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم ما لأحد عندنا ید الا وقد کافیناہ ما خلا ابا بکر فان لہ عندنا یدا یکافیہ اللّٰہ بہا یوم القیٰمۃ وما نفعنی مال احد قط ما نفعنی

میں کہتا ہوں اور نعمت کبریٰ کی تکمیل بتول زہرا (فاطمہ) صلوات اللّٰہ علیٰ ابیہا الکریم و علیہا سے شادی ہوکر ہوئی۔ اور یہ جو ذکر کیا کہ حضرت ابوبکر رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خرچ اٹھاتے تھے۔ تو یہ اس کے نزدیک جس کو احادیث وکتب سیرت سے واقفیت ہے بہت واضح اور خوب ظاہر ہے۔ امام احمد و بخاری نے ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما سے انہوں نے رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ تعالےٰ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ حضور نے فرمایا: "لوگوں میں سے کوئی شخص نہیں جس کا اپنے جان ومال میں مجھ پر زیادہ احسان ہوسوا ابوبکر بن ابی قحافہ کے، اگر میں لوگوں میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا، لیکن اسلامی خلت اور محبت افضل ہے، اس مسجد میں ابوبکر کے دروازہ کے سوا سب دروازے بند کردو۔" اور ترمذی نے (اپنی سند سے) ابوہریرہ (رضی اللّٰہ عنہ) سے حدیث ذکر کی وہ نبی صلے اللّٰہ تعالےٰ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں (کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا): "ہر شخص کے احسان کا بدلہ ہم نے اُسے دے دیا سوائے ابوبکر کے کہ ان کا ہم پر وہ احسان ہے جس کا

---

[1] صحیح البخاری کتاب الصلوٰۃ باب الخوخۃ والممر فی المسجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۶۷
مسند احمد بن حنبل عن ابن عباس المکتب الاسلامی بیروت ۱/۲۷۰

مال ابی بکر ولو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابا بکر خلیلا الا وان صاحبکم (ای محمدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) خلیل اللہ[1]" واخرج ایضاً عن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: رحم اللہ تعالٰی ابا بکر زوجنی ابنتہ وحملنی الی دار الھجرۃ و اعتق بلالا من مالہ[2]"

بدلہ انھیں اللہ تعالٰی قیامت کے دن دے گا، اور مجھے کسی کے مال نے وہ فائدہ نہ دیا جو فائدہ مجھے ابوبکر کے مال نے دیا، اور اگر میں کسی کو دوست بناتا تو ضرور ابوبکر کو دوست بناتا اور خبردار تمھارے صاحب (محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) اللہ تعالٰی کے دوست ہیں۔" اور ترمذی نے علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بھی حدیث ذکر کی انھوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمائی: "اللہ ابوبکر پر رحمت کرے مجھ سے اپنی بیٹی کا عقد کیا اور مجھے دار الہجرۃ (مدینہ) میں لائے اور اپنے مال سے بلال (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کو خرید کر آزاد کیا۔"

واخرج الامام احمد و ابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: مانفعنی مال قط مانفعنی مال ابی بکر، فبکی ابوبکر وقال ھل انا ومالی الا لک یا رسول اللہ[3]۔

اور امام احمد و ابن ماجہ نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یہ حدیث روایت کی: "مجھے کبھی کسی کے مال نے وہ فائدہ نہ دیا جو ابوبکر کے مال نے مجھے دیا، تو ابوبکر رو دیئے اور عرض کی، یا رسول اللہ! میں اور میرا مال آپ ہی کا تو ہے۔"

واخرج الطبرانی عن ابن عباس

اور طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی

---

[1] جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ امین کمپنی دہلی ۲/۲۰۷
[2] 〃 〃 〃 〃 علی رضی اللہ عنہ 〃 〃 ۲/۲۱۳
[3] سنن ابن ماجہ باب فضل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰
مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/۲۵۳

رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ما احد اعظم عندی یدًا من ابی بکر واسانی بنفسہ ومالہ وانکحنی ابنتہ [1]

واخرج ابو یعلیٰ من حدیث ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مرفوعًا مثل حدیث ابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ، قال ابن حجر قال ابن کثیر وروی ایضًا من حدیث علی وابن عباس وجابر بن عبد اللہ و ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہم واخرجہ الخطیب عن ابن المسیب مرسلًا وزاد وکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقضی فی مال ابی بکر کما یقضی فی مال نفسہ۔ واخرج ابن عساکر من طرق عن عائشۃ وعروۃ ان ابابکر اسلم یوم اسلم لہ اربعون الف دینار وفی لفظ اربعون الف درھم فانفقھا علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم [2] اھ۔

قلت ومروی ایضا من حدیث سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عنہما سے انھوں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یُوں حدیث روایت کی: "مجھ پر ابوبکر سے بڑھ کر کسی کا احسان نہیں اس نے اپنی جان ومال سے میرا ساتھ دیا اور مجھ سے اپنی بیٹی کا نکاح کیا۔"

اور ابو یعلیٰ نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث مرفوع حدیث ابن ماجہ بروایت ابوہریرہ کے مثل (یعنی انھیں الفاظ سے) روایت کی۔ ابن حجر نے فرمایا کہ ابن کثیر کا قول ہے کہ یہ حدیث علی وابن عباس وجابر بن عبداللہ وابوسعید خدری سے بھی مروی ہے اور خطیب نے اسے ابن المسیب سے مرسل روایت کیا اور اتنا زیادہ کیا: "اور آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابوبکر کے مال سے اپنا قرض ادا فرماتے جس طرح اپنے مال سے ادا فرماتے۔" اور ابن عساکر نے متعدد سندوں سے حضرات عائشہ وعروہ سے روایت کیا ہے کہ ابوبکر جس دن اسلام لائے ان کے پاس چالیس ہزار دینار تھے، اور ایک روایت میں ہے چالیس ہزار درہم تھے، تو ابوبکر نے انھیں رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اٹھا دیا اھ۔

میں کہتا ہوں یہ حدیث سیدنا انس بن مالک سے بھی مروی ہے جیسا کہ امام عدی نے

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۱۴۶۱ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۱/۱۹۱

[2] الصواعق المحرقۃ الباب الثانی الفصل الثانی دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۱۱۲

كما اخرجه الامام ابن عدی فی الكامل انبأنا المولیٰ الثقة الحجة مفتی الحنفية بمكة المحمية امام الفقهاء و المحدثين سيدی واستاذی مولانا عبد الرحمٰن بن عبد الله بن عبد الرحمٰن السراج عن جمال العلماء السلف الخير فی منصب الافتاء مولانا جمال بن عبد الله بن عمر المكی عن خاتمة الحفاظ والمحدثين مولانا محمد عابد بن الشيخ احمد علی السندی ثم الزبيدی ثم المدنی عن المولیٰ محمد صالح الفلانی العمری عن الشيخ محمد بن السنة الفلانی الفاروقی عن مولای السيد الشريف محمد بن عبد الله عن الفاضل المحدث سيدی علی الاجهوری عن الامام شمس الدين الرملی عن شيخ الاسلام زين الدين زكريا الانصاری عن علامة الوریٰ جبل الحفظ شهاب الدين ابی الفضل احمد بن حجر العسقلانی عن ابی علی محمد بن احمد المهدوی عن يونس بن ابی اسحٰق عن ابی الحسن علی بن المقير انا ابو الكريم الشهرزوری انا اسمٰعيل بن مسعدة الجرجانی انا ابو القاسم حمزة بن يوسف السهمی الجرجانی و ابو عمرو عبد الرحمٰن بن محمد الفارسی انا ابو احمد عبد الله بن عدی الجرجانی

کامل میں اپنی سند سے روایت کیا ہے (سند حدیث مذکور) ہمیں خبر دی مولیٰ ثقہ حجۃ مفتی حنفیہ بمکہ محمیہ پیشوائے فقہاء و محدثین سیدی و استاذی عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن عبد الرحمٰن سراج نے انھوں نے جمال علماء سلف خیر فی منصب الافتاء (یعنی منصب افتاء میں مفتیوں کے لئے اچھے پیشرو) مولانا جمال بن عبد اللہ بن عمر مکی سے روایت کی انھوں نے خاتمۃ الحفاظ والمحدثین مولانا محمد عابد بن شیخ احمد علی سندی ثم زبیدی ثم مدنی سے روایت کی انھوں نے مولیٰ محمد صالح فلانی عمری سے انھوں نے شیخ محمد بن السنۃ فلانی فاروقی سے انھوں نے مولائی سید شریف محمد بن عبد اللہ سے انھوں نے فاضل محدث سیدی علی اجہوری سے انھوں نے امام شمس الدین رملی انھوں نے شیخ الاسلام زین الدین زکریا انصاری سے انھوں نے علامۂ عالم کوہِ حفظ شہاب الدین ابو الفضل احمد بن حجر عسقلانی سے انھوں نے ابو علی محمد بن احمد مہدوی سے انھوں نے یونس بن اسحاق سے انھوں نے ابو الحسن علی بن مقیر سے انھوں نے کہا ہمیں خبر دی ابو کریم شہرزوری نے ہمیں خبر دی اسمٰعیل بن مسعدہ بن جرجانی نے ہمیں خبر دی ابو القاسم حمزہ بن یوسف سہمی جرجانی اور ابو عمرو عبد الرحمٰن بن محمد الفارسی نے ہمیں خبر دی ابو احمد عبد اللہ بن عدی جرجانی

نا الحسین بن عبد الغفار الازدی نا سعید ابن کثیر بن غفیر نا الفضل بن مختار عن ابان عن انس قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه و سلم لأبی بکر" ما اطیب مالك منه بلال مؤذنی و ناقتی التی هاجرت علیها و زوجتنی ابنتك و واسیتنی بنفسك و مالك كانی انظر الیك علی باب الجنة تشفع لامتی"[1]

نے ہم سے حدیث بیان کی حسین بن عبدالغفار ازدی نے ہم سے حدیث بیان کی سعید بن کثیر بن غفیر نے ہم سے حدیث بیان کی فضل بن مختار نے ابان سے انھوں نے روایت کی انس سے انھوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ابوبکر سے فرمایا، تمھارا مال کتنا ستھرا ہے اسی سے میرا مؤذن بلال ہے اور میری اونٹنی ہے جس پر میں نے ہجرت کی اور تم نے اپنی دختر میرے نکاح میں دی اور اپنی جان و مال سے میری مدد کی گویا میں تمھیں دیکھ رہا ہوں جنت کے دروازہ پر کھڑے ہو میری امت کیلئے شفاعت کر رہے ہو۔

هذا وقد استقصینا الكلام علی هذین الفصلین الذین اشار الیهما النبی صلی الله علیه وسلم فی تلك الاحادیث اعنی مواساة الصدیق للنبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم بنفسه وماله فصلین من الباب الثانی من كتابنا الكبیر فی التفضیل علی غایة التحقیق والتفصیل فارجع الیه ان احببت، هذا تقریر ما ذكر الفاضل الرازی وقد اورده الامام ابن حجر ایضًا فی الصواعق

یہ تو ہوا اور ہم نے ان دونوں فصلوں پر (یعنی صدیق کا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مدد جان و مال سے کرنا) جن کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں اشارہ فرمایا۔ کامل گفتگو اپنی کتاب کبیر جو باب تفضیل میں ہے کے باب دوم کی دو فصلوں میں نہایت تحقیق و تفصیل کے ساتھ کی ہے اس کا مطالعہ کرلو اگر چاہو، یہ کلام اس کلام کی تائید ہے جو فاضل رازی نے ذکر کیا، اور امام رازی کا یہ کلام امام ابن حجر میں صواعق محرقہ میں بھی لائے

---

[1] الکامل لابن عدی ترجمہ ابان بن ابی عیاش دار الفکر بیروت ۱/۳۷۵
الکامل لابن عدی ترجمہ الفضل بن مختار البصری " " " ۶/۲۰۴۱

وارتضاه -

قلت ولمناقش ان يناقش فيه
باربعة وجوه ينتظمها وجهان
الاول انا لا نسلم أن ابا بكر
لم يكن عليه لأحد نعمة تجزى
فان من اعظم المنعمين على
الانسان والديه قال تعالى ،
"ان اشكرلى ولوالديك[1]" و معلوم
ان لا شكر الا بمقابلة النعمة و
نعم الوالدين من النعم الدنيوية
التى تجرى فيها المجازاة دون
الدينية التى قال الله تعالى
فيها "قل ما اسئلكم عليه من اجر[2]
ان اجرى الا على رب العلمين[3]"
على انا نعتقد أن النبى صلى الله
تعالى عليه وسلم قد تمت له
خلافة الله العظمى ونيابته الكبرى
فيده الكريمة عليا و أيدى
العلمين سفلى جعل سبحنه و
تعالى خزائن رحمته و نعمه
وموائد جوده وكرمه طوع يديه، و
مفوضة اليه صلى الله تعالى عليه وسلم ينفق

اور اسے پسند فرمایا۔

میں کہتا ہوں کسی کو مجال ہے کہ اس
میں چار وجہ سے بحث کرے جن کو دو وجہیں
گھیرے ہیں پہلی وجہ یہ کہ ہمیں تسلیم نہیں کہ ابوبکر
پر کسی کا ایسا احسان نہ تھا جس کا بدلہ دیا جائے
اس لئے کہ انسان پر بڑے محسنوں میں اسکے
ماں باپ ہیں۔ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے :
"حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا" اور یہ
معلوم ہے کہ شکر نعمت کے مقابل ہی ہوتا ہے
اور والدین کے احسانات ان دنیوی احسانات
سے ہیں جن میں بدلہ دینا جاری ہے اور دینی
احسانات نہیں ہیں جن کی بابت اللہ کا فرمان
ہے (حضور اکرم نے فرمایا) "میں تم سے اس پر
کچھ اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو جہانوں کے
پروردگار پر ہے۔" اس کے علاوہ ہمارا عقیدہ
ہے کہ نبی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے
اللہ تعالٰی کی خلافت عظمٰی اور نیابت کبرٰی کامل
ہو چکی تو ان کا دست کرم بالا اور سب جہانوں
کے ہاتھ پست، اللہ تعالٰی نے اپنی رحمت
اور کل نعمت کے خزانے اور اپنے فیض و کرم کے
خوان ان کے ہاتھوں کے مطیع کر دیئے، اور
یہ سب انھیں سونپ دیا جیسے چاہیں خرچ کریں

---

[1] القرآن الکریم ۳۱/۱۴ [2] القرآن الکریم ۲۵/۵۷ و ۳۸/۸۶
[3] " " ۲۶/۱۰۹ و ۱۲۷ و ۱۴۵ و ۱۶۴ و ۱۸۰۔

كيف يشاء وهو خزانة السر وموضع نفوذ الامر فلا تنال بركة الا منه ولا ينقل خير الا عنه كما قال صلى الله تعالٰى عليه وسلم انما انا قاسم والله المعطى[1] فهو الذى يقسم الخيرات والبركات وسائر النعماء والآلاء فى الارض والسماء والملك والملكوت والاول والأخر والباطن والظاهر أيقنت بها جماهير الفضلاء العظام ومشاهير الاولياء الكرام كما حققته فى رسالتى الملقبة بسلطنة المصطفٰى صلى الله تعالٰى عليه وسلم وفيها من المباحث الفائقة والمدارك الشائقة ما تقر به الاعين وتلذ به الآذان وتنشرح به الصدور والحمد لله رب العٰلمين فاذن ما كان لابى بكر او غيره من مال وبلوغ آمال الا بعطاء النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم فلم تنحصر النعم النبوية على صاحبها الصلوٰة والتحية فى النعم الدينية التى لا تجزى فكما أن عليا لم يصلح مورد الآية فكذلك ابو بكر سواء بسواء۔

اقول والجواب عنه اما اولًا فلانه

اور وہ رازِ الٰہی کا خزانہ اور اس کے حکم کی جائے نفاذ ہیں تو برکت انھیں سے ملتی ہے اور خیر انھیں سے حاصل ہوتی ہے جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا "میں تو بانٹتا ہوں اور اللہ دیتا ہے۔" تو وہی خیرات و برکات اور ساری نعمتیں آسمان و زمین و ملک وملکوت اول و آخر باطن و ظاہر میں بانٹتے ہیں اس پر فضلاء عظام اور مشہور اولیائے کرام کے جمہور کا یقین ہے جیسا کہ میں نے اپنے رسالہ سلطنۃ المصطفٰی میں تحقیق کی اس میں کچھ ایسے مباحث فاضلہ اور پسندیدہ دلائل ہیں کہ ان سے آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور کان لطف اندوز ہوتے ہیں اور سینے کھلتے ہیں، تو جب یہ بات ہے (کہ ساری برکت و نعمت مصطفٰی علیہ التحیۃ والثناء کے سبب ہے) تو ابوبکر کو جو کچھ مال و منال حاصل ہوا وہ نبی صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی عطا سے ہی حاصل ہوا لہذا نبوی احسانات علٰی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ ان دینی احسانات میں منحصر نہیں جن کا بدلہ نہیں دیا جاتا تو جس طرح علی (رضی اللہ تعالٰی عنہ) آیت کے مصداق نہ ٹھہرے اسی طرح ابوبکر بھی یکساں طور پر آیت کے مصداق نہیں۔

میں کہتا ہوں اس اعتراض کا جواب اوّل

---

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب من یرد اللہ خیرا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶

" " کتاب الجہاد باب قول اللہ تعالٰی فان قدمہ الخ " " ۱/۴۳۹

" " کتاب الاعتصام باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تزال طائفۃ من امتی " " ۲/۱۰۸۷

ان صح ما ذكرتم لتعطلت الأية رأسا ولم يوجد لها مصداق ابداً اذ ليس فى الصحابة من لم يلده ابواه أو لم ينعم عليه النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم فى دينه و دنياه۔

تو یہ ہے کہ اگر یہ صحیح ہو جو آپ نے ذکر کیا تو آیت سرے سے معطل ہو جائے گی اور کبھی اس کا کوئی مصداق نہ پایا جائے گا اس لئے کہ صحابہ میں کوئی ایسا نہیں جو اپنے ماں باپ سے پیدا نہ ہوا یا اس پر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دین و دنیا کا کوئی احسان نہ فرمایا ہو۔

واما ثانیا وهو الحل فلأن نعم الدنيا ليست كلها مما تجزى اذ المجازاة هو المكافأت وحاصل نعمة الوالدين أن الله سبحٰنه وتعالٰى جعلهما سببا لايجاده وخروجه من ظلمة العدم الى نور التكون وبهما جعله بشرا حسينا بعد أن كان ماء مهينا وهٰذا مما لا يمكن أن يجازى اذ ليس فى وسع احد ان يحيى ابويه او يكونهما بعد ان لم يكونا ولذلك قال النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم لايجزى ولد والده الا ان يجده مملوكا فيشتريه فيعتقه اخرجه مسلم و ابوداؤد

اور جواب دوم اور وہی حل ہے یہ کہ دنیا کے سب احسان ایسے نہیں جن کا بدلہ دیا جاتا ہو اس لئے کہ احسان کا بدلہ یہ ہے کہ احسان کے مساوی اس کی جزا دے، اور والدین کے احسان کا حاصل یہ ہے کہ اللہ سبحٰنہ وتعالٰی نے انھیں بچہ کی ایجاد اور عدم کی ظلمت سے نور ہستی میں آنے کا سبب بنایا ہے اور ان کے سبب سے اس کے بعد کہ وہ بے وقعت پانی تھا خوبصورت انسان بنایا، اور یہ احسان کا بدلہ نہیں ہوسکتا، یوں کہ کسی کی مجال نہیں کہ وہ اپنے والدین کو زندہ کردے، یا عدم کے بعد انھیں موجود کردے۔ اسی لئے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی بچہ اپنے ماں باپ کا بدلہ نہیں چکا سکتا مگر یہ کہ اُسے غلام پائے تو اسے خرید کر آزاد کردے۔" یہ حدیث مسلم و ابوداؤد

---

[1] صحیح مسلم کتاب العتق باب فضل عتق الوالد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۹۵
سنن ابی داؤد کتاب السنۃ باب فی برالوالدین آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۳۴۳

والترمذی[1] ونسائی وابن ماجة فاشار صلی الله تعالٰی علیه وسلم الی بعض المجازاة علٰی حسب مایدخل تحت الامکان فان الرق موت حکما اذ به تتعطل الاهلیة ویلتحق الانسان العاقل البالغ بالبهائم فالعتق کانه احیاء له و اخراج من ظلمة البهیمیة الٰی نور الانسانیة فعن هٰذا عد اداء لبعض حقوقهما وکذٰلك النعم النبویة علٰی صاحبها الصلٰوة والتحیة علٰی حسب ماقررنا علیك لیست مما تجزی وتجری فیه ذاك بهذا لانه صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی ذٰلك المقام الرفیع والمنصب البدیع انما یتصرف علٰی خلافة الملك المقتدر تبارك و تعالٰی ونعم الملك لاتجزی فان الاحسان لایجازی الا بالاحسان کما نطق به القراٰن العظیم ومایجازی به العبد لابد وان یکون ایضا من عطایاه صلی الله تعالٰی علیه وسلم فکان مکافأت عطائه

وترمذی ونسائی وابن ماجہ نے اپنی سندوں سے روایت کی تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تھوڑے بدلہ کی طرف (جو موافق مقدور بشر ہو) اشارہ فرمایا اس لئے کہ غلامی موت کے حکم میں ہے اس وجہ سے کہ اس کے سبب آدمی کی اہلیت معطل ہوجاتی ہے اور عاقل بالغ انسان جانوروں سے مل جاتا ہے لہذا اسے آزاد کرنا گویا کہ اسکو زندہ کرنا اور بہیمیت کی تاریکی سے انسانیت کی روشنی میں لے آنا ہے، اسی لئے ماں باپ کو آزاد کرنا ان کے بعض حقوق کی ادائیگی میں شمار ہوا، اسی طرح نبوی احسانات علٰی صاحبہا الصلٰوۃ والتحیۃ جیسا کہ ہم نے تمہارے لئے ثابت کیا ایسے نہیں جن کا بدلہ دیا جائے اور ان میں یہ مقولہ جاری ہو کہ یہ اس احسان کا بدلہ ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو اس مقامِ رفیع اور اس منصبِ بے نظیر میں بادشاہ قادر تبارک وتعالٰی کی خلافت پر فائز ہو کر متصرف ہیں اور بادشاہ کی نعمتوں کا بدلہ نہیں ہوتا، اس لئے کہ بدلہ بغیر احسان کے نہیں ہوتا، جیسا کہ اس پر قرآن عظیم ناطق ہے، اور بندہ احسان کا جو بدلہ دے گا لامحالہ وہ بھی سرکار علیہ الصلٰوۃ و السلام کی عطا سے ہوگا تو سرکار کی عطا کی مکافات

---

[1] جامع الترمذی ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی حق الوالدین امین کمپنی دہلی ۲/۱۳
سنن ابن ماجۃ ابواب الادب باب بر الوالدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۶۸
مشکوٰۃ المصابیح کتاب العتق باب اعتاق العبد المشترک الفصل الاول قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۲۹۴

بعطائه وهو غير معقول وعن هذا
نعتقد ان اداء شكر الله سبحٰنه وتعالیٰ
بمعنی فراغ الذمة منه محال
عقلاً اذ الشكر نعمة اخری فليشكرها
حتی يخرج عن عهدته ويتسلسل الیٰ
مالا يتناهی فثبت ان الدليل لاغبار عليه
من هذا الوجه۔

الثاني ان المقدمة القائلة
ان الامة مجمعة علی ان افضل الخلق بعد
رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم
اما ابوبكر او علی رضی الله تعالیٰ عنهما۔
مدخول فيها اذ هناك فرقتان
اخريان تدعی احدٰهما تفضيل
سيدنا الفاروق رضی الله تعالیٰ عنه
علیٰ جميع الامة، ومستندها ما يروی عن
النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم، انه قال ما طلعت
الشمس علی رجل خير من عمر[1] وعنه صلی الله
تعالیٰ عليه وسلم، لوكان بعدی نبي لكان عمر بن خطاب[2]۔
وعنه صلی الله تعالیٰ عليه وسلم
ان الله تعالیٰ باهی باهل عرفة
عامة وباهی بعمر خاصة[3]

سرکاری عطا سے ہوگی، اور یہ معقول نہیں۔ یہیں
سے ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ سبحٰنہ وتعالیٰ
کا شکر بہ معنیٰ برأت ذمہ از شکر عقلاً
محال ہے اس لئے کہ شکر نعمت دیگر ہے تو بندہ
اس دوسری نعمت کا شکر کرے کہ عہدہ برآ
ہو اور یہ سلسلہ شکر کا نہایت کو نہ پہنچے، تو ثابت
ہوا کہ دلیل اس وجہ سے بے غبار ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ مقدمہ جس کا مضمون
یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم
کے بعد افضل یا ابوبکر ہیں یا علی رضی اللہ تعالیٰ
عنہما۔ اس پر اجماع امت ہے۔

اس پر اعتراض کو مجال ہے اس لئے
کہ یہاں دو فرقے اور ہیں، ان میں کا ایک دعویٰ
کرتا ہے کہ سیدنا فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
ساری امت سے افضل ہیں، اور اسکی دلیل وہ
حدیث ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ "حضرت عمر سے
بہتر کسی آدمی پر سورج طلوع نہیں ہوا" اور آپ سے مروی ہے
کہ "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر نبی ہوتے"۔
اور حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے
روایت ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے عرفات میں جمع
ہونے والوں پر عام طور سے فخر فرمایا اور عمر سے خاص طور

---

[1] کنز العمال حدیث ۳۲۷۳۹ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۷۷
[2] جامع الترمذی ابواب المناقب باب مناقب عمر رضی اللہ عنہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۰۹
[3] کنز العمال حدیث ۳۲۷۲۵ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۷۵
" " ۳۵۸۵۸ " " ۱۲/ ۵۹۶

وان كان الاستدلال بها و بامثالها لا يقوم على ساق اما رواية او دراية او معا كاستمساك المفضلة بحديث على خير البشر وحديث الطير وحديث الاستخلاف فى غزوة تبوك وما ضاهاها فمنها كذب مختلق ومنها منكر واه ومنها ما لا يفيدهم شيئا وكذلك مضت سنة الله فى كل مبتدع يحتج ولا حجة ويجنح حيث لا محجة۔

سے مباہات فرمائی۔" اگرچہ اس روایت سے اور اس کے مشابہ روایتوں سے دلیل پائے ثبات پر قائم نہیں ہوتی یا بلحاظ روایت یا بلحاظ درایت یا دونوں کے لحاظ سے، جیسے تفضیلیہ کا حدیث علیؓ خیر البشر علی سب انسانوں سے افضل ہیں اور حدیث طیر اور غزوۂ تبوک کے زمانہ میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو اپنا خلیفہ مقرر فرمانے کی روایت سے تمسک کا حال ہے کہ ان میں کچھ تو نری تراشیدہ جھوٹ ہیں اور کچھ منکر واہی (راویان ثقہ کے مقابل راویان غیر ثقہ کی روایات ضعیف ہیں) اور کچھ انھیں بالکل فائدہ مند نہیں اور یونہی اللہ تعالیٰ کی سنت ہر بدمذہب کے حق میں ہوئی کہ وہ استدلال کرے حالانکہ دلیل نہیں اور وہاں کا قصد کرے جہاں راستہ نہیں۔

والفرقة الاخرى تدعى تفضيل سيدنا عباس بن عبد المطلب رضى الله تعالى عنهما وكان ملحظهم وان لم يعط ففضهم قوله صلى الله تعالى عليه وسلم فيه ان عم الرجل صنو ابيه، وهو حديث حسن اخرجه الترمذى[1] وغيره عن ابى هريرة رضى الله تعالى عنه ولا شك

اور دوسرا فرقہ سیدنا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سب سے افضل کہتا ہے، گویا انکے مدنظر اگرچہ انکی مراد نہیں دیتا اس بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بابت قول ہے کہ "آدمی کا چچا اس کے باپ کی مثل ہے"۔ اور یہ حدیث حسن ہے جسے ترمذی وغیرہ نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ اور کچھ شک نہیں کہ

---

[1] جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم العباس امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۱۷

انه رضي الله تعالى عنه شيخ المسلمين
وسيدهم ومقدمهم وقائدهم
وعز نفوسهم وتاج رؤسهم حتى الخلفاء
الاربعة من هذا الوجه كما
ان حضرة البتول الزهراء واخاها
السيد الكريم ابراهيم على ابيهما وعليهما
الصلوٰة والتسليم افضل الامة مطلقًا
من جهة النسب والجزائية وكرامة الجوهر
والطينة۔

وبالجملة فلا يتعين احد
من الشقوق الاربعة الا بابطال
الثلٰثة الباقية جميعا فكيف قلتم ان
الاٰية لما لم تلتئم على علي تعين ابوبكر
مصداقا لها على ان المسائل السمعية
لاتنال الا من قبل السمع۔

فالناظر المتفحص لامذهب له
قبل ان ينظر في دليل فيظهر له سبيل
فان كان تمام الدليل موقوفا على
(التمذهب) بمذهب لزم الدور
وهذا نظير ما اجبنا به عن استدلال
الائمة الشافعية على افتراض
الترتيب في الوضوء بدخول الفاء

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ شیخ المسلمین ہیں
اور ان کے سردار ہیں اور ان کے صدر و قائد
اور اُن کی آبرو اور ان کے سروں کا تاج ہیں۔
اس وجہ سے چاروں خلفاء پر بھی انھیں فضیلت
ہے۔ جیسے حضرت فاطمہ زہرا اور ان کے بھائی
سید ابراہیمؑ ان کے والد اور ان پر صلوٰۃ و
سلام ہو، رُوئے نسب و جزئیت و کرامت
جوہر و طینت تمام امت سے افضل
ہیں۔

بالجملہ ان چار شقوں سے کوئی شق باقی
تین وجوہ کو باطل کئے بغیر متعین نہیں ہوگی تو
آپ نے کیونکر فرمایا کہ آیت کریمہ جب علی پر
صادق نہ آئی تو ابوبکر اس کا مصداق متعین ہوگئے
علاوہ اس کے مسائل سمعیہ دلیل سمعی ہی سے
حاصل ہوتے ہیں۔

تو صاحب نظر و جستجو کا کوئی مذہب اس سے
پہلے نہیں ہوتا کہ وہ دلیل میں غور کرے تو کوئی راہ
اس کو روشن ہو جائے تو اگر دلیل کا تمام ہونا کسی
مذہب سازی پر موقوف ہو تو دور لازم آئے گا
اور یہ اس جواب کی نظیر ہے جو ہم نے ائمہ شافعیہ
کی اس دلیل کے جواب میں کہا جو انھوں نے
وضو میں فرضیت ترتیب پر آیت کریمہ میں وجوہ

34

على الوجوه وعدم القائل بالفصل كما هو مذكور في الخلافيات۔

پر دخولِ غار اور قائل بالفصل کے معدوم ہونے سے قائم کی جیسا کہ خلافیات میں مذکور ہے۔

اقول والجواب عنه ان مستندنا الاول الذي عليه المعول في هذا الباب اجماع الصحابة و التابعين لهم باحسان رضى الله تعالىٰ عنهم اجمعين كما نقله الامام الشافعي ثم البيهقي ثم أخرون و دلت عليه احاديث عند البخاري وغيره كما فصلته في الكتاب واقمت الدليل الجليل علىٰ أن الاجماع تام كامل لم يثبت شذوذ منه ولا ندور وان الخلاف الذي ذكره ابو عمر بن عبد البر فليس مما يعرج عليه او يلتفت اليه لا رواية ولا دراية وان سلمنا فالسواد الاعظم متبوع و اتباع الشاذ ممنوع، وهذا القدر يكفينا للتمذهب فانتفى المدور نعم حديث الفرقتين قوى صحيح لكن لا يخل بالمقصود فان عمر وعباسا رضى الله تعالىٰ عنهما لم يكونا مسلما حين نزول الأية كما يظهر بالرجوع الى التاريخ، فلم يقصدا بالأية قطعا و به بطل الشقان الباقيان و أن الدليل

میں کہتا ہوں اور اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس باب میں ہماری اولین سند جس پر ہمارا اعتماد ہے جملہ صحابہ اور اچھے طریقے پر ان کے تمام پیروان کار تابعین کا اجماع ہے جیسا کہ امام شافعی پھر بیہقی پھر دیگر ائمہ نے اسے نقل کیا اور اس پر بخاری وغیرہ کی احادیث دلالت کرتی ہیں جیسا کہ میں نے اپنی کتاب میں مفصل بیان کیا ہے اور اس امر پر میں نے دلیل جمیل قائم کی کہ اجماع تام کامل ہے اور اس سے کسی کا خلاف ثابت نہیں اور یہ کہ جو خلاف علامہ ابو عمر بن عبد البر نے ذکر کیا نہ روایت کے لحاظ سے نہ درایت کے لحاظ سے وہ اس قابل ہے کہ نظر اس پر گزرے یا اس کی طرف مڑ کے دیکھا جائے۔ اور اگر ہم مان لیں تو سوادِ اعظم ہی کی اتباع ہوگی اور شاذ و نادر کی اتباع ممنوع ہوگی اور اتنی بات ہمیں مذہب قرار دینے کو کافی ہے تو دور نہ رہا، ہاں ان دو فرقوں کی (جو حضرت عمر و عباس کی فضیلت پاتے ہیں) حدیث قوی و صحیح ہے، لیکن مقصود میں خلل انداز نہیں اس لئے کہ عمر و عباس آیت کے نزول کے وقت مسلمان نہ تھے، جیسا کہ مطالعۂ تاریخ سے ظاہر ہے، تو یہ دونوں قطعی آیت کے مقصود ہی نہ ہوئے، اور اسی وجہ سے باقی دو شقیں باطل ہوگئیں اور آخر کا۔ دلیل

الى الاحسان والارصان والحمد لله
ولى الاحسان غاية الأمران الفاضل
المستدل لم يطلع على هٰذين القولين
اولم يعتد بهما لتناهيهما فى السقوط
والشذوذ على أنا بحمد الله بعد ما
ثبت الاجماع على ان الصديق هو
المراد فى غنى عن هذه التجشمات
كما لا يخفى اذا ثبت هذا **فنقول** وصف
الله سبحٰنه وتعالى الصديق بأنه اتقى و
وصف الاتقى بأنه اكرم انتجت المقدمتان
أن الصديق اكرم عند الله تعالٰى والأفضل
والاكرم والارفع درجة والاعلى
مكانة كلها الفاظ متواردة على معنى
واحد فثبت الفضل المطلق الكلى للصديق
والله تعالٰى ولى التوفيق هذا
تقرير الدليل بحيث يشفى العليل ويروى
الغليل والحمد للولى الجليل واعلم أن هذا
الاحتجاج اطبقت عليه كلمات العلماء سلفا
وخلفا وارتضوه وتلقوه بالقبول تليدا و
طارفا ولا شك انه لجدير بذلك لكن
المفضلة لهم كلام فيه بثلٰثة وجوه
نذكرها نردها بحيث لا يبقى ولا يذر
بتوفيق الله العلى الاكبر۔

فنقول الشبهة الاولى ان من
المفسرين من فسر الاتقى بالتقى

مضبوط و مستحکم رہی، اس معاملہ کی نہایت کار یہ کہ
فاضل مستدل کو تو ان دونوں مذہبوں کا علم نہ ہوا
یا اس وجہ سے کہ سقوط و ندرت میں حد کو پہنچے
ہونے کی وجہ سے انھیں شمار ہی نہیں فرمایا، مزید
برآں بحمد اللہ اس پر اجماع کہ صدیق ہی مراد آیت
ہیں کے ثابت ہونے کے بعد ہم ان تکلفات سے
بے نیاز ہیں، جیسا کہ ظاہر ہے جب یہ بات ثابت
ہو چکی تو ہم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے صدیق کا
وصف بیان فرمایا کہ وہ اتقی ہیں اور اتقی کا وصف
بتایا کہ وہ اکرم ہے ان دو مقدموں نے نتیجہ دیا کہ صدیق
اللہ تعالیٰ کے نزدیک اکرم (سب سے افضل)
ہیں اور افضل و اکرم اور ارفع درجۃ اور اعلیٰ
منزلۃ یہ سب الفاظ ایک ہی معنیٰ پر صادق
آتے ہیں، لہذا فضل مطلق کلی صدیق کیلئے ثابت
ہے اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق کا مالک ہے اور
تم جان لو کہ اس استدلال پر جملہ علماء سلف و خلف
کا اتفاق ہے اور سب نے اسے پسند کیا اور قبول
کے ہاتھوں لیا ہے اور کوئی شک نہیں کہ یہ
اس کے قابل ہے، لیکن تفضیلیہ کو اس میں تین
وجوہ سے کلام ہے ہم ان وجہوں کو خدائے بزرگ و
برتر کی توفیق کے سہارے ذکر کرتے ہیں اور ان کا
ایسا رد کرتے جو کوئی شبہہ باقی نہ چھوڑے اور کوئی شک
نہ رہے۔

ہم کہتے ہیں کہ پہلا شبہہ یہ ہے کہ بعض
مفسرین نے اتقی کی تفسیر تقی (صفت

كما في المعالم والبيضاوي وغيرهما من التفاسير فسقط الاحتجاج عن اصله اقول ولا علينا ان نمهد اولا مقدمات تعينك ان شاء الله تعالیٰ في الجواب عن هذا الارتياب ثم نرفع الحجاب عن وجه الصواب بتوفيق العليم الوهاب فاستمع لما يلقى عليك ۔

المقدمة الاولىٰ ماتظافرت الادلة من العقل والنقل و ناهيك بهما امامين علىٰ ان الالفاظ لا تصرف عن ظواهرها مالم تمس حاجة شديدة لاتندفع الا به والا لم يكن هذا تاويلا بل تغييرا وتبديلا، ولو فتح باب التصرفات من دون ضرورة تلجئ لارتفع الامان عن النصوص كما لايخفىٰ وهذا لغاية ظهوره اغنانا عن تجشم اقامة الدليل عليه حتى ان بعض العلماء ادرجوه في متون العقائد، وانه لحقيق به فان قصارى همم المبتدعين عن اخرهم انما هو صرف النصوص عن الظواهر وارتكاب تاويلات

مشبہ جس میں فضیلت دوسرے پر ملحوظ نہیں کہ صرف تقوٰی سے اتصاف ہے) سے کی جیسا کہ معالم وبیضاوی وغیرہما تفاسیر میں ہے تو استدلال (جس کی بنیاد اتقیٰ کے اسم تفضیل ہونے پر تھی) جڑ سے اکھڑ پڑا۔ میں کہتا ہوں ہمارا کوئی حرج نہیں اس میں کہ ہم پہلے کچھ ایسے مقدمات کی تمہید اٹھائیں جو جواب میں ان شاء اللہ تعالیٰ تمھاری مدد کریں پھر ہم خدائے دانا وبخشندہ کی توفیق کے سہارے چہرۂ صواب سے حجاب اٹھائیں تو سنو جو تم سے کہا جائے۔

پہلا مقدمہ عقل ونقل کی بکثرت دلیلیں (اور یہ دونوں امام تمھیں کافی ہیں) اس پر متفق ہیں کہ الفاظ کو اپنے ظاہری معنیٰ سے پھیرنا منع ہے جب تک کہ سخت حاجت نہ ہو جو لفظ کو ظاہری معنیٰ سے پھیرے بغیر دفع نہ ہو ورنہ یہ بے ضرورت پھیرنا تاویل نہ ہوگا بلکہ تغییر وتبدیل ٹھہرے گا اور اگر بے ضرورت پھیرنے کا دروازہ کھل جائے تو نصوص شرعیہ سے امان اٹھ جائے جیسا کہ پوشیدہ نہیں اور یہ مسئلہ چونکہ نہایت ظاہر ہے اس لئے اس نے ہمیں دلیل قائم کرنے کی زحمت سے بے نیاز کر دیا۔ بعض علماء نے اسے عقائد کے متون میں رکھا، اور یہ مسئلہ اس کا سزاوار ہے اس لئے کہ سب بدمذہبوں کی ساری کوشش یہی ہے کہ عبارات شرعیہ کو ان کے ظاہری معنیٰ سے پھیر دیں اور فاسد

فاسدة واحتمالات كاسدة واعذار
باردة فوجب علينا حسم مادتها
بايجاب حمل النصوص على
ما يعطيه ظاهرها الا بضرورة
ابدًا وهذا ظاهر جدًّا۔

المقدمة الثانية ليس كل
ما يذكر في اكثر التفاسير المتداولة
واجب القبول وان لم يساعده
معقول ويؤيده منقول، والوجه
في ذلك ان التفسير المرفوع
وهو الذي لا محيص عن قبوله
ابدًا انذر يسير جدا لا يبلغ
المجموع منه جزء أو جزئين۔

قال الامام الجويني علم
التفسير عسير يسير اما عسره فظاهر
من وجوه اظهرها انه كلام متكلم
لم يصل الناس الى مراده
بالسماع منه، ولا امكان للوصول
اليه بخلاف الامثال والاشعار
ونحوها فان الانسان يمكن
علمه منه اذا تكلم بأن يسمع منه
اومن سمع منه، واما القرآن
فتفسيره على وجه القطع لا يعلم
الا بان يسمع من الرسول صلى الله
تعالى عليه وسلم وذلك متعذر الا في

تاویلوں اور کھوٹے احتمالوں اور نہ چلنے والے بہانوں
کے مرتکب ہوں تو ہم پر واجب ہے کہ نصوص شرعیہ
کو مقامِ ضرورت کے سوا ہمیشہ ان کے ظاہری
معنیٰ پر رکھنا واجب بتا کر ان تاویلات کا مادہ
کاٹ دیں، اور یہ بات خوب ظاہر ہے۔

دوسرا مقدمہ بہت سی متداول
تفسیروں میں جو مذکور ہوتا ہے وہ سب ایسا
نہیں جس کا قبول کرنا ضروری ہو اگرچہ نہ کوئی دلیل
عقلی اس کی معین ہو نہ کوئی دلیل شرعی اسکی
مؤید ہو، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تفسیر مرفوع
(جو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمائی)
وہ بہت تھوڑی ہے جس کا مجموعہ دو جز بلکہ ایک
جز کو بھی نہیں پہنچتا۔

امام جوینی کا قول ہے علمِ تفسیر مشکل اور
کم ہے، اس کا مشکل ہونا تو کئی وجوہ سے ظاہر
ہے، ان میں روشن تر وجہ یہ ہے کہ وہ ایسے متکلم
(عزّ جلالہ) کا کلام ہے جس کی مراد کو لوگ اس سے
سُن کر نہ پہنچے اور نہ اس کی طرف رسائی کا
امکان ہے بخلاف امثال و اشعار اور ان
جیسی اور باتوں کے کہ انسان کو بولنے والے
کی مراد معلوم ہو سکتی ہے جب وہ بولے بایں طور
کہ وہ اس سے خود سُنے یا اس سے سُنے جس
نے اس سے سُنا ہو۔ رہی قرآن کی قطعی طور
پر تفسیر تو وہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
سے سُنے بغیر معلوم نہ ہوگی اور وہ (جو سرکار

آيات متعددة قلائل، فالعلم بالمراد يستنبط بأمارات ودلائل، والحكمة فيه ان الله تعالٰى اراد ان يتفكر عباده فی کتابه، فلم يامر نبيه صلى الله تعالٰى عليه وسلم بالتنصيص على المراد فی جميع آياته[1] اھ۔

علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا گیا) چند گنتی کی آیتوں کے ماسوا میں متعذر ہے تو مراد الٰہی کا علم اَمارات و دلائل سے مستخرج ہوتا ہے اور حکمت اس میں یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے چاہا کہ اس کے بندے اس کی کتاب میں غور و فکر کریں لہذا اپنے نبی (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کو اپنی تمام آیات کی مراد واضح طور پر بتانے کا حکم نہ دیا اھ۔

وقال الامام الزركشی فی البرهان للناظر فی القرآن لطلب التفسير مآخذ كثيرة أمهاتها اربعة الأول النقل عن رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم وهذا هو الطراز الاول لكن يجب الحذر من الضعيف فيه والموضوع فانه كثير[2] الخ۔ قال الامام السيوطی الذی صح من ذلك قليل جدا بل اصل الموضوع منه فی غاية القلة، وكذلك المأثور عن الصحابة الكرام و التابعين لهم باحسان قلائل لهذه الطوامير الكبر والاقاويل الذاهبة شذر مذر فيها الاخبر ولا اثر وانما حدثت بعدهم لما كثرت الآراء و تجاذبت الاهواء قام كل لغوی و نحوی و بيانی و كل من له

اور امام زرکشی نے برہان میں فرمایا جو شخص قرآن میں تفسیر کے حصول کیلئے نظر کرتا ہے اس کے لئے بہت سے مراجع ہیں جن کے اصول چار ہیں، اول وہ تفسیر جو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے منقول ہو اور یہی پہلا نمایاں طریقہ ہے لیکن اس میں ضعیف و موضوع سے احتراز واجب ہے اس لئے کہ وہ (ضعیف و موضوع) زیادہ ہے الخ۔ اور اسی طرح وہ تفسیر جو صحابہ کرام اور ان کے تابعین نیکوکار سے منقول ہے وہ ان بڑے طوماروں اور ان اقوال کے مقابل کم ہیں جو مختلف راہوں میں چلے گئے اور ان کے لئے کوئی حدیث یا صحابی و تابعی کا قول نہیں، یہ اقوال تو صحابہ و تابعین کے بعد ظاہر ہوئے۔ جب خیالات بسیار ہوئے اور مذاہب میں

---

[1] الاتقان بحوالہ الجوینی فصل الحاجۃ الی التفسیر دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۳۰
[2] البرہان فی علوم القرآن فصل فی امہات مآخذ التفسیر للناظر فی القرآن دار الفکر بیروت ۲/ ۱۵۶

ممارسة تبحث من انواع
علوم القرآن يفسر الكلام
العزيز بما سمح به فكره
وادى اليه نظره ثم جاء
الناس مهرعين و بجمع
الاقوال مولعين فنقلوا ما وجدوا
وقليلا ما نقدوا وافعن هذا
جاءت كثرة الاقاويل اختلاط الصواب
بالأباطيل۔

وذكر ابن تيمية كما نقله الامام
السيوطي قائلا انه نفيس جدا
لذلك وجهين، احدهما قوم
اعتقدوا معاني، ثمّ
ارادوا حمل الفاظ القرآن عليها۔
والثاني قوم فسروا القرآن بمجرد
ما يسوغ ان يريده من كان
من الناطقين بلغة العرب
من غير نظر الى المتكلم
بالقرآن والمنزل عليه والمخاطب
به، فالاولون راعوا المعنى الذي
رأوه من غير نظر الى ما يستحقه
الفاظ القرآن من الدلالة والبيان۔
والآخرون راعوا مجرد اللفظ و
ما يجوز ان يريد به العربي من غير نظر
الى ما يصلح للمتكلم وسياق الكلام۔

کشاکش ہوئی تو ہر لغوی ہر نحوی اور ہر عالم بلاغت
اور ہر وہ شخص جسے علوم قرآن کی قسموں سے
کسی قسم کے علم کی ممارست تھی اس کلام سے
کلام عزیز کی تفسیر کرنے لگا جو اس کی سمجھ تک
تھا اور جس کی طرف اس کی نظر پہنچی۔ پھر لوگ
رواں دواں اقوال کو جمع کرنے کے شائق
ہوئے تو جو انھوں نے پایا اُسے نقل کر دیا اور
تحقیق کم کی تو اسی سے اقوال کی کثرت اور حق
کی ناحق سے آمیزش آئی۔

اور ابن تیمیہ نے جیسا کہ امام سیوطی نے
اس کا کلام یہ کہہ کر نقل کیا کہ وہ بہت نفیس
ہے اس کی دو وجہیں ذکر کیں، پہلی وجہ وہ لوگ
ہیں جنھوں نے کچھ معانی کو عقیدہ ٹھہرا لیا، پھر
انھوں نے قرآن کے الفاظ کو ان پر رکھنا چاہا۔
اور دوسری وجہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے قرآن کی
تفسیر محض ان الفاظ سے کی جو کسی عربی زبان بولنے
والے کی مراد ہو سکتے ہیں انھوں نے قرآن کے
متکلم (باری تعالیٰ) اور جس پر اترا اور جو اس کا
مخاطب ہے کی طرف نظر نہ کی تو پہلی جماعت نے
تو اس معنیٰ کی رعایت کی جو ان کا عقیدہ تھا،
انھوں نے قرآن کے الفاظ کی دلالت اور بیان
جس کے وہ الفاظ سزاوار ہیں کو نظر انداز کر دیا۔
اور دوسروں نے صرف لفظ اور جو عربی کی مراد
ہو سکتا ہے اس کا لحاظ کیا قطع نظر اس سے
کہ متکلم کے شایان کیا ہے اور سیاق کلام کیا ہے۔

ثم هٰؤلاء كثيرًا ما يغلطون فی احتمال اللفظ لذلك المعنی فی اللغة کما یغلط فی ذلك الذین قبلهم کما ان الاولین کثیرا ما یغلطون فی صحة المعنی الذی فسروا به القراٰن کما یغلط فی ذلك الاٰخرون وان کان نظر الاولین الی المعنی اسبق ونظر الاٰخرین الی اللفظ اسبق، والاُولون صنفان تارة یسلبون لفظ القراٰن مادل علیه وارید به وتارة یحملونه علی مالم یدل علیه ولم یرد به، وفی کلا الامرین قد یکون ما قصدوا نفیه او اثباته من المعنی باطلا فیکون خطأهم فی الدلیل والمدلول وقد یکون حقا فیکون خطؤهم فیه فی الدلیل لا فی المدلول (الی ان قال) وفی الجملة من عدل عن مذاهب الصحابة والتابعین وتفسیرهم الی ما یخالف ذٰلك کان مخطئا فی ذٰلك بل مبتدعا لانهم کانوا اعلم بتفسیره ومعانیه کما انهم اعلم بالحق الذی بعث اللّٰہ به رسوله[1] اھ ملخصًا۔

پھر یہ لوگ بسا اوقات لغت کے اعتبار سے لفظ کے اس معنی کو (جو انھوں نے مراد لئے) محتمل ہونے میں خطا کرتے ہیں جیسا کہ ان کے پہلے والے بھی یہی غلطی کرتے ہیں جس طرح یہ اگلے اسی معنی کی صحت میں غلطی کرتے ہیں جس سے انھوں نے قرآن کی تفسیر کی جیسا کہ دوسرے لوگ بھی خطا کرتے ہیں اگرچہ پہلے والوں کی نظر معنی کی طرف پہلے پہنچتی ہے اور دوسروں کی نظر لفظ کی طرف سبقت کرتی ہے، اور پہلی جماعت دو صنف ہے کبھی تو لفظِ قرآن سے اس کا مدلول و مراد چھین لیتے ہیں اور کبھی لفظ کو اس پر رکھتے ہیں جو اس کا معنی و مطلب نہیں اور دونوں باتوں میں کبھی وہ معنی جس کی نفی اثبات ان کا مقصود ہوتی ہے باطل ہوتا ہے تو ان کی خطا لفظ و معنی دونوں میں ہوتی ہے اور کبھی حق ہوتا ہے تو ان کی خطا لفظ میں ہوتی ہے نہ کہ معنی میں۔ (ابن تیمیہ نے یہاں تک کہا) مختصر یہ کہ جو صحابہ و تابعین اور ان کی تفسیر سے پھر کر ان کا خلاف اختیار کرے گا وہ اس میں بر سرِ خطا ہوگا بلکہ بدمذہب ہوگا اس لئے کہ صحابہ و تابعین کو قرآن کی تفسیر اس کے مطالب کا علم سب سے زیادہ تھا، جس طرح انھیں اس حق کی جس کے ساتھ اللہ نے اپنے رسول کو بھیجا خبر سب سے زیادہ تھی اھ ملخصًا۔

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۴۱ و ۴۴۲

ولذا قال الامام ابو طالب طبری فی اوائل تفسیرہ فی القول فی آداب المفسر، ویجب ان یکون اعتمادہ علی النقل عن النبی صلی اللہ تعالی علیہ و وسلم وعن اصحابہ ومن عاصرھم ویتجنب المحدثات[1] الخ۔ وقال ابن تیمیۃ ایضا کان النزاع بین الصحابۃ فی تفسیر القرآن قلیلا جدا وھو (و)ان کان بین التابعین اکثر منہ بین الصحابۃ فھو قلیل بالنسبۃ الی ما بعدھم[2] الخ۔ وقال السیوطی بعد ما ذکر تفاسیر القدماء "ثم الف فی التفسیر خلائق فاختصروا الاسانید ونقلوا الاقوال بترا فدخل من ھنا الدخیل والتبس الصحیح بالعلیل، ثم صار کل من یسنح لہ قول یوردہ، ومن یخطر ببالہ شئ یعتمدہ، ثم ینقل ذلک عنہ من یجئ بعدہ ظانا ان لہ اصلا غیر ملتفت الی تحریر ما ورد عن السلف الصالح ومن یرجع الیھم فی التفسیر حتی رأیت

اور اسی لئے امام ابو طالب طبری نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں آداب مفسر کے بیان میں فرمایا کہ ضروری ہے کہ مفسر کا اعتماد اس پر ہو جو نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین سے منقول ہے اور نئی باتوں سے بچے۔ نیز ابن تیمیہ کا قول ہے صحابہ کے درمیان قرآن کی تفسیر میں بہت کم اختلاف تھا اور تابعین میں اگرچہ اختلاف صحابہ سے زیادہ ہوا مگر ان کے بعد والوں کی بہ نسبت تھوڑا تھا' اور سیوطی علیہ الرحمہ نے قدماء کی تفسیروں کا ذکر فرما کے فرمایا "پھر تفسیر میں بہت لوگوں نے کتابیں تصنیف کیں تو انھوں نے سندوں کو مختصر کر دیا اور ناتمام اقوال نقل کئے تو اس وجہ سے دخیل گھسا اور صحیح و غیر صحیح مخلوط ہو گئے پھر ہر شخص جس کے دل میں کوئی بات آئی اس کو ذکر کرنے لگا۔ اور جس کے فکر میں جو خطرہ گزرا وہ اس پر اعتماد کرنے لگا۔ پھر اس کے بعد جو آتا رہا وہ اس کے یہ خیالات نقل کرتا رہا اس گمان میں کہ اس کی کوئی اصل ہے، سلف صالحین اور ان لوگوں سے جو تفسیر میں مرجع ہیں اور جو وارد ہوا اس کی تحقیق کی طرف توجہ نہ کی یہاں تک کہ میں نے

ع سقطت ھذہ الواؤ من قلم الناسخ و زدناھا فی القوسین بعد ما رأینا الاتقان فوجدناھا فیہ۔ الازہری غفرلہ

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۴۳۵/۲

[2] " " " " " " بحوالہ ابن تیمیہ " " ۴۳۷/۲

من حکی فی تفسیر قوله تعالٰی "غیر المغضوب علیهم ولا الضالین" نحو عشرة اقوال، وتفسیرها بالیهود والنصارٰی هو الوارد عن النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم وجمیع الصحابة والتابعین و اتباعهم حتی قال ابن ابی حاتم لا اعلم فی ذٰلک اختلافا بین المفسرین[1] (الٰی ان قال) فان قلت فای التفاسیر ترشد الیه وتأمر الناظر ان یعول علیه۔

ایسے شخص کو دیکھا جس نے غیر المغضوب علیهم ولا الضالین کی تفسیر میں تقریباً دس قول نقل کئے حالانکہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور تمام صحابہ و تابعین و تبع تابعین سے یہی منقول ہے کہ اس سے یہود و نصارٰی مراد ہیں یہاں تک کہ ابن ابی حاتم نے فرمایا کہ مجھے مفسرین کے درمیان اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں (یہاں تک انھوں نے کہا) اب اگر تم کہو تو کون سی تفسیر کی طرف آپ رہنمائی فرماتے ہیں اور ناظر کو کس پر اعتماد کا حکم دیتے ہیں۔

قلت تفسیر الامام ابی جعفر بن جریر الطبری الذی اجمع العلماء المعتبرون علی انه لم یؤلف فی التفسیر مثله[2] الخ و فی المقاصد والبرهان والاتقان وغیرها عن الامام اجل احمد بن حنبل رضی اللّٰه تعالٰی عنه قال ثلٰثة لیس لها اصل المغازی والملاحم والتفسیر[3] اھ۔ قلت وهذا ان لم یکن جاریا علی اطلاقه لما یشهد به الواقع الا انه

میں کہوں گا تفسیر امام ابوجعفر بن جریر طبری کی تفسیر معتمد علماء نے جس کے لئے بالاتفاق فرمایا کہ تفسیر میں اس جیسی کوئی تالیف نہیں ہوئی الخ اور مقاصد، برہان اور اتقان وغیرہ میں امام اجل احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے انھوں نے فرمایا، تین کتابوں کی کوئی اصل نہیں، کتب سیر و غزوات و تفسیر اھ۔ میں کہتا ہوں اگرچہ یہ بات اپنے اطلاق پر جاری نہیں جیسا کہ واقعہ اس کا گواہ ہے مگر یہ بات

عـہ لعله کما - الازہری غفرلہ

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثمانون فی طبقات المفسرین دار الکتاب العربی بیروت ۲/۴۷۴ و ۴۷۵

[2] " " " " " " " " ۲/۴۷۶

[3] " " النوع الثامن والسبعون " " " ۲/۴۴۰

لم يقله ما لم ير الخلط غالبا عليها كما لايخفى وهذا في زمانه فكيف بما بعده وفي مجمع بحار الانوار عن رسالة ابن تيمية "وفي التفسير من هذه الموضوعات كثيرة كما يرويه الثعلبي والواحدي والزمخشري في فضل السور، والثعلبي في نفسه كان ذا خير ودين لكن كان حاطب ليل ينقل ما وجد في كتب التفسير من صحيح وضعيف وموضوع والواحدي صاحبه كان ابصر منه بالعربية لكن هو ابعد عن اتباع السلف، والبغوي تفسيره مختصر من الثعلبي لكن صان تفسيره عن الموضوع والبدع اه[1] وفيه عن جامع البيان لمعين بن صيف قد يذكر محي السنة البغوي في تفسيره من المعاني والحكايات ما اتفقت كلمة المتاخرين على ضعفه بل على وضعه اه[2] وفيه عن الامام احمد رحمة الله تعالیٰ علیه انه قال في تفسير الكلبي

یقینی ہے کہ امام احمد نے یہ بات نہ کہی جب تک ان کتابوں میں صحیح وسقیم کے خلط کا غلبہ نہ دیکھ لیا جیسا کہ ظاہر ہے اور یہ قوان کے زمانہ میں تھا توان کے بعد کیسی حالت ہوتی ہوگی ۔ اور مجمع بحار الانوار میں رسالہ ابن تیمیہ سے منقول ہے اور تفسیر میں ان موضوعات سے بہت ہے جیسے وہ حدیثیں جو ثعلبی اور واحدی اور زمخشری سورتوں کی فضیلت میں روایت کرتے ہیں اور ثعلبی اپنی صفات میں صاحب خیر و دیانت تھے، لیکن رات کے لکڑہارے کی طرح تھے کو تفسیر کی کتابوں میں صحیح، ضعیف، موضوع جو کچھ پاتے نقل کردیتے تھے، اور ان کے ساتھی واحدی کو عربیت میں ان سے زیادہ بصیرت تھی لیکن وہ سلف کی پیروی سے بہت دُور تھا، اور بغوی کی تفسیر ثعلبی کی تلخیص ہے، لیکن اُنھوں نے اپنی تفسیر کو موضوعات اور بدعتوں سے بچایا ہے اور اسی میں جامع البیان مصنفہ معین بن صیفی سے ہے "کبھی محی السنۃ بغوی اپنی تفسیر میں وہ مطالب حکایات ذکر کرتے ہیں جسے متاخرین نے یک زبان ضعیف بلکہ موضوع کہا ہے ۔ اور اسی میں امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ہے کہ انھوں نے فرمایا: تفسیر کلبی میں شروع سے

---

[1] مجمع بحار الانوار نوع فی تعیین بعض الوضاع وکتبھم مکتبہ دارالایمان مدینۃ المنورۃ ۵/۲۳۱
[2] " " " " " " " " " " " " " " "

من اولہ الیٰ اٰخرہ کذب لا یحل النظر فیہا[1] اھ۔

آخر تک جھوٹ ہے اس کا مطالعہ حلال نہیں اھ۔

وقد عد الخلیلی فی الارشاد اجزاء قلائل من التفسیر صحت اسانیدھا وغالبہا بل کلہا لا توجد الاٰن اللھم الا نقول عنہا فی اسفار المتاخرین" قال وھذہ التفاسیر الطوال التی اسندوھا الی ابن عباس غیر مرضیۃ ورواتہا مجاھیل کتفسیر جویبر عن الضحاک عن ابن عباس[2] الخ وقال فاما ابن جریج فانہ لم یقصد الصحۃ وانما روی ما ذکر فی کل اٰیۃ من الصحیح والسقیم، وتفسیر مقاتل بن سلیمان فمقاتل فی نفسہ ضعفوہ وقد ادرک الکبار من التابعین والشافعی اشار الی ان تفسیرہ صالح[3] اھ قال المولی السیوطی قدس اللہ سرہ واوھی طرقہ (یعنی تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما) طریق الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس فان انضم الی ذٰلک روایۃ محمد بن مروان السدی

اور بیشک خلیلی نے ارشاد میں تھوڑے تفسیر کے جزء ایسے شمار کئے جن کی سندیں صحیح ہیں اور ان کا اکثر بلکہ وہ سب اب نہیں ملتا۔ الٰہی! تیری مدد ہو، مگر چند نقول ان کی متاخرین کی کتابوں میں ہیں، ابن تیمیہ نے کہا اور یہ لمبی تفسیریں جن کی نسبت لوگوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کی ہے ناپسندیدہ ہیں اور اس کے راوی مجہول ہیں جیسے تفسیر جویبر بروایت ضحاک عن ابن عباس الخ۔ اور کہا رہے ابن جریج تو انھوں نے صحیح روایتوں کا قصد نہ کیا انھوں نے ہر آیت کی تفسیر میں جو کچھ صحیح وسقیم مذکور ہوا روایت کردیا۔ اور مقاتل بن سلیمان کو علماء نے فی نفسہ ضعیف بتایا حالانکہ انھوں نے اکابر تابعین سے اور امام شافعی سے ملاقات کی یہ اشارہ ہے کہ ان کی تفسیر لائق قبول ہے اھ امام سیوطی قدس سرہٗ نے فرمایا اور تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی سب سے کمزور سند کلبی عن ابی صالح عن ابن عباس ہے پھر اگر اس کے ساتھ محمد بن مروان سدی صغیر کی روایت مل جائے

---

[1] مجمع بحار الانوار نوع فی تعیین بعض الوضاع وکتبہم مکتبہ دار الایمان مدینۃ المنورۃ ۵/۲۳۰

[2] الاتقان فی علوم القرآن بحوالہ الخلیلی النوع الثمانون دار الکتاب العربی بیروت ۲/۴۷۰

[3] " " " " " " " " " " " ۲/۴۷۱

الصغير فهي سلسلة الكذب وكثيرا
ما يخرج منها الثعلبي والواحدي.
ولكن قال ابن عدي في الكامل للكلبي
احاديث صالحة وخاصة عن ابي صالح
وهو معروف بالتفسير وليس لاحد
تفسير اطول منه ولا اشبع، وبعده
مقاتل بن سليمان الا أن الكلبي
يفضل عليه لما في مقاتل من
المذاهب الرديئة وطريق الضحاك بن
مزاحم عن ابن عباس منقطعة فان
الضحاك لم يلقه فان انضم الى
ذلك رواية بشر بن عمارة عن
ابي روق عنه فضعيفة لضعف بشر،
وقد اخرج من هذه النسخة كثيرا
ابن جرير وابن ابي حاتم وان كان
من رواية جويبر عن الضحاك فأشد
ضعفا لان جويبرا شديد الضعف
متروك[1] الخ قال ورأيت عن فضائل
الامام الشافعي لابي عبد الله محمد
بن احمد بن شاكر القطان أنه اخرج
بسنده من طريق بن عبد الحكم قال
سمعت الشافعي يقول لم يثبت عن
ابن عباس في التفسير الاشبيه

تو یہ جھوٹ کا سلسلہ ہے، اور ایسا بہت ہوتا
ہے کہ ثعالبی اور واحدی اس سلسلہ سے روایت کرتے ہیں۔
لیکن ابن عدی نے کامل میں فرمایا کلبی کی احادیث
قابل قبول ہیں اور خصوصاً ابو صالح کی روایت سے
اور وہ تفسیر کے سبب معروف ہیں اور کسی کی
تفسیر ان سے زیادہ طویل اور بھرپور نہیں،
اور ان کے بعد مقاتل بن سلیمان ہیں، مگر کلبی کو
ان پر اس لئے فضیلت ہے کہ مقاتل کے یہاں
ردّی خیالات ہیں اور سند ضحاک بن مزاحم عن
ابن عباس منقطع ہے اس لئے کہ ضحاک نے
ابن عباس سے ملاقات نہ کی پھر اگر اس کے
ساتھ روایت بشر بن عمارہ عن ابی روق مل جائے
تو بوجہ ضعف بشر ضعیف ہے، اس نسخہ سے
بہت حدیثیں ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے
تخریج کیں اور اگر جویبر کی کوئی روایت ضحاک
سے ہو تو سخت ضعیف ہے اس لئے کہ جویبر
شدید الضعف متروک ہے، انھوں نے کہا
اور میں نے فضائل امام شافعی مصنفہ ابو عبد اللہ
محمد بن احمد بن شاکر قطان میں دیکھا کہ انھوں
نے اپنی سند بطریق ابن عبد الحکم روایت کیا
کہ ابن عبد الحکم نے فرمایا میں نے امام شافعی
کو فرماتے سنا کہ ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ
عنہ) کی تفسیر میں تقریباً سو حدیثیں

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثمانون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۷۱ و ۴۷۲

بمائة حديث۔[1]

ثابت ہیں۔

قلت وھذہ معالم التنزیل للامام البغوی مع سلامۃ حالھا بالنسبۃ الی کثیر من التفاسیر المتداولۃ و دنوھا الی المشرع الحدیثی یحتوی علی قناطیر مقنطرۃ من الضعاف والشواذ والواھیات المنکرۃ وکثیرا ماتدور اسانیدھا علی ھؤلاء المذکورین بالضعف والجرح کالثعلبی والواحدی والکلبی والسدی ومقاتل وغیرھم ممن قصصنا علیك اولم نقصص فما ظنك بالذین لا اعتناء لھم بعلم الحدیث ولا اقتدار علی نقد الطیب من الخبیث کالقاضی البیضاوی وغیرہ ممن یحذ وحذوہ، فلا تسئل عما عندھم من اباطیل لا زمام لھا و لا خطام دع عنك ھذا یالیتھم اقتصروا علی ذلك لکن بعضھم تعدوا ماھنالك وسلکوا مسالك تجر الی مھالك فادلجوا فی تفسیر القرآن ما تقف لہ الشعر وتنکرہ القلوب و تمجہ الاذان اذ قروا و اقصص الانبیاء الکرام والملئکۃ العظام علیھم الصلوۃ والسلام

میں کہوں گا اور یہ معالم التنزیل ہے جو امام بغوی کی تصنیف ہے، باوصف یہ کہ بہت سی رائج تفسیروں کے مقابل غلطیوں سے محفوظ ہے اور طرز حدیث سے قریب ہے بہت ضعیف و شاذ اور واہی منکر روایتوں پر مشتمل ہے اور ایسا بہت ہوتا ہے کہ اس کی روایت کی سندیں ان پر دورہ کرتی ہیں جن کا نام ضعف وجرح کے ساتھ لیا جاتا ہے جیسے ثعلبی، واحدی، کلبی، سدی اور مقاتل وغیرہم جن کا ہم نے تم سے بیان کیا اور جن کا بیان نہ کیا تو تمہارا گمان انکے ساتھ کیسا ہے جنھیں علم حدیث کا اہتمام نہیں اور ستھرے کو میلے سے الگ کرنے کی قدرت نہیں جیسے قاضی بیضاوی اور ان کے علاوہ جو بیضاوی کے طریقہ پر چلتے ہیں، تو ان کے پاس ان باطل اقوال کا حال نہ پوچھو جن کے لئے نہ لگام ہے نہ بندش کی رسّی، اس خیال کو اپنے سے دور رہنے دو، کاش یہ لوگ اسی پر بس کرتے، مگر ان میں سے کچھ لوگ اس سے آگے بڑھے اور ایسے رستے چلے جو ہلاکتوں کی طرف کھینچ کرلے جائیں تو انھوں نے قرآن کی تفسیر میں ایسی باتیں داخل کردیں جن سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل انھیں ناپسند کرتے اور کان انھیں پھینکتے ہیں اس لئے

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثمانون دار الکتاب العربی بیروت ۲/۴۰۲

بما ينقض عصمتهم وينقص او يزيل
عن قلوب الجهال عظمتهم كما
يظهر على ذلك من راجع قصة آدم
وحواء وداؤد واوريا و سليمان
والجسد الملقى والالقاء فى الامنية
والغرانقة العلى وهاروت و
ماروت وما ببابل جرى
فبالله التعوذ واليه المشتكى
فاصابهم فى ذلك ما
اصاب اهل السير والملاحم
فى نقل مشاجرات الصحابة، اذ جاء
كثير منها منا قضا للدين
وموهنا لليقين وازداد دخنا
على دخن وهنات على
هنات ان اطلع على
كلامهم لبعض من ليس
عنده آثارة من علم
ولامتانة من حلم فضل و
أضل اما اغترارًا بكلماتهم
جهلا منه بما فيه من
الوبال البعيد والنكال الشديد
واما ظلمًا وعلوًا لاجترائه بذلك
على ابانة ما فى قلبه المرض
من تنقيص الانبياء وتفسيق الاولياء
فمضى عليه الكبير و نشأ عليه الصغير

انبیاء کرام و ملائکہ عظام کے قصوں میں ایسی باتوں
کو مقرر رکھا جن سے اس کی عصمت نہیں رہتی
اور جاہلوں کے دل میں ان کی عظمت کم ہوجاتی
ہے یا زائل ہوجاتی ہے۔ چنانچہ یہ بات آدم و
حوا و داؤد و اوریا اور سلیمان اور ان کی کرسی
پر پڑے ہوئے جسم اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
کی تلاوت کے دوران شیطان کے القاء اور
غرانیق علیٰ کے واقعات اور ہاروت و ماروت
اور بابل کا ماجرا کا مطالعہ کرنے والے پر ظاہر
ہے تو اللہ ہی کی پناہ اور اسی سے انکی شکایت
ہے تو ان کو ان باتوں سے وہ مرض لگا جو
مصنفین واقعات سیرت و مغازی کو صحابہ کے
اختلافات کو نقل کرنے سے لگا اس لئے کہ
بہت باتیں دین کے مخالف اور ایمان کو کمزور
کرنے والی ان لوگوں سے ظاہر ہوئیں اور فساد پر
فساد اور خطاؤں پر خطائیں یوں بڑھ گئیں کہ ان
لوگوں کے کلام کی اطلاع کچھ ان لوگوں کو ہوگئی جن
کے پاس نہ کچھ بچا کھچا علم تھا نہ عقل کی پختگی، تو
وہ خود گمراہ ہوئے اور اوروں کو گمراہ کیا یا تو ان
کے کلمات سے دھوکا کھا کر اس کے وبال شدید
وسخت عذاب سے بے خبری میں یا ظلم و سرکشی کی
وجہ سے اس لئے کہ ان باتوں سے انھیں اس
کے اظہار کی جرأت ہوئی جو انبیاء کی تنقیص اور
اولیاء کی تفسیق ان کے دل میں تھی تو اس پر
بڑے گزرے اور چھوٹے پروان چڑھے اور یہ

فاختل دين كثير من الناقصين وصاروا شرًا من العوام العامين اذ لم يقدروا على مطالعتها فنجوا عن فتنتها وقد بذل علماءنا النصح للثقلين فشددوا النكير على كلا الفريقين اعني التفاسير الواهية والسير الداهية فاعلنوا انكارها وبيّنوا اعوارها كالقاضي في الشفاء والقاري في الشرح والخفاجي في النسيم والقسطلاني في المواهب والزرقاني في الشرح والشيخ في المدارج وغيرهم في غيرها رحمة الله عليهم اجمعين، والحمد لله رب العالمين، ولقد الان القول ابوحيان اذ قال كما نقل الامام السيوطي ان المفسرين ذكروا ما لا يصح من اسباب نزول واحاديث في الفضائل و حكايات لا تناسب وتواريخ اسرائيلية ولا ينبغي ذكر هذا في علم التفسير[1] انتهى ، واعلموا ان هناك اقواما يعتريهم نزغة فلسفية لما افنوا عمرهم فيها وظنوها شيئا شهيا فيولعون بابداء احتمالات

عامی لوگوں سے بدتر ہوگئے کہ عامیوں کو ان کتابوں کے مطالعہ کی قدرت نہ تھی تو وہ ان کے فتنہ سے بچے رہے اور بے شک ہمارے علماء نے دونوں فریقوں کو بھرپور نصیحت کی چنانچہ انھوں نے دونوں فریق کی سخت مذمت کی یعنی واہی تفاسیر اور سیرت کی ناپسندیدہ کتابوں کی تو انھوں نے ان کتابوں کا ناپسندیدہ ہونا ظاہر کیا اور ان کا عیب کھولا جیسے علامہ قاضی عیاض نے شفا میں اور علامہ خفاجی نے نسیم الریاض میں اور علامہ قسطلانی نے مواہب میں اور علامہ زرقانی نے اسکی شرح میں اور علامہ قاری نے شرح شفا میں اور شیخ (محقق عبدالحق محدث دہلوی) نے مدارج میں اور دوسروں نے دوسری تصانیف میں رحمۃ اللہ علیہم اجمعین والحمد للہ رب العلمین ، اور یقیناً ابوحیان نے بات کو سہل و نرم کیا کہ انھوں نے کہا جیسا کہ امام سیوطی نے نقل کیا کہ مفسرین نے ایسے اسباب نزول اور فضائل میں وہ حدیثیں ثابت نہیں اور نامناسب حکایات اور تواریخ اسرائیلی کو ذکر کیا ہے حالانکہ اس کا ذکر تفسیر میں مناسب نہیں، اور تم جان لو کہ اس جگہ کچھ لوگ ایسے ہیں جنھیں فلسفی وسوسے آتے ہیں اس لئے کہ انھوں نے اپنی عمر اس میں فنا کی اور اسے مرغوب شے گمان کیا تو ان کو دور از کار

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/۴۶۳

بعيدة ولولم يكن فيها حلاوة ولا عليها طلاوة حتى ذكر بعضهم فى قوله تعالىٰ "وانشق القمر"[1] ماتعلقت به جهلة النصارٰى وآخرون ممن يتلجلجون فى الايمان فيلهجون بكلمة الاسلام وفى قلوبهم من بغض النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وانكار معجزاته جبال عظام فانا لله وانا اليه راجعون هذا الذى أعيى السيوطى حتى تبرأ عنها كلها واقتصر على الارشاد الى تفسير ابن جرير كما مر نقله كما تضجر الذهبى عن خلاعة أكثر السير والتوارىخ فعافها عن آخرها واطمأن الى دلائل البيهقى قائلا انه النور كله وقد دبّت هذه الفتنة الصماء والبلية العمياء الى كثير من متاخرى المتكلمين الذين اشتد عنايتهم بالتفلسف الخبيث ولم يحصلوا بصيرة فى صناعة الحديث حتى انهم يذكرون فى بعض المسائل فضلا عن الدلائل ما ليس من السنة فى شئ واما

احتمالوں کو ظاہر کرنے کی لت ہے اگرچہ ان میں شیرینی ہو نہ ان پر رونق ہو، یہاں تک کہ کسی نے قول باری تعالےٰ وانشق القمر (اور چاند شق ہوگیا) کی تفسیر میں وُہ بات ذکر کی جس سے جاہل نصرانی اور دوسرے وہ لوگ جو ایمان میں ثابت نہیں اس لئے زبان سے کلمۂ اسلام پڑھتے ہیں حالانکہ ان کے دلوں میں نبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے عداوت اور ان کے معجزات کے انکار کے بڑے پہاڑ ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون (ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف پھرنا ہے) یہی سبب تھا کہ سیوطی اس درجہ عاجز ہوئے کہ تمام تفسیروں سے بیزاری فرمائی اور صرف تفسیر ابن جریر کی طرف رہنمائی پر بس کیا جیسا کہ اس کی حکایت گزری جس طرح ذہبی سیرت اور تاریخ کی اکثر کتابوں کی بے شرمی سے پریشان ہوئے تو اُنھوں نے اوّل سے آخر تک سب کو چھوڑا اور دلائل بیہقی پر مطمئن ہوئے اور فرمایا وہ سراسر نور ہے، اور یہ شدید فتنہ اور ہمہ گیر بلا بہت سے متاخر متکلمین کی طرف سرایت کرگئی (جن کی زیادہ توجہ خبیث فلسفہ پر تھی) اور انھوں نے فن حدیث میں بصیرت حاصل نہ کی یہاں تک کہ یہ لوگ کچھ مسائل میں چہ جائیکہ دلائل میں وہ باتیں ذکر کرتے ہیں جو باتیں سنت سے نہیں۔ رہ گیا

---

[1] القرآن الکریم ۵۴/ ۱

مابينهم من قيل وقال وكثرة السوال و الشبه والجدال ع
فكن حذورًا ولا تسئل عن الخبير او على الله الشكوٰى۔
فلقد بلغ الامر الیٰ ان الناظر فی تلك الكتب لايكاد يعرف ان هذا امما جاء به ارسطو وافلاطون او ما جاء به محمد رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم وقد ثقل صنيعهم هذا على العلماء المحتمين للدين ان الامام العامل بعلمه سيدى الشيخ المحقق لما رأى ذلك منهم فی مسئلة المعراج لم يتمالك نفسه ان اغلظ القول فيهم الیٰ سماهم ان سماهم ضالين مضلين ولم يكن بدعًا فی ذلك بل سبقه فی اقامة الطامة الكبریٰ عليهم ائمه تشار اليهم بالبنان وتقوم بهم اركان الايمان كما فصله الملا على القاری فی شرح الفقه الاكبر ان شئت فطالعه فانك اذا رأيت ثم رأيت عجبا كبيرا ومن هذا القبيل ما ذكره بعضهم فی مشاجرات الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم اذ نسب القول بتفسيق كثير منهم حتى بعض العشرة المبشرة ايضا

جو کچھ ان کے درمیان قیل وقال اور کثرتِ سوال و شبہات وجدال ہیں۔
ان سے بہت ڈرتے رہو اور ان کی حالت پوچھو آہ اللہ ہی سے فریاد ہے۔
اس لئے کہ نوبت یہاں پہنچی کہ ان کتابوں کو دیکھنے والا یہ جانتا ہوا نہیں لگتا ہے کہ یہ بات ارسطو اور افلاطون لائے یا یہ وہ ہے جسے محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم لائے اور ان کا یہ معاملہ دین کے لئے حمیت والے علماء پر شاق گزرا یہاں تک کہ امام عالم باعمل سیدی شیخ محقق (عبد الحق محدث دہلوی) نے مسئلہ معراج میں جب ان کی یہ روش دیکھی تو انھیں اپنے اوپر قابو نہ رہا انھوں نے ان لوگوں کے بابت سخت کلام فرمایا یہاں تک کہ انھیں گمراہ و گمراہ گر کا نام دیا اور اس میں وہ نِت نئے نہیں بلکہ ان سے پہلے ان پر قیامت کبریٰ ان پیشواؤں نے قائم کی جن کی طرف انگلیاں اٹھتی ہیں اور جن سے ایمان کے ستون قائم ہیں جیساکہ ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں اس کو مفصل بیان فرمایا ہے تم چاہو تو اس کا مطالعہ کرو اس لئے کہ جب تم اس مقام کو دیکھو گے تو بڑی عجیب بات دیکھو گے، اور اسی قبیل سے وہ ہے جو بعض لوگوں نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اختلافات میں ذکر کیا ہے کہ انھوں نے بہت صحابہ کے یہاں تک کہ دس صحابہ مژدہ یافتگان

الى كثير من اهل السنة والجماعة
وهم والله ما قالوا ولا اذنوا
فالحق ان الدين لا يقوم الا
بالحديث والحديث مضلة الا
للفقيه والفقه لا يحصل باتباع
الشبه وتحكيم العقل السفيه نجانا
الله والمسلمين عن شر الجهل و
شر العلم فان شر العلم
ادهى وأمرّ ولا حول ولا قوة الا
بالله العزيز الحكيم وانما اطبنا
الكلام فى هذا المقام حوطًا
على السنن وكراهة للفتن
ان تروج على المؤمنين او ترعرع الى الدين
فيفسد اليقين الا فعض عليه بالنواجذ
فالنصيح غير مفتون و
اياك ان تخالفه وان
افتاك المفتون ۔

جنت میں سے کچھ کے فسق کا قول بہت سُنّی علماء
کی طرف منسوب کیا حالانکہ انھوں نے قطعاً خدا کی قسم
یہ بات نہ کہی نہ کسی کے لئے روا رکھی تو حق یہ ہے
کہ دین کا نظام تو حدیث سے ہے اور حدیث
سے فقیہ کے سوا سب کو گمراہی کا اندیشہ ہے
اور فقہ اثبات شبہات اور نادان عقل کو
حاکم بنا کر حاصل نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ ہمیں
اور سب مسلمانوں کو جہل کی شر اور علم کی شر
سے بچائے اس لئے کہ علم کی شر بہت سخت
اور بہت تلخ ہے اور برائی سے پھرنا اور نیکی کی
قدرت اللہ ہی سے ہے جو غلبے والا حکمت
والا ہے اور ہم نے اس مقام میں کلام طویل
سنّت کی حفاظت کے لئے اور اس بات کی
کراہیت کے سبب کیا کہ فتنے مسلمانوں میں
رواج پائیں یا دین کی طرف چلے آئیں تو ایمان
بگڑ جائے، سُنتا ہے تو اس کو مضبوطی سے
پکڑ لو کہ نصیحت پکڑنے والا گمراہ نہیں ہوتا، اور
خبردار اس کی مخالفت نہ کرنا اگرچہ فتویٰ دینے
والے فتویٰ دیں۔

ايقاظهم اعيذك بالله
ان يستفزك الوهم عن الذى
القينا عليك فتفترى
علينا غيره او يوسوسك
قلة الفهم انا لا نكترث
للتفسير ولا نلقى له

ضروری تنبیہ : میں تمھیں اللہ
کی پناہ میں دیتا ہوں اس بات سے کہ تمھیں
وہم اس بات سے ڈگمگا دے جو ہم نے
تم پر القا کیا، تو تم ہم پر اس سے جُدا
بات کا بہتان باندھو یا فہم کی کمی یہ وسوسہ
ڈالے کہ ہم تفسیر کی پرواہ نہیں کرتے اور

بالأولا نسلوله خيره وانما المعنى
أن غالب الزبر المتداولة
لا تسلو من الدخيل وتجمع من
الاقوال كل صحيح وعليل فمجرد
حكايتها لا يوجب التسليم ولا يصد
الناقد عن نقد السقيم فما هي
عندنا أسوء حالا من أكثر كتب
الاحاديث اذ نعاملها مرة بالترك
ومرة بالاحتجاج لما نعلم انها
ترد كل مورد فتحمل تارة عذبا
فراتا وتاتي مرة بملح
اجاج ، وبالجملة فالامر
يدور على نظافة
الحديث سنداً ومتناً
فاينما وجدنا الرطب اجتنيناه وان كان
في منابت الحنظل وحيثما رأينا الحنظل
اجتنبناه وان نبت في مسيل
العسل۔

ولقد علمت أن أكثر
هذا الداء العضال انما دخل
التفاسير من باب الاعضال
وفي امثال تلك المحال اذا
لم يعرف السند يؤل الامر الى نقد المقال
فما كان منها يناضل النصوص ويرد المنصوص
اوفيه ازراء بالرسل والانبياء اوغير
ذلك مما لا يحتمل علمنا انه قول مغسول

اس کا ہمیں کوئی خیال نہیں اور ہم اس کی اچھی
بات بھی نہیں مانتے، مقصد صرف اتنا ہے کہ
اکثر کتب متداولہ دخیل سے محفوظ نہیں اور وہ
ہر صحیح وسقیم قول کو اکٹھا کرتی ہیں تو ان کتابوں میں
کسی قول کی مجرد حکایت اس کو مان لینا واجب
نہیں کرتی اور پرکھنے والوں کو کھوٹے کی پرکھ سے
نہیں روکتی تو یہ ان کتابوں کا حال ہمارے
نزدیک حدیث کی اکثر کتابوں سے زیادہ بُرا
نہیں اس لئے کہ ہم ان کے ساتھ کبھی کسی قول
کو چھوڑنے اور کبھی کسی کو حجت بنانے کا معاملہ
کرتے ہیں یوں کہ ہمیں معلوم ہے کہ یہ ہر گھاٹ
پر اترتی ہیں تو کبھی میٹھا پانی اٹھا لیتی ہیں اور
کبھی سخت کھاری پانی جس سے منہ جل جائے لاتی
ہیں، بالجملہ مدارِ کار حدیث کی نظافت (پاکیزگی)
سند ومتن کے لحاظ سے ہے تو جہاں کہیں ہم
میٹھا پھل پائیں گے اسے چُن لیں گے اگرچہ
وہ کسی خراب جگہ اگا ہو اور جہاں کہیں کڑوا پھل دیکھیں گے
تو اس کو چھوڑ دیں گے اگرچہ وہ شہد کی نہر میں اگا ہو۔

اور یقیناً تمہیں معلوم ہے کہ اس لا علاج
مرض کا بیشتر حصہ تفاسیر میں جہالت سند
کے دروازہ سے گھسا اور ایسے مقامات میں
جب سند معروف نہ ہو تو آل کار بات کو پرکھنا
ہے تو جو بات نصوص سے ٹکراتی اور منصوص کو رد
کرتی ہو یا اس میں رُسل وانبیاء کی تنقیص ہو
یا اور کوئی بات جو قابلِ قبول نہ ہو ہم جان لیں گے
کہ یہ قول دھو دینے کے قابل ہے اور اگر

وان کان بریئا من الآفات نقیا من العاھات قبلناہ علی تفاوت عظیم بین قبول وقبول ولیس ھذا من باب ما نھینا عنه من الاجتراء علی التفسیر بالآراء و معاذ الله ان نجترئ علیه فان علم التفسیر اشد عسیر و یحتاج فیه الی ما لیس بحاصل ولا میسر کما قد فصل بعضه العلامة السیوطی رحمة الله تعالٰی علیه وکذلك اذا اتانا منھا ما فیه العدول عن ظاھر المدلول وصح ذلك عمن لا یسعنا خلافه اوکانت ھناك خلة لا تنسد الا به تعین القبول والا فدلالة کلام الله تبارك وتعالٰی احق بالتعویل من قال وقیل ھذا الذی قصدنا فلا تنقص ولا تزد۔

قال الامام السیوطی قال بعضھم فی جواز تفسیر القرآن بمقتضی اللغة روایتان عن احمد و قیل الکراھة تحمل علی صرف الآیة عن ظاھرھا الی معان خارجة محتملة یدل علیھا القلیل من کلام العرب ولا یوجد غالبًا الا فی الشعر ونحوہ و یکون المتبادر خلافھا اھ[1]۔

اور اگر خرابیوں سے بری، علتوں سے پاک ہو ہم اسے قبول کرلیں گے باوجودیکہ اسے قبول کرنے میں اور دوسرے قول کو قبول کرنے میں عظیم تفاوت ہے اور یہ تفسیر بالرائے کے باب سے نہیں ہے جس سے ہمیں روکا گیا، اور اللہ کی پناہ اس سے کہ ہم اس پر جرأت کریں اس لئے کہ علم تفسیر سخت دشوار ہے اور اس میں اس کی حاجت ہے جو ہمیں حاصل نہیں اور نہ اس کا حاصل ہونا آسان ہے جیسا کہ ان علوم ضروریہ میں سے بعض کی تفصیل علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمائی ہے اور یونہی جب ہمیں ان میں کوئی قول ایسا پہنچے جس میں ظاہر معنٰی سے عدول ہو اور وہ اس سے ثابت ہو جس کا خلاف ہمیں نہیں پہنچتا یا کوئی حاجت ہو جو ظاہر سے عدول کے بغیر پوری نہ ہو تو اسے قبول کرنا متعین ہے ورنہ کلام الٰہی کی دلالت قیل وقال سے اعتماد کی زیادہ حقدار ہے یہی ہمارا مقصود ہے تو اس سے نہ کم کرو نہ زیادہ۔

امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے فرمایا بعض علماء نے فرمایا کہ مقتضائے لغت کے مطابق قرآن کی تفسیر کے جواز میں امام احمد سے دو روایتیں ہیں اور کچھ کا قول یہ ہے کہ کراہت اس پر محمول ہے کہ آیت کو اس کے ظاہری معنٰی سے پھیر کر ایسے معانی خارجہ محتملہ پر محمول کرے جن پر قلیل کلام عرب دلالت کرتا ہو اور وہ غالبًا اور اس کے مثل کلام کے سوا عام بول چال میں نہ پائے جائیں اور ذہن کا تبادر اس کے خلاف ہو اھ۔

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/۴۴۳

وقال عن برهان الزرکشی "کل لفظ احتمل معنیین فصاعداً فهو الذی لا یجوز لغیر العلماء الاجتہاد فیہ، وعلیہم اعتماد الشواہد والدلائل دون مجرد الرأی، فان کان احد المعنیین اظہر وجب الحمل علیہ الا ان یقوم دلیل علی ان المراد ہو الخفی اھ[1]۔

اور سیوطی نے برہان سے حکایت کیا، ہر وہ لفظ جو دو یا دو سے زائد معنی کا احتمال رکھے اس میں تو غیر علماء کو اجتہاد جائز نہیں اور علماء کو لازم ہے کہ وہ شواہد و دلائل پر بھروسہ کریں نہ کہ محض رائے پر، تو اگر دو معنی میں سے ایک ظاہر تر ہے تو اسی پر محمول کرنا واجب ہے مگر یہ کہ دلیل قائم ہو کہ مراد خفی ہی ہے اھ۔

وقال "قال العلماء یجب علی المفسر أن یتحری فی التفسیر مطابقۃ المفسر و أن یتحرز فی ذلک من نقص عما یحتاج الیہ فی ایضاح المعنی أو زیادۃ لا تلیق بالغرض ومن کون المفسر فیہ زیغ عن المعنی وعدول عن طریقہ وعلیہ بمراعاۃ المعنی الحقیقی والمجازی، و مراعاۃ التالیف والغرض الذی سیق لہ الکلام[2] الخ۔

اور فرمایا: علماء کا قول ہے کہ مفسر پر واجب ہے کہ وہ تفسیر میں یہ تجویز کرے کہ تفسیر لفظ مفسر کے مطابق ہو اور اس سے کم کرنے سے بچے جس کی حاجت توضیح مراد کے لئے ہو اور ایسے لفظ کو زیادہ کرنے سے احتراز کرے جو مقصد کے مناسب نہ ہو، اور اس بات کی احتیاط رکھے کہ تفسیر میں معنی سے انحراف اور اس کی راہ سے عدول نہ ہو، اور اس پر لازم ہے کہ معنی حقیقی و مجازی کی رعایت کرے اور ترکیب اور اس غرض کی جس کے لئے کلام ذکر کیا گیا رعایت رکھے۔

المقدمۃ الثالثۃ

کثیراً ما تری المفسرین یذکر بعضہم تحت الآیۃ وجہا من التاویل والبعض الآخرون وجہا آخر وربما جمعوا وجوہا کثیرۃ، وغالبہ لیس من باب الاختلاف

مقدمہ سوم

مفسرین کو تم بہت دیکھو گے کہ ان میں سے کوئی آیت کے تحت کوئی وجہ تاویل ذکر کرتا ہے اور بعض دوسرے دوسری وجہ ذکر کرتے ہیں اور کبھی بہت سی وجوہ جمع کر دیتے ہیں اور بیشتر وجوہ اختلاف و تردد کے

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن، النوع الثامن والسبعون، دار الکتاب العربی بیروت ۲/۴۵۳

[2] ״ ״ ״ ״ ״ ״ ״ ״ ۲/۴۶۱

او التردد المانع عن التمسك بأحدها لاسيما الاظهر الانور منها وانما هو تفنن فی المرام أو بيان لبعض ما ينتظمه الكلام و ذلك ان القرآن ذو وجوه وفنون ولكل حرف منه غصون و شجون و له عجائب لا تنقضی و معان تمد ولا تنتهی، فجاز الاحتجاج به علی كل وجوهه و هذا من اعظم نعم الله سبحنه وتعالی علينا و من ابلغ وجوه اعجاز القرآن و لو كان الأمر علی خلاف ذلك لعادت النعمة بلية والاعجاز عجزاً والعياذ بالله تعالی وقد وصف الله سبحنه وتعالی القرآن بالمبين، فليس تنوع معاينه كتذبذب المحتملات فی كلام مبهم مختلط لا يستبين المراد منه، ولقد قال الله تبارك وتعالی "قل لو كان البحر مداداً لكلمات ربي لنفد البحر قبل ان تنفد كلمات ربي ولو جئنا بمثله مدداً"۔ و قال رسول الله صلی الله تعالی عليه وسلم علی ما اخرج ابو نعيم وغيره

باب سے نہیں جس میں سے کسی کو اخذ کرنا دوسری تمسک کا مانع ہو خصوصاً ان میں جو ظاہر تر اور روشن تر ہو بلکہ یہ وجوہ بیان مقصد میں تفنن عبارت ہے یا کلام جن وجوہ کو شامل ہے اس میں سے کچھ کو بیان کر دینا ہے اور یہ اس لئے کہ قرآن مختلف وجوہ رکھتا ہے اور اس کے ہر لفظ کے متعدد معانی ہیں اور اس کے عجائب ختم نہیں ہوتے اور معانی بڑھتے ہیں اور کسی حد پر نہیں تھمتے، لہذا اس کی تمام وجوہ کو حجت بنانا جائز ہے اور یہ ہمارے لئے اللہ کی بڑی نعمتوں میں سے ایک ہے اور قرآن کے اعجاز کے اسباب بلیغہ سے ایک سبب ہے، اور اگر معاملہ اس کے برخلاف ہوتا تو نعمت مصیبت ہو جاتی اور اعجاز عجز ہو جاتا والعیاذ باللہ تعالٰی، اور اللہ تعالٰی نے قرآن کا وصف مبین فرمایا ہے تو اس کے معانی کا قسم قسم ہونا کلام مبہم میں جس کی مراد ظاہر نہ ہو محتملات کے تردد کی طرح نہیں اور یقیناً اللہ تبارک و تعالٰی فرماتا ہے، اے محبوب! تم فرماؤ اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لئے روشنائی ہو جائے تو سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی اگرچہ ہم اس جیسا اور اس کی مدد کو لے آئیں۔ اور رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جیسا کہ ابو نعیم وغیرہ نے حضرت

---

[1] القرآن الکریم ۱۸/۱۰۹

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما القرآن ذلول ذو وجوہ فاحملوہ علیٰ احسن وجوھہ[1]۔ وقال سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما کما اخرج ابن ابی حاتم عنہ ان القرآن ذو شجون وفنون وظھور وبطون لا تنقضی عجائبہ ولا تبلغ غایتہ[2] الحدیث۔

قال السیوطیؒ قال ابن سبع فی شفاء الصدور ورد عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال لا یفقہ الرجل کل الفقہ حتی یجعل للقرآن وجوھا، وقد قال بعض العلماء لکل اٰیۃ ستون الف فہم[3] انتھی ملخصا۔ وللہ در الامام البوصیری حیث یقول ؎

لها معان کموج البحر فی مدد
وفوق جوھرہ فی الحسن والقیم
فلا تعد ولا تحصی عجائبها
ولا تسام علی الاکثار بالسام[4]

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا قرآن نرم و آسان ہے مختلف وجوہ والا ہے تو اسے اس کی سب سے اچھی وجہ پر محمول کرو۔

اور سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا جیسا کہ ابن ابی حاتم نے ان سے روایت کی قرآن مختلف معانی و مطالب اور ظاہری و باطنی پہلو رکھتا ہے، اس کے عجائب بے انتہا ہیں اسکی بلندی تک رسائی نہیں (الحدیث)۔

سیوطی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ابن سبع نے شفاء الصدور میں فرمایا کہ ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ آدمی اس وقت تک کامل فقیہ نہیں ہوتا جب تک کہ قرآن کے مختلف وجوہ نہ جان لے‘ اور بعض علماء کا قول ہے کہ ہر آیت کے ساٹھ ہزار مفہوم ہیں‘ اور امام بوصیری کی خوبی اللہ ہی کے لئے ہے کہ وہ فرماتے ہیں قرآنی آیات کے وہ معانی کثیر ہیں جیسے سمندر کی موج افزائش میں۔ اور وہ حسن و قیمت میں سمندر کے گوہر سے بڑھ کر ہیں تو ان آیتوں کے عجائب کی نہ گنتی ہو سکے نہ شمار میں آئیں، اور اس کثرت کے باوجود ان سے اکتانے کا معاملہ نہیں کیا جاتا۔

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن بحوالہ ابی نعیم وغیرہ عن ابن عباس النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/۴۴۶ و ۴۴۴
[2] " " " النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/۴۶۰
[3] " " " " " " " " " " " ۲/۴۶۰
[4] الکوکب الدریۃ فی مدح خیر البریۃ مرکز اہل سنت برکات رضا گجرات، ہند ص ۴۰

فثبت بحمد الله ان بعض معانيه
لاينافي بعضا ولا يوجب وجه لوجه
رفضا من جراء هذا ترى
العلماء لم يزالوا محتجين على
احد التاويلات ولم يمنعهم عن
ذلك علمهم بان هناك وجوها
أُخر لا تعلق لها بالمقام وعلام
كان يصدهم وقد علموا أن
القرآن حجة بوجوهه جميعا
وليس هذا الا تفننا وتنويعًا هذا
هو الاصل العظيم الذي يجب
المحافظة عليه انبأنا المولى السراج عن
المفتي الجمال عن السند السندي عن الشيخ
صالح عن محمد بن السنة وسليمان الدرعي
عن الشريف محمد بن عبد الله عن السراج
بن الالجائي عن البدر الكرخي والشمس
العلقمي كلهم عن الامام جلال الملة و
الدين السيوطي قال في الاتقان ناقلا عن
ابن تيمية "الخلاف بين السلف في التفسير
قليل وغالب ما يصح عنهم من الخلاف
يرجع الى اختلاف تنوع لا اختلاف تضاد. و
ذلك صنفان،

احدهما ان يعبر و
احد منهم عن المراد بعبارة غير عبارة
صاحبه تدل على معنى في المسمى
غير المعنى الآخر مع اتحاد المسمى

اب بحمد اللہ ثابت ہوا کہ اس قرآن کا کوئی
معنی دوسرے کے منافی نہیں اور کوئی وجہ دوسری وجہ کو
چھوڑ دینا واجب نہیں کرتی اسی وجہ سے
تم دیکھو گے کہ علماء ایک تاویل پر بنائے دلیل
رکھتے ہیں اور اس بات سے باز نہیں رکھتا انھیں
ان کا یہ علم کہ اس جگہ دوسری وجوہ بھی جن کو ان کے
مقصد سے تعلق نہیں، اور کاہے کو
باز رکھے حالانکہ انھیں خبر ہے کہ قرآن اپنی تمام
وجوہ پر حجت ہے اور یہ اختلافِ وجوہ تو محض
تفننِ کلام و تلونِ عبارت ہے۔ ہمیں خبر دی
مولیٰ سراج نے مفتی جمال سے انھوں نے سند
سندی سے انھوں نے شیخ صالح سے انھوں
نے محمد بن السنۃ اور سلیمان درعی سے انھوں
نے شریف محمد بن عبد اللہ سے انھوں نے سراج
بن الالجائی سے انھوں نے بدر کرخی و شمس علقمی
سے، ان سب نے جلال الملۃ والدین سیوطی
سے روایت کی کہ انھوں نے اتقان میں ابن تیمیہ
سے نقل فرمایا کہ تفسیر میں سلف کے درمیان
اختلاف کم ہے اور اکثر اختلاف جو سلف سے
ثابت ہے اختلاف طرز تعبیر کی طرف لوٹتا ہے
متضاد باتوں کا اختلاف نہیں اور یہ (تعبیروں
کا اختلاف) دو صنف ہے:

ان میں سے ایک صنف یہ کہ ان
لوگوں میں سے کوئی اپنی مراد کی تعبیر ایک عبارت
سے کرے جو اس کے ساتھی کی عبارت سے
جداگانہ ہو اور معنی ایک ہو جیسے علماء نے

كتفسيرهم "الصراط المستقيم" بعض بالقرآن أي اتباعه، ولبعض بالاسلام فالقولان متفقات لأن دين الاسلام هو اتباع القرآن، ولكن كل منها نبه على وصف غير الوصف الآخر كما أن لفظ الصراط يشعر بوصف ثالث، وكذلك قول من قال هو السنة والجماعة وقول من قال هو طريق العبودية وقول من قال هو طاعة الله ورسوله وأمثال ذلك، فهؤلاء كلهم اشاروا الى ذات واحدة ولكن وصفها كل منهم بصفة من صفاتها.

الثاني ان يذكر كل منهم من الاسم العام بعض انواعه على سبيل التمثيل وتنبيه المستمع على النوع، لا على سبيل الحد المطابق للمحدود في عمومه وخصوصه مثاله ما نقل في قوله تعالى "ثم اورثنا الكتب الذين اصطفينا الآية فمعلوم أن الظالم لنفسه يتناول المضيع للواجبات والمنتهك للحرمات والمقتصد يتناول فاعل

الصراط المستقیم کی تفسیر کسی نے قرآن کہا یعنی قرآن کی پیروی اور کسی نے اسلام تو یہ دونوں قول ایک دوسرے کے موافق ہیں اس لئے کہ دین اسلام تو قرآن کی پیروی ہے۔ لیکن ان دونوں نے ایک دوسرے کے وصف سے جدا ایک وصف پر متنبہ کیا جیسے کہ لفظ صراط تیسرے وصف کی خبر دیتا ہے اسی طرح اس کی بات جس نے یہ کہا تھا کہ صراطِ مستقیم مسلک اہلسنت و جماعت ہے اور اس کی بات جس نے کہا کہ وہ طریقِ بندگی ہے اور اس کا قول جو بولا کہ وہ اللہ و رسول (جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی اطاعت ہے اور جیسے اس طرح کے دوسرے اقوال اس لئے کہ ان سب نے ایک ذات کی طرف رہنمائی کی لیکن ہر ایک نے اس کی ایک صفت اس کی صفات سے بیان کر دی۔

دوسری صنف یہ ہے کہ ہر عالم لفظ عام کی کوئی قسم مثال کے اوپر ذکر کرے اور مخاطب کو اس نوع پر متنبہ کرے اور اس نوع کو ذکر کرنا ذات اس کے عموم وخصوص میں ذات کی حدِ تام و تعریف تمام کے طور پر نہ ہو اس کی مثال وہ جو اللہ تعالٰی کے قول ثم اورثنا الکتب الذین اصطفینا الآیۃ کی تفسیر میں منقول ہوا اس لئے کہ معلوم ہے کہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا اس کو شامل ہے جو واجبات کو ضائع کرے اور حرمتوں کو توڑے اور مقتصد

الواجبات وتارك المحرمات، و
السابق يدخل فيه من سبق
فتقرب بالحسنات مع الواجبات فالمقتصدون
اصحاب اليمين والسابقون السابقون
اولئك المقربون، ثم ان كلا منهم
يذكر هذا في نوع من انواع
الطاعات كقول القائل السابق
الذي يصلي في اول الوقت، و
المقتصد الذي يصلي في اثنائه .
والظالم لنفسه الذي يؤخر العصر
الى الاصفرار او يقول السابق المحسن
بالصدقة مع الزكوة، والمقتصد الذي
يؤدي الزكوة المفروضة فقط، والظالم
مانع الزكوة اهـ۔[1]

وعن الزركشي "ربما يحكى عنهم
عبارات مختلفة الالفاظ فيظن
من لا فهم عنده ان ذلك
اختلاف محقق فيحكيه اقوالاً، و
ليس كذلك بل يكون كل واحد
منهم ذكر معنى من الآية لكونه
اظهر عنده أو اليق بحال
السائل وقد يكون بعضهم يخبر عن
الشئ بلازمه ونظيره والآخر بمقصوده

واجبات کی تعمیل اور محرمات کو ترک کرنے والے
کو شامل ہے اور سابق میں وہ داخل ہے جو
سبقت کرے تو واجبات کے ساتھ حسنات سے
اللہ کی قربت حاصل کرے تو مقتصد لوگ داہنے ہاتھ
والے ہیں اور سابق سابق ہیں وہی اللہ کے مقرب
ہیں پھر ان میں سے ہر عالم اس مثال کو انواع
عبادات میں سے کسی قسم میں ذکر کرتا ہے جیسے کسی نے
کہا، سابق وہ ہے جو اول وقت میں نماز پڑھے
اور مقتصد وہ ہے جو درمیان وقت میں پڑھے اور
ظالم وہ ہے جو عصر کو سورج زرد ہونے تک مؤخر
کردے۔ اور کوئی کہے، سابق وہ ہے جو صدقہ نفل
زکوٰۃ کے ساتھ دے کر نیکی کرے، اور مقتصد وہ ہے
جو صرف زکوٰۃ فرض دے، اور ظالم وہ ہے جو
زکوٰۃ نہ دے اھ۔

اور سیوطی نے زرکشی سے نقل کیا بسا
اوقات علمائے مختلف عبارتیں منقول ہوتی ہیں جو
فہم نہیں رکھتا یہ گمان کرتا ہے کہ یہ اختلاف حقیقی
ہے تو وہ اس کو کئی قول بنا کر حکایت کرتا ہے
حالانکہ بات یوں نہیں، بلکہ ہوتا یہ ہے کہ ہر عالم
آیت کا ایک معنیٰ ذکر کرتا ہے اس لئے کہ وہ اس
کے نزدیک ظاہر تر یا حال سائل کے زیادہ
شایاں ہوتا ہے اور کبھی کوئی عالم شے کا لازم یا
اس کی نظیر بتاتا ہے اور دوسرا اس کا مقصود

---

[1] الاتقان في علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الكتاب العربي بيروت ۴۳۸/۲

وثمرته والكل يؤول الى معنى واحد غالبا الخ[1].

وعن البغوى والكواشى وغيرهما التاويل صرف الأية الى معنى موافق لما قبلها وبعدها تحتمله الأية غير مخالف للكتاب والسنة من طريق الاستنباط غير محظور على العلماء بالتفسير كقوله تعالىٰ "انفروا خفافا وثقالا" قيل شبابا وشيوخا، وقيل اغنياء وفقراء، وقيل عزابا ومتأهلين، وقيل نشاطا وغير نشاط، وقيل اصحاء ومرضى. وكل ذلك سائغ والأية تحتمله الخ[2]، وهذا فصل عميق بعيد لو فصلنا فيه الكلام خرج بناء عما نحن بصدده من المراد، وفيما اوردناه كفاية لأولى الاحلام لاسيما من له اجالة نظر فى كلمات المفسرين وتمسكات العلماء بالقرأن المبين.

وثمرہ بتاتا ہے اور اکثر سب کا بیان ایک ہی معنی کی طرف لوٹتا ہے الخ۔

اور سیوطی علیہ الرحمۃ نے بغوی و کواشی وغیرہما سے نقل کیا کہ انھوں نے فرمایا کہ تاویل براہ استنباط آیت کو ایسے معنی کی طرف پھیرنا ہے جو اس کی اگلی اور پچھلی آیت کے موافق ہو، اور آیت اس کا احتمال رکھتی ہو، اور وہ معنی کتاب وسنت کے مخالف نہ ہو، ایسی تاویل ان لوگوں کو منع نہیں جنھیں تفسیر کا علم ہے، جیسے اللہ تعالٰی کے قول "انفروا خفافا وثقالا" (یعنی کوچ کرو ہلکی جان سے چاہے بھاری دل سے) میں کسی نے کہا: بوڑھے اور جوان۔ اور کسی نے کہا: غنی وفقیر۔ اور کسی کا قول ہے، شادی شدہ اور مجرد۔ اور کسی کا قول ہے، چست وسست۔ اور کسی نے کہا: صحت مند وبیمار (یعنی یہ سب کوچ کریں) اور یہ تمام وجوہ بنتی ہیں اور آیت سب کی محتمل ہے اور یہ فصل وسیع وعریض ہے اگر ہم اس میں مفصل کلام کریں تو وہ کلام ہمیں ہمارے اس مقصود سے باہر کر دے گا جس کے ہم درپے ہیں اور جو ہم نے ذکر کیا اس میں سمجھ والوں اور ان کے لئے جن کی نظر کلمات مفسرین اور علماء کے قرآن سے تمسکات میں رواں ہے کفایت ہے۔

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/۴۴۴

[2] " " " " " " " " ۲/۴۴۸

المقدمة الرابعة هذا

التاويل الذى فتحنا ابواب الكلام على
ايهانه اعنى تفسير الاتقى بالتقى
انما هو مروى عن ابى عبيدة كما صرح
به العلامة النسفى رحمة الله تعالى
فى مدارك التنزيل[1] وحقائق التاويل
وابوعبيدة هذا رجل نحوى لغوى من
الطبقة السابعة اسمه معمر بن المثنى كان
يرى رأى الخوارج وكان سليط اللسان
وقاعاً فى العلماء وتلميذه ابوعبيد القاسم
بن سلام احسن منه حالاً وابصر منه بالحديث
انبأنا مفتى مكة سيدى عبدالرحمٰن عن جمال
بن عمر عن الشيخ محمد عابد بن احمد على عن الفلانى
عن ابن السنة عن المولى الشريف عن محمد
ابن اركماش الحنفى عن حافظ ابن حجر
العسقلانى قال فى التقريب
معمر بن المثنى ابوعبيدة
التيمى مولاهم البصرى
النحوى اللغوى صدوق اخبارى
قد رمى برأى الخوارج من السابعة
مات سنة ثمان ومائتين
وقيل بعد ذلك وقد قارب
المائة[2] انتهى۔

چوتھا مقدمہ

یہ تاویل جس کے ضعف
بتانے کے لئے ہم نے کلام کے دروازے کھولے
(یعنی اتقی کی تفسیر تقی سے کرنا) یہ صرف ابوعبید
سے منقول ہے۔ چنانچہ اس کی تصریح علامہ نسفی
نے مدارک التنزیل میں کی ہے[1] اور یہ ابوعبیدہ
ایک آدمی ہے نحو ولغت کا عالم، جو ساتویں طبقہ
پر ایک فرد ہے، اس کا نام معمر بن المثنٰی ہے،
خارجیوں کا عقیدہ رکھتا تھا، اور یہ بدزبان علماء
کا بدگو تھا، اور اس کے شاگرد ابوعبید قاسم بن
سلام کا حال اس سے اچھا تھا اور انھیں حدیث
میں اس سے زیادہ بصیرت تھی۔ مجھے مفتی مکہ
سیدی عبدالرحمٰن جمال بن عمر نے خبر دی انھوں نے
شیخ محمد عابد بن احمد علی عن الفلانی سے روایت کی
انھوں نے ابن السنۃ سے انھوں نے مولی
شریف سے انھوں نے محمد بن ارکماش حنفی سے
انھوں نے حافظ ابن حجر عسقلانی سے روایت
کی کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تقریب میں فرمایا
معمر بن مثنی ابوعبیدہ تیمی بنو تیم کا آزاد کردہ،
بصری نحوی لغوی سچا ہے تاریخ کا راوی ہے[2]
اور خوارج کے مذہب سے متہم کیا گیا، طبقہ
ہفتم کے علماء سے ہے ۲۰۸ھ میں انتقال
ہوا، اور بعض کا قول ہے کہ اس کے بعد
وفات ہوئی اور عمر تقریباً سو سال ہوئی انتہی۔

---

[1] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) تحت الآیۃ ۹۲/۱۷ دار الکتاب العربی بیروت ۴/۳۶۳
[2] تقریب التہذیب ترجمہ ۶۸۳۶ معمر بن المثنی دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/۲۰۳

وقد قال ابن خلكان كما
نقل الفاضل عبد الحی فی مقدمة الهداية عـه
ابو عبيد بغير تاء مذكور فی باب الجنايات
من كتاب الحج اسمه القاسم بن سلام
ذا باع طويل فی فنون الأدب والفقه ،
قال القاضی احمد بن كامل كان
ابو عبيد فاضلاً فی دينه متفننا فی
اصناف العلوم من القراءات والفقه
والعربية والأخبار حسن الرواية صحيح
النقل روی عن ابی زيد والاصمعی وابی
عبيدة وابن الأعرابی والكسائی والفراء
وغيرهم وروی الناس من كتبه المصنفة
بضعة وعشرين فی الحديث والقراءات و
الامثال ومعانی الشعر وغريب الحديث وغير
ذلك ويقال انه اول من صنف فی
غريب الحديث ، وقال الهلال منّ الله
تعالیٰ علیٰ هذه الامة باربعة فی زمانهم
بالشافعی فی فقه الحديث
وباحمد بن حنبل فی المحنة
ولولاه لكفر الناس وبيحيی
بن معين فی ذب
الكذب عن الاحاديث
وبابی عبيد القاسم بن

اور ابن خلکان نے کہا جیسا کہ فاضل
عبدالحی نے مقدمہ ہدایہ میں کہا، ابو عبید بغیر تار
کتاب الحج کے باب الجنایات میں مذکور ہوا ان
کا نام قاسم بن سلام ہے ادب کے
فنون و فقہ میں بڑی دسترس رکھتے تھے ۔
قاضی احمد بن کامل نے فرمایا: ابو عبید اپنے
دین میں فاضل مختلف علوم قرارت و فقہ و
عربیت و تاریخ کے ماہر تھے ان کی روایت
حسن ہے اور نقل صحیح ہے انھوں نے ابو زید
واصمعی و ابو عبیدہ و ابن الاعرابی و کسائی و
فرار وغیرہم سے روایت کی اور لوگوں نے ان
کی تصنیفات سے حدیث و قرارت و امثال
و معنی شعر و احادیث غریبہ وغیرہا میں تیئیس ۲۳
سے انتیس ۲۹ تک کتابوں کو روایت کیا ، اور
کہتے ہیں قاسم بن سلام نے سب سے پہلے غریب
الحدیث میں تالیف فرمائی ۔ اور ہلال نے فرمایا
اللہ تعالیٰ نے اس امت پر اپنے زمانہ
میں چار شخصوں سے منت رکھی ، شافعی سے
فقہ حدیث میں اور احمد بن حنبل سے ان کی
آزمائش کے سبب (یعنی وہ آزمائش جس
میں حضرت امام احمد بن حنبل زمانہ مامون
میں مخالفت عقیدہ خلق قرآن کے سبب مبتلا
ہوئے) اور اگر امام احمد نہ ہوتے تو لوگ

عـه فی الاصل بياض وعبارة المقدمة منقولة من المترجم ۱۲ النعمانی

سلام فی غریب الحدیث و کانت وفاته بمکة و قیل بالمدینة سنة اثنتین او ثلث وعشرین و مائتین و قال البخاری سنة اربع وعشرین. ویوجد فی بعض نسخ الهدایة فی الموضع المذکور ابوعبیدة بالتاء واسمه معمر بن المثنیٰ وقد ذکرنا ترجمته فی الاصل وقال العینی فی شرحه ابوعبید اسمه معمر بن المثنی التیمی، وفی بعض النسخ ابوعبیدة بالتاء واسمه القاسم بن سلام البغدادی، والأول اصح انتهی، وهذا مخالف لما فی تاریخ ابن خلکان وغیره من التواریخ المعتمدة من ان اباعبید بغیر التاء کنیة القاسم وبالتاء کنیة معمر[1] واللہ اعلم

واما قدماء العلماء ککنیف ملئ علما حامل تاج المسلمین نعال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم سیدنا عبد اللہ بن مسعود وحبرا لامة سلطان المفسرین عبد اللہ بن عباس وعروة بن زبیر وشقیقه عبد اللہ وافضل التابعین سعید

کافر ہو جاتے۔ اور یحیٰی بن معین سے یوں منت رکھی کہ انھوں نے احادیث سے دروغ کو الگ کر دیا اور ابوعبید بن قاسم بن سلام سے غریب احادیث کو جمع کرنے میں، ان کی وفات مکہ میں ہوئی، اور ایک قول پر مدینہ میں ۲۲۳ھ یا ۲۲۲ھ میں ہوئی اور بخاری نے سن وفات ۲۲۴ھ میں فرمایا، اور ہدایہ کے بعض نسخوں میں یوں ہے موضع مذکور میں ابوعبیدة بالتاء اور ان کا نام معمر بن مثنیٰ ہے اور ہم نے اس کے حالات اصل میں ذکر کئے اور عینی نے شرح ہدایہ میں فرمایا ابوعبید معمر بن مثنیٰ بن تیمی ہے۔ اور بعض نسخوں میں ابوعبیدة بالتاء ہے اور ان کا نام قاسم بن سلام بغدادی ہے۔ اور پہلا قول اصح ہے۔ اور یہ بات اس کے مخالف ہے جو تاریخ خلکان وغیرہ تواریخ معتمدہ میں ہے کہ عبید بغیر تاء قاسم کی کنیت ہے اور تاء کے ساتھ معمر کی کنیت ہے۔

رہے علمائے متقدمین جیسے علم سے بھرے ہوئے ظرف حامل تاج مسلمانان نعش پائے رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سیدنا عبد اللہ بن مسعود اور عالم امت سلطان المفسرین عبد اللہ بن عباس اور عروہ بن زبیر اور ان کے سگے بھائی عبد اللہ اور افضل التابعین سعید بن المسیب رضی اللہ عنہم

---

[1] مذیلة الدرایة لمقدمة الهدایة لعبد الحی مع الهدایة المکتبة العربیة کراچی ص ۴

بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین فقد
روینا لك ما قالوا فی الآیة۔

المقدمة الخامسة لعلك یا
من یفضل علیا علی الشیخین رضی اللہ
تعالیٰ عنہم اجمعین تفرح وتمرح ان
هؤلاء المفسرین انما عدلوا عن الاتقی
الی التقی کیلا یلزم تفضیل الصدیق رضی
اللہ تعالیٰ عنہ علی من عداہ وحاشاهم
عن ذلك الاتری انهم کما فسروا
الاتقی بالتقی کذلك اولوا الاشقی
بالشقی فاین هذا من قصدك الذمیم
الذی ترید لاجله تغییر
القرآن العظیم وانما الباعث لهم علی
ذالك ما ذکرہ ابوعبیدة بنفسه۔

انبأنا سراج العلماء عن المفتی
ابن عمر عن عابد سندی عن
یوسف المزجاجی عن ابیه محمد
بن العلاء عن حسن العجیمی عن
خیر الدین الرملی عن العلامة
احمد بن امین الدین بن عبد العال
عن ابیه عن جدہ عن
العز عبد الرحیم بن
الفرات عن ضیاء الدین
محمد بن محمد الصنعانی عن
قوام الدین مسعود بن ابراهیم الکرمانی عن

توہم آیت کریمہ کی تفسیر میں ان کے اقوال تمہارے
لئے روایت کرچکے۔

پانچواں مقدمہ اے تفضیلیہ شاید
تو خوش ہو اور فخر کرے کہ یہ مفسرین اتقی سے
تقی کی طرف اسی لئے پھرے کہ صدیق رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کی فضیلت ان کے ماسوا دوسرے
صحابہ پر لازم نہ آئے اور وہ اس خیال سے
بری ہیں۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ انھوں نے جس
طرح اتقی کی تفسیر تقی سے کی یونہی اشقی کی
تاویل شقی سے کی تو مفسرین کی اس روش کو
تیرے اس بد ارادے سے کیا علاقہ ہے جس
کے لئے تو قرآن عظیم کو بدلنا چاہتا ہے، ان
کے لئے اس تفسیر پر ابوعبیدہ کا قول مذکور
باعث ہوا۔

ہمیں سراج العلماء نے خبر دی مفتی ابن عمر
سے انھوں نے روایت کی عابد سندی سے
انھوں نے یوسف مزجاجی سے روایت کی
انھوں نے اپنے باپ محمد بن علاء سے انھوں
نے حسن العجیمی سے روایت کی
انھوں نے خیر الدین رملی سے انھوں نے علامہ احمد
بن امین الدین بن عبد العال سے انھوں نے
اپنے باپ سے پھر اپنے دادا سے انھوں نے
عز عبد الرحیم بن فرات سے انھوں نے ضیاء الدین
محمد بن محمد صنعانی سے انھوں نے قوام الدین
مسعود بن ابراہیم کرمانی سے انھوں نے موسٰی

المولیٰ حافظ الدین ابی البرکات محمود النسفی قال فی مدارك التنزیل "قال ابوعبیدۃ الاشقی بمعنی الشقی وھو الکافر، والاتقی بمعنی التقی وھو المؤمن لانہ لا یختص بالصلی اشقی الاشقیاء ولا بالنجاۃ اتقی الاتقیاء وان زعمت انہ تعالٰی نکر النار فاراد نارًا مخصوصۃ بالاشقی، فما تصنع لقولہ وسیجنبھا الاتقی الذی لأن التقی یجنب تلك النار المخصوصۃ لا الاتقی منھم خاصۃ[1] انتھی۔"

حافظ الدین ابوالبرکات محمود نسفی سے روایت کیا کہ (علامہ نسفی نے) مدارک التنزیل میں فرمایا ابوعبیدہ نے کہا اشقی بمعنی شقی کے ہے اور وہ کافر ہے، اور اتقی تقی کے معنی میں ہے اور اس سے مراد مومن ہے، اس لئے کہ آگ میں جانا سب اشقیائے سے بڑھ کر شقی کی خصوصیت نہیں ہے اور نجات پانا سب پرہیزگاروں سے افضل کے لئے مخصوص نہیں ہے اور اگر تم کہو کہ اللہ تعالٰی نے نار کو نکرہ فرمایا (اور نکرہ جب محلِ اثبات میں ہو تو اس سے مراد فردِ مخصوص ہوتا ہے) تو اللہ تعالٰی کی مراد ایک مخصوص نار ہے تو تم (یعنی اس سے بہت دور رکھا جائے گا سب سے بڑا پرہیزگار) کے ساتھ کیا کروگے اس لئے کہ ہر متقی اس نار مخصوص سے دُور رکھا جائے گا نہ کہ خاص کر سب سے بڑا متقی۔

وتلخیص المقام ان قولہ سبحٰنہ وتعالٰی "فانذرتکم نارا تلظی لایصلٰھا الا الاشقی الذی کذب وتولی"[2] لایمکن اجراءہ علی ظاھرہ لانہ یقتضی قصر دخول النار علی اشقی الاشقیاء من الکفار فیلزم ان

مقامِ تلخیص یہ ہے کہ اللہ سبحٰنہ وتعالٰی کے قول فانذرتکم نارا تلظی لایصلٰھا الا الاشقی الذی کذب و تولی (تو میں تمہیں ڈراتا ہوں اس آگ سے جو بھڑک رہی ہے نہ جائے گا اس میں مگر بڑا بدبخت جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا) کو اس کے ظاہری معنی پر جاری رکھنا ممکن نہیں اس لئے

---

[1] مدارک التنزیل (تفسیر المدارک) تحت الآیۃ ۹۲/ ۱۷ دارالکتاب العربی بیروت ۴/ ۳۶۳

[2] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۴ تا ۱۶

لا یدخلہا احد غیرہ کالفجار والکافرین القاصرین عنہ فی الشقاء والاستکبار و ھٰذا باطل قطعاً فاختار الواحدی و الرازی و القاضی و المحلی و ابوالسعود و اٰخرون ما ملحظہ أن لیس المراد بالاشقی رجل مخصوص یکون أشقی الاشقیاء بل المعنی من کان بالغًا[عہ] فی الشقاء

کہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ دوزخ میں وہی جائے جو کافروں میں سب بدنصیبوں سے بڑا بدنصیب ہو تو لازم آئے گا کہ وہ فجار و کفار جو بدنصیبی اور گھمنڈ میں اس سے کم رتبے کے بدنصیب ہوں دوزخ میں نہ جائیں، اور یہ قطعاً باطل ہے، لہذا واحدی و رازی و قاضی و محلی و ابوالسعود اور دیگر مفسرین نے یہ اختیار کیا جن میں یہ لحاظ ہے کہ اشقی سے مراد کوئی خاص نہیں جو سب سے بڑا اشقی ہو بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو شقاوت میں حد کو پہنچا ہوا ہو اور

عہ قولہ بالغا فی الشقاء الخ انت خبیر بانا قررنا کلامھم بحیث یندفع عنہ یراد قوی کان یتخالج فی صدری تقریر الایراد ان المؤمن الفاجر لہ قسط من الشقاوۃ کما ان لہ قسطا عظیما من السعادۃ، ولیس ان الشقاء یختص بالکفرۃ، ألا تری أن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سمی الخبیث الشقی عبدالرحمٰن بن ملجم الذی قتل السید الکریم المرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ وخضب لحیۃ الکریمۃ بدم راسہ الاقدس اشقی الاٰخرین کما ورد بطریق عدیدۃ عن سیدنا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ، وانما کان ھٰذاک

(قولہ بدبختی میں حد کو پہنچا ہو الخ) تم خبردار ہو کہ ہم نے ان علماء کے کلام کی تقریر اس طور پر کی جس سے وہ قوی اعتراض جو میرے سینے میں متردد تھا دفع ہو جائے۔ اس اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ مومن فاجر کے لئے بدبختی سے ایک حصہ ہے جیسا کہ اس کے لئے سعادت سے عظیم بہرہ ہے اور ایسا نہیں کہ بدبختی کافروں کیلئے خاص ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس خبیث شقی عبدالرحمٰن بن ملجم کو جس نے سید کریم مرتضٰی (علی) رضی اللہ تعالٰی عنہ کو شہید کیا اور ان کی ریش مبارک کو اُن کے سر اقدس کے خون سے رنگین کیا پچھلوں کا سب سے بڑا بدبخت فرمایا جیسا کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے متعدد سندوں سے روایت ہے اور یہ خبیث

(باقی برصفحہ آئندہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الخبیث رجلاً من الخوارج واذا کان الامرھٰکذا فما لھٰؤلاء اولوا الاشقی بالشقی ثم خصوہ بالکافر حتی عاد الاعتراض بخروج الفجار مع ان بعضھم یدخل النار قطعا، فلو انھم اجروہ علی العموم لیسلموا من ذالک وتقریر الجواب انھم لما فطموا الافعل عن معناہ الحقیقی اعنی الزائد فی الاتصاف بالمبدء علی کل من عداہ کرھوا ان یذھبوا بہ مذھبا ابعد من حقیقتہ کل البعد، فارادوا بہ البالغ فی الشقاء المتناھی فیہ ابقاء لمعنی الزیادۃ المدلول علیھا بصیغۃ التفضیل، والوجہ فی ذٰلک ان ھناک ثلثۃ امور، الاول الاتصاف بالمبدء، وھو مفاد اسم الفاعل، والثانی الکثرۃ فیہ وھو مدلول صیغۃ المبالغۃ، والثالث الزیادۃ فیہ عن غیرہ و

تو خارجیوں میں کا ایک شخص تھا یعنی کافر نہ تھا بلکہ گمراہ تھا) اور جب بات ایسی ہے تو ان لوگوں کو کیا ہوا جنھوں نے اشقی کی تاویل شقی سے کی پھر اسے کافر کے لئے مخصوص کیا تو اعتراض لوٹا کہ فاجر مسلمان اس حکم سے نکل گئے حالانکہ بعض فاجر مسلمان یقیناً جہنم میں جائیں گے تو اگر اُنھوں نے حکم عام رکھا ہوتا تو اس اعتراض سے بچ جاتے، اور جواب کی تقریر یہ ہے کہ جب اُنھوں نے افعل (اسم تفضیل) کو اس کے حقیقی معنی سے مجرد کیا یعنی جو مصدر سے متصف ہونے میں اپنے ہر ماسوا سے زائد ہو تو انھیں یہ پسند نہ ہوا کہ اسم تفضیل کو ایسے مذہب پر لے جائیں جو اس کے حقیقی معنی سے بالکل دور ہو لہٰذا انھوں نے اشقی سے مراد لیا کہ بدبختی میں حد کو پہنچا ہو تاکہ زیادتی کا مفہوم جس پر صیغۂ افعل تفضیل دلالت کرتا ہو باقی رکھیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس جگہ تین امور ہیں، پہلا مصدر سے موصوف ہونا اور یہ اسم فاعل کا مفاد ہے اور دوسرا امر اس وصف میں کثرت اور یہ مبالغہ کے صیغہ کا مفہوم ہے، اور تیسرا امر اس وصف میں دوسرے سے بڑھ جانا اور یہ وہ مفہوم ہے جس کے لئے اسم تفضیل

(باقی برصفحہ آئندہ)

أخوهم لانسلاخهم عن السعادة بالمرة، اما المؤمن الفاجر فان كان له وجه الى الشقاء الزائل فوجهه الآخر الى السعادة الابدية وهي الايمان، وهؤلاء القائلون لما رأوا مادة الايراد لم تنحسم اذ دخول بعض الفجار ايضا مقطوع فزعوا الى تاويل الصلى باللزوم، و زعم الواحدي انه معناه الحقيقي فقال كما نقل الرازي عنه[1] معنى "لا يصلاها" لا يلزمها في حقيقة اللغة. يقال صلى الكافر النار اذا لزمها مقاسيا شدتها و حرها وعندنا ان هذه الملازمة لا تثبت الا الكافر اما الفاسق فاما ان لا يدخلها او ان دخلها تخلص منها انتهى.

سعادت سے بالکل محروم ہیں۔ رہا مومنِ فاجر تو اس کا ایک پہلو شقاوتِ فانیہ کی طرف ہے تو دوسرا ابدی سعادت کی طرف ہے اور وہ سعادتِ ابدی ایمان ہے۔ اور ان لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ اعتراض کا مادہ بالکل ختم نہ ہوا اس لئے کہ بعض بدعمل مسلمانوں کا دوزخ میں جانا ہی قطعی امر ہے۔ لہذا یہ لوگ صلی کی تاویل لزوم سے کرنے کی طرف راغب ہوئے۔ واحدی نے کہا کہ لزوم اس کا حقیقی معنی ہے جیسا کہ امام رازی نے نقل کیا ہے کہ "لا یصلاھا" کا معنیٰ حقیقت لغت میں "لا یلزمھا" ہے۔ کہتے ہیں کہ صَلِیَ الکافرُ النارَ جب وہ اس حال میں آگ کو لازم پکڑے در انحالیکہ اس کی شدت و حرارت کو برداشت کرے اور ہماری رائے یہ ہے کہ یہ ملازمت فقط کافر کیلئے ثابت ہے رہا فاسق تو وہ یا تو اس میں داخل ہی نہ ہوگا یا داخل تو ہوگا مگر اس سے چھٹکارا پالے گا انتہیٰ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

هو الموضوع له اسم التفضيل فالثاني كالوسط بين الاول والثالث و العدول عن طرف الى طرف ابعد من الميل عن طرف الى الوسط فهذا الذي حملهم على ذلك فيما اظن والله تعالى اعلم منه عفا الله تعالى عنه امين.

کی وضع ہے تو دوسرا جیسے اول و سوئم کے درمیان ہے اور ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف پھرنا ایک کنارے سے درمیان کی طرف مائل ہونے سے زیادہ دور ہے تو میرے گمان میں یہی ان کو اس پر باعث ہوا، واللہ تعالیٰ اعلم منہ عفا اللہ تعالیٰ عنہ آمین!

---

[1] مفاتيح الغيب (التفسير الكبير) تحت الآية ۱۵/۹۲ و ۱۶ المطبعة البهية المصرية مصر ۳۱/۲۰۴

اقول وما احسن هذا تاويلا او اصفاه لولا ان يكدره ما ساذكره قريبًا فارتقب وركن الرازی الی وجه اٰخر من التاویل وهو ان يخص عموم هذا الظاهر بالاٰیات الدالة علی وعید الفساق[1]

میں کہتا ہوں کہ یہ تاویل کس قدر اچھی ہے اور یہ رنگ کتنا صاف تھا اگر اس کو اس بات نے مکدر نہ کیا ہوتا جو میں عنقریب ذکر کروں گا، تو انتظار کرو، اور رازی ایک دوسری تاویل کی طرف مائل ہوئے، اور وہ یہ کہ اس کے ظاہری معنی کا عموم ان آیات کے ساتھ خاص ہو جو فساق کی وعید پر دلالت کرتی ہو۔

اقول هذا جمع بین التاویل و التخصیص وهو مستغنی عنه اذ لو قیل بالتخصیص فکما دلت الاٰیات علی وعید الفساق کذلك دلت علی ایعاد سائر الکفار بدلالة اظهر واجلی. اللّٰهم الا ان یقال فیه تکثیر التخصیص جدًا والقصر علی فرد واحد اشد بعدًا عن هذا ولقد سلك

میں کہتا ہوں یہ تاویل و تخصیص کو یکجا کرنا ہے اور اس کی حاجت نہیں اس لئے کہ اگر تخصیص کا قول کیا گیا تو جس طرح آیات فساق کی وعید پر دلالت کرتی ہیں یونہی تمام کافروں کی وعید پر روشن اور صاف تر دلالت فرماتی ہیں۔ الٰہی! تو مدد فرما، مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس میں بہت زیادہ تخصیص لازم آئے گی، اور ایک فرد پر منحصر کر دینا بہت زیادہ مستبعد ہے یہ لو، اور

عــه اعلم ان العبد الضعیف لما فرغ من تحریر هذه المقدمات الخمس وبلغ الی اٰخر ما کتبنا فی جواب الشبهة الاولٰی استعار تفسیر فتح العزیز المتعلق بجزء عم یتساءلون من

تمہیں معلوم ہو کہ بندۂ ناتواں جب ان پانچ مقدمات کی تحریر سے فارغ ہوا اور پہلے شبہہ کے جواب میں جو ہم نے لکھا اس کے آخر تک پہنچا تو ایک دوست سے تفسیر فتح العزیز جو جزء عم یتساءلون سے متعلق ہے عاریت لی تو

(باقی برصفحۂ آئندہ)

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الاٰیة ۹۲/۱۶ ۱۵/۱۹۱ المطبعة البهیة المصریة مصر ۳/۲۰۴

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بعض الاصدقاء فطالعت فیہ من هذا المقام ورأیت المولی الفاضل استاذ استاذی عبد العزیز ذکر الدفع هذا الایراد اعنی نقض الحصر فی الکفار بدخول بعض الفجار النار بوجهین اٰخرین جیدین الاول ان المراد بالنار نار مخصوصة بالکفار والثانی ان دخول بعض المومنین لما کان تطهیرا وتادیبا کان کلا دخول وانما الدخول کل الدخول دخول لیس بعده خروج فالحصر بهذا المعنی وهو حق صحیح بلا امتراء انتهٰی

بالحاصل **اقول** ما انعمها من وجهین وادفعهما لکل شیئ لکنك یا عریف انت خبیر بانهما یجریان ایضا بعد شیئ من تغییر العبارة فیما اذا حملنا الاشقی علی معناہ الحقیقی کما ستسمع منا ان شاء اللہ تعالٰی فیالیت المولی الفاضل لما تنبہ علی هذین کما تنبهنا تجنب التاویل کما اجتنبنا اذ البدایة بتاویل الاشقی بالشقی ثم التحصن بهذین الحصنین المانعین

میں نے اس میں اس مقام کا مطالعہ کیا اور میں نے دیکھا کہ مولیٰ فاضل استاذ استاذی عبد العزیز نے اس اعتراض کے دفع کے لئے یعنی اس حصر کا کفار میں بعض فجار کے آتش جہنم میں داخل ہونے سے منقوض ہونا دو اور بہتر وجہیں ذکر کیں، پہلی یہ کہ نار سے مراد وہ نار ہے جو کافروں کے لئے مخصوص ہے۔ دوسری یہ کہ بعض مسلمانوں کا آگ میں جانا جبکہ ان کی تطہیر و تہذیب کے لئے ٹھہرا۔ تو یہ آگ میں جانا نہ جانے کے مثل ہے اور آگ میں بالکل جانا وہ جانا ہے جس کے بعد آگ سے نکلنا نہ ہوگا تو آیت کا حصر کفار میں اس معنی پر ہے اور بے شک حق و صواب ہے۔

الحاصل میں کہتا ہوں یہ دونوں وجہیں کس قدر اچھی ہیں اور ہر خرابی کی کیسی دافع ہیں، لیکن اے جاننے والے! تم خبردار کہ یہ دونوں وجہیں عبارت کی قدرے تغییر کے بعد اس صورت میں بھی جاری رہتی ہیں جب ہم اشقی کو اس کے معنی حقیقی پر رکھیں جیسا کہ تم ہم سے سنو گے ان شاء اللہ۔ تو کاش مولائے فاضل جب ہماری طرح ان دونوں وجہوں پر متنبہ ہوئے اسی طرح تاویل سے بچتے جیسے ہم بچے، اس لئے کہ پہلے اشقی کی تاویل شقی سے کرنا پھر ان دو محکم وجہوں جو اصل تاویل سے مانع ہیں سے تمسک

(باقی برصفحہ آئندہ)

اثرعنه الفخرالرازی فی مفاتیح الغیب[1] حاکیاً احاول ابقاء الاشقی علٰی معناہ الحقیقی اعنی من لایدانیہ احد فی الشقاء و ذکر لتصحیح الحصر وجہین یرتاح بہما اللبیب وینحسم کل شك مریب؛

الاول ان یکون المراد بقولہ تعالٰی "نارا تلظّٰی" نارا مخصوصۃ من النیران لانہا درکات بقولہ تعالٰی "ان المنٰفقین فی الدرک الاسفل من النار" فالاٰیۃ تدل علٰی ان تلك النار المخصوصۃ لایصلٰہا سوی ھٰذا الاشقی، ولا تدل علٰی أن الفاسق وغیر من ھذا اصفتہ من الکفار لایدخل سائر النیران[1] انتہٰی۔

اقول فکان کقولہ تعالٰی "ویتجنبہا الاشقی الذی یصلی النار الکبرٰی"[2] ای اعظم النیران جمیعًا علٰی احد وجوہ التاویلات

میں نقل کیا ہے ایک اچھا مسلک اختیار کیا اس لئے کہ انھوں نے اشقی کو اس کے حقیقی معنی پر باقی رکھنے کی کوشش کی اور حصر کی صحت کیلئے دو وجہیں ایسی ذکر کیں جن سے دانشمند چین پائے اور دھوکے میں ڈالنے والا ہر شک زائل ہوجائے؛

پہلی وجہ یہ کہ قول خدا تعالٰی "نارا تلظّٰی" سے دوزخ کی آتشوں سے ایک مخصوص آتش مراد ہو اس لئے کہ آگ کے مختلف طبقے ہیں کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ "بے شک منافق آگ کے سب سے نچلے طبقے میں ہیں"۔ اب آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ مخصوص آگ میں یہی اشقی جائے گا اور اس کا یہ معنی نہیں کہ اس بڑے بدنصیب کے سوا دوسرے کافر اور فاسق آگ کے باقی طبقوں میں نہ جائیں انتہٰی۔

میں کہتا ہوں اللہ تعالٰی کے فرمان "ویتجنبہا الاشقی الذی یصلی النار الکبرٰی" (دور رہے گا اس سے وہ بڑا بدنصیب جو بڑی آگ میں دھنسے گا) یعنی ایک تاویل پر سب سے بڑی آگ دلیل ہوگی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

عن اصل التاویل ممایفضی الی العجب فکان کمن تمنی غرضا ورمی غرضا فاخطأ بعد کاد ان یصیب، وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ أنیب ۱۲ منہ عفا اللہ تعالٰی عنہ اٰمین۔

ایسی چیز ہے جو تعجب کا سبب ہے تو یہ ایسا ہوا جیسے کوئی ایک نشانہ چاہے اور دوسرے کو مارے تو نشانے پر تیر پہنچنے کے قریب ہو کر چوک جائے، اور میری توفیق اللہ ہی سے ہے اس پر میں بھروسا کرتا ہوں اور اسی کی طرف جھکتا ہوں۔

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الاٰیۃ ۹۲/۱۴ و ۱۵ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۳۱/۲۰۴

[2] القرآن الکریم ۸۷/ ۱۱ و ۱۲

وردّه الرازی بان قوله تعالیٰ "نارًا تلظّٰی"[1] یحتمل ان یکون ذٰلک صفة لکل النیران وان یکون صفة لنار مخصوصة لکنه تعالیٰ وصف کل نار جهنم بهٰذا الوصف فی اٰیة اخریٰ فقال "انها لظٰی نزاعة للشوٰی"[2]۔

اقول یتراءٰی من هٰذه العبارة للایراد وجهتان:

الاولیٰ ان المورد کانه ظن ان القاضی الامام یدعی تخصیص النار بصفة التلظی کما یتخصص الغلام فی قولنا جاءنی غلام عاقل بصفة العقل ومن هٰذا الطریق یقول ان المراد نار مخصوصة اعظم النیران فالایراد ح ظاهر الورود اذ الاوصاف انما تخصص اذا کانت خصائص توجد فی فرد دون اُخر والتلظی لا یختص بنار دون نار الا تریٰ ان اللّٰه سبحٰنه وتعالیٰ وصف النار مطلقا بانها لظٰی نزاعة للشوٰی[2] ولکن لم یکن القاضی الامام

اور رازی نے اس قول کو یوں رد کیا کہ اللہ تعالیٰ کے قول نارًا تلظّٰی میں احتمال ہے کہ وہ سب آتشوں کی صفت ہو اور ممکن ہے کہ مخصوص آتش کی صفت ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جہنم کی سب آتشوں کا یہی وصف دوسری آیت میں فرمایا اُس کا ارشاد گرامی ہے "انہا لظٰی نزاعۃ للشوٰی" (وہ تو بھڑکتی آگ ہے کھال اتار لینے والی)

میں کہتا ہوں اس عبارت سے اعتراض کی دو جہتیں نظر آتی ہیں:

پہلی تو یہ ہے کہ گویا معترض نے یہ گمان کیا کہ قاضی امام ابوبکر آتشِ جہنم کے لپٹ مارنے کی صفت سے مخصوص ہونے کے مدعی ہیں اس طور پر جیسے غلام ہمارے قول جاءنی غلام عاقل میں صفتِ عقل سے مخصوص ہے ___ اور اس طریقے سے وہ فرماتے ہیں کہ مراد خاص آگ ہے جو سب سے بڑی آگ ہے، تو اعتراض کا ورود اس صورت میں ظاہر ہے اس لئے کہ اوصاف ذات کے ساتھ اسی وقت خاص ہوتے ہیں جبکہ وہ اس فرد کا خاصہ ہوں کہ دوسرے میں نہ پائے جائیں اور لپٹ مارنا ایسا نہیں کہ ایک آگ کی خاص صفت ہو دوسری کی نہ ہو، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ سبحٰنہ وتعالےٰ مطلقاً آتشِ جہنم کا وصف بیان فرماتا ہے، انہا لظٰی نزاعۃ للشوی (یعنی وہ تو

---

[1] القرآن الکریم ۷۰/ ۱۵و۱۶

[2] القرآن الکریم ۵۴/ ۵۵

ليريد هذا وانما ملحظه الى أن التنكير للتعظيم فقوله تعالى نارًا اى نارًا عظيما ليس كمثله نار كانه اشير بالتنكير الى انها بشهرة امرها وشيوع فزعها واخذ اهوالها بمجامع القلوب صارت بمثابة لاتسبق الأذهان الا اليها فاغنت شهرتها وانتشار ذكرها عن تعريف اسمها كما يفيد ذٰلك تنكير المليك فى قوله تعالٰى فى مقعد صدق عند مليك مقتدر[1] وتنكير الظلم فى قوله تعالٰى الذين اٰمنوا ولم يلبسوا ايمانهم بظلم[2] اى ظلم لاظلم كمثله وهو الشرك۔

بھڑکتی آگ ہے کھال اتار لینے والی)
لیکن حضرت قاضی امام یہ معنی مراد لینے والے نہیں ان کا اشارہ تو اس طرف ہے کہ نکرہ تعظیم کیلئے ہے تو اللہ تعالیٰ کے فرمان نارًا کا مطلب یہ ہے کہ وہ بڑی آگ ہے اس جیسی کوئی آگ نہیں گویا وہ اپنی حالت کی شہرت اور اس کی ہیبت کے عام چرچے اور اس کی ہولناکیوں کی پورے دلوں پر پکڑ کے سبب اس مقام پر ہے کہ ذہن اسی کی طرف سبقت کرتے ہیں تو اس کی شہرت اور اس کے عام ذکر نے اس سے بے نیاز کر دیا کہ اس کا نام لے کر اسے معین کیا جائے، جس طرح یہی فائدہ لفظ مليك اللہ تعالیٰ کے قول "فى مقعد صدق عند مليك مقتدر" (یعنی سچ کی مجلس میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے حضور) کا نکرہ ہونا دیتا ہے اور لفظ ظلم اللہ تعالیٰ کے قول "الذين اٰمنوا ولم يلبسوا ايمانهم بظلم" میں یہی فائدہ دیتا ہے یعنی ایسا ظلم کہ کوئی ظلم اس جیسا نہیں اور وہ ظلم شرک ہے۔

أنبأنا مولانا السيد حسين جمل الليل امام الشافعية بمكة المحمية عن خاتمة المحدثين محمد عابد السندى عن صالح الفلانى عن

ہمیں خبر دی مولانا سید حسین جمال اللیل نے جو مکہ میں امام شافعیہ ہیں وہ روایت کرتے ہیں خاتمۃ المحدثین محمد عابد سندی سے انھوں نے روایت کیا صالح فلانی سے انھوں نے روایت کی

---

[1] القرآن الکریم ۵۴/۵۵

[2] القرآن الکریم ۶/۸۲

محمد بن سنة عن احمد العجلی عن قطب الدین النھروالی عن ابی الفتوح عن یوسف الھروی عن محمد بن شاہ بخت عن ابی النعمان الختلانی عن الفربری عن محمد بن اسمعیل البخاری ثنا ابوعدی ثنا شعبۃ عن سلیمان عن ابراھیم عن علقمۃ عن عبد اللہ لما نزلت الذین اٰمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولٰئک لھم الامن وھم مھتدون[1]، قال اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اینا لم یظلم فنزلت ان الشرک لظلم عظیم۔

محمد بن سنّہ سے انھوں نے احمد عجلی سے انھوں نے قطب الدین نہروالی سے انھوں نے ابو الفتوح سے انھوں نے یوسف ہروی سے انھوں نے محمد بن شاہ بخت سے انھوں نے ابو النعمان ختلانی سے انھوں نے فربری سے انھوں نے محمد بن اسمٰعیل بخاری سے بخاری نے فرمایا ہم سے ابو عدی نے حدیث بیان کی انھوں نے کہا ہم سے شعبہ نے حدیث بیان کی انھوں نے سلیمان سے انھوں نے ابراہیم سے انھوں نے علقمہ سے علقمہ نے عبد اللہ بن مسعود سے روایت کی کہ جب یہ آیت کریمہ "الذین اٰمنوا ولم یلبسوا ایمانھم اولٰئک لھم الامن وھم مھتدون" (یعنی وہ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان میں کسی ناحق کی آمیزش نہ کی انھیں کے لئے امان ہے اور وہی راہ پر ہیں) نازل ہوئی، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے اصحاب بولے ہم میں کون ایسا ہے جس نے ظلم نہ کیا، اللہ تعالٰے نے آیہ کریمہ "ان الشرک لظلم عظیم" (بیشک شرک بڑا ظلم ہے۔ت) نازل فرمائی۔

انبانا شیخ العلماء مولانا السید زین دحلان المکی الشافعی عن العلامۃ عثمان بن حسن الدمیاطی

ہمیں شیخ العلماء مولانا سید احمد زینی دحلان مکی شافعی نے خبر دی انھوں نے علامہ عثمان بن حسن دمیاطی شافعی ازہری سے انھوں نے امیر کبیر

---

[1] صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ الانعام باب قولہ تعالٰی ولم یلبسوا ایمانھم بظلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۶۶
انوار التنزیل واسرار التاویل (تفسیر البیضاوی) ۲/ ۸۲ دار الفکر بیروت ۲/ ۴۲۵ و ۴۲۶

الشافعی الازھری عن الامیر الکبیر العلامۃ محمد المالکی الازھری والشیخ عبد اللہ الشرفائی الشافعی وسیدی محمد الشنوانی الشافعی واٰخرین باسانیدھم الی الامام مسلم بن الحجاج النیسابوری بسندہٖ الی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ قال فیہ قالوا اینا لایظلم نفسہ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لیس ھو کما تظنون انما ھو کما قال لقمان لابنہ "یابنی لاتشرک باللہ ان الشرک لظلم عظیم[1]" وھٰکذا اخرجہ الامام احمد والترمذی وقد اختار الرازی بنفسہ عین ھٰذا التوجیہ فی قولہ تعالٰی "ارایت الذی ینھٰی عبدًا اذا صلّٰی[2]" قال "التنکیر فی عبدًا یدل علی کونہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کاملًا فی العبودیۃ کانہ تعالٰی انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عبد لایفی العالم بشرح

علامہ محمد مالکی ازہری اور شیخ عبد اللہ شرفائی الشافعی اور سیدی محمد شنوانی شافعی اور دیگر علماء سے ان کی سندوں کے ساتھ جو امام مسلم بن حجاج نیشاپوری تک پہنچتی ہیں انھوں نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ تک اپنی سند سے روایت کیا کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا صحابہ نے عرض کی ہم میں کس نے ظلم نہ کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا وہ ظلم نہیں جو گمان کرتے ہو یہ تو اس طرح ہے جیسے لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا: اے بیٹے! اللہ کا کسی کو شریک نہ کرنا کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ اور مسلم کی حدیث کے مثل امام احمد و ترمذی نے بھی روایت کیا اور خود رازی نے توجیہ اللہ تعالٰی کے قول "ارایت الذی ینھٰی عبدًا اذا صلّٰی" (بھلا دیکھو تو جو منع کرتا ہے بندے کو جب وہ نماز پڑھے) میں اختیار کی انھوں نے فرمایا کہ عبدًا کا نکرہ ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ تمام جہان حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حقیقت کے بیان اور عبودیت میں ان کے اخلاص کی توصیف کا حق ادا نہیں

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب صدق الایمان واخلاصہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۷۷
جامع الترمذی ابواب التفسیر سورۃ الانعام امین کمپنی دہلی ۲/۱۳۲
مسند احمد بن حنبل عن ابن مسعود المکتب الاسلامی بیروت ۱/۴۲۴
[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۹۶/۹ و ۱۰ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۳۲/۲۲

بیانیہ وصفۃ اخلاصہ فی عبودیتہ انتہی۔[1]

والثانیۃ أن توصیفہ بالتلظی ینافی ھذا التخصیص لانہ وصف مطلق النار لا نار مخصوص۔ اقول ولیس بشیئ اذ لا یمتنع توصیف فرد عظیم من جنس بوصف عام نشترک فیہ الأفراد جمیعا و انما الممتنع عکسہ اعنی توصیف جمیع الافراد بما یختص بہ فرد خاص، الا ترٰی الٰی قولہ تعالٰی "ما محمد الا رسول"[2] مع انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعظم الرسل واکرمھم بالاطلاق، والرسالۃ وصف عام یشترک فیہ المرسلون جمیعا ولیس فی الاٰیۃ مایدل علی القصر ینافی العموم، علی ان التلظی مقول بالتشکیک فیجوز ان یراد ھنا تلظ خاص لیس کمثلہ تلظ کما قال اللہ سبحنہ وتعالٰی "یایھا الذین اٰمنوا علیکم انفسکم لایضرکم من ضل اذا اھتدیتم"[3] اطلق الضلال و

کرسکتا۔

دوسری یہ کہ آگ کو تلظّی (بھڑکنے) سے موصوف فرمانا اس تخصیص کے منافی ہے اس لئے کہ بھڑکنا مطلقاً ہر آگ کی صفت ہے نہ کہ کسی خاص آگ کی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ اعتراض کوئی چیز نہیں اس لئے کہ کسی جنس کے عظیم فرد کو ایسے عام وصف سے جس میں سارے افراد شریک موصوف کرنا ممتنع نہیں، ممتنع تو اسکا عکس ہے یعنی تمام افراد کو ایسی صفت سے موصوف کیا جائے جو کسی خاص فرد کی صفت ہو کیا تم نہیں دیکھتے اللہ تعالٰی کے اس قول کی طرف "اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک رسول ہیں" حالانکہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سب رسولوں سے مطلقاً افضل و اعلٰی ہیں اور رسالت ایک وصف عام ہے جس میں سب رسول شریک ہیں، اور آیت میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو حصر پر دلالت کرتا ہو کہ عموم کے منافی ہو، مزید برآں تلظی (بھڑکنا) کلی مشکک ہے لہذا جائز ہے کہ اس جگہ خاص تلظی (بھڑکنا) مراد ہو جس کے مثل کوئی تلظی نہ ہو، جیسے اللہ سبحنہ وتعالٰی نے فرمایا: "اے ایمان والو! تم اپنی فکر رکھو تمہارا کچھ نہ بگاڑے گا وہ جو گمراہ ہوا جب کہ تم راہ پر ہو"

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیہ ۹۲/۱۰۹ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۳۲/۲

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۴۴

[3] " " ۵/ ۱۰۵

اراد الضلال البعید وهو الکفر۔

ضلال بولا اور ضلال بعید مراد لیا اور وہ کفر ہے۔

اخرج الامام احمد والطبرانی وغیرهما عن ابی عامر الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنه قال سألت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم عن هٰذه الاٰیة فقال لایضرکم من ضل من الکفار اذا اهتدیتم[1]۔

امام احمد وطبرانی وغیرہما نے ابو عامر اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی انھوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے دریافت کیا اس آیت کے بارے میں تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا کچھ نہ بگاڑے گا وہ جو گمراہ ہوا (یعنی کافر لوگ) جبکہ تم راہ پر ہو۔

والعجب ان الرازی جنح بنفسه الٰی نحو من هذا فی قوله تعالٰی "نار حامیة"۔ قال والمعنی ان سائر النیران بالنسبة الیها کانها لیست حامیة وهذا القدر کاف فی التنبیه علٰی قوة سخونتها نعوذ باللہ منها الخ[2] فما للشعیر یؤکل ویذم۔

اور تعجب تو یہ ہے کہ فخر رازی خود اس کے قریب توجیہ کی طرف مائل ہوئے اللہ تعالٰی کے قول نار حامیة کی تفسیر میں انھوں نے فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ ہر آگ جہنم کی آگ کے مقابل گویا گرم ہی نہیں اور اتنی بات آتش جہنم کی سخت گرمی پر متنبہ فرمانے کو کافی ہے ہم اللہ کی اس سے پناہ مانگتے ہیں جَو کھایا جائے اور بُرا بھی کہا جائے۔

اقول لك ان تقول ان لظی من المجرد وتلظی من المزید وزیادة اللفظ تدل علی زیادة المعنی کما قالوا فی الرحمٰن والرحیم وغیر ذٰلك مع فیه من التشدید

میں کہتا ہوں اور تمھیں پہنچتا ہے کہ تم کہو کہ لظی مجرد کے قبیل سے ہے اور تلظی مزید کے قبیل سے ہے اور لفظ کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے، جیسا کہ رحمٰن ورحیم وغیرہ میں علماء نے فرمایا اس کے ساتھ تلظی

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث ابی عامر الاشعری المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۲۹ و ۲۰۱
مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی کتاب التفسیر سورۃ المائدۃ دارالکتاب " ۷/ ۱۹

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیة ۱۰۱/ ۱۱ المطبعة البهیة المصریة مصر ۳۲/ ۷۴

لفظا المنبئی عن الشدة معنی کما فی قتل وقتّل وقاتل وقتّال مع أن باب الادعاء واسع وقصرالوصف علی اعظم من یوصف شائع قال تعالٰی فی المهاجرین "اُولٰئك هم الصادقون[1]" ویمکن أن تجعل من هذا القبیل امثال قوله تعالٰی انه هوالسمیع العلیم[2]، و قد حققنا المسألة فی خاتمة رسالتنا سلطنة المصطفٰی صلی الله تعالٰی علیه وسلم بمالامزید علیه هذا وکان قلب ابی عبیدة رکن الی هذا الوجه الذی ذکر القاضی الامام شیئا قلیلا ثم بدا له ما بدا فانحجم کما حکینا لك کلامه ستسمع مناجوابه ان شاء الله تعالٰی۔

الثانی من وجهی القاضی ان المراد بقوله تعالٰی نارًا تلظی النیران اجمع، ویکون المراد بقوله تعالٰی لایصلٰها الا الاشقی ای هذا الاشقی به احق، وثبوت هذه الزیادة فی الاستحقاق

میں لفظی شدت ہے جو معنوی شدت کی خبر دیتی ہے جیسے لفظ قتل اور قتّل اور قاتل وقتّال میں، اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ ادعاء کا باب واسع ہے اور صفت کو سب موصوفین سے بڑے موصوف پر مقصور رکھنا عرف شائع ہے۔ اللہ تعالٰی کا مہاجرین کے بارے میں ارشاد ہے اولٰئك هم الصادقون (یہی لوگ سچے ہیں) اور ممکن کہ تم اللہ تعالٰی کے قول (بیشک وہی ہے سُنتا جانتا ہے) کو اس قبیل سے قرار دو، اور ہم نے اس مسئلہ کی تحقیق اپنے رسالہ سلطنۃ المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خاتمہ میں ایسے کلام سے جس میں زیادتی نہیں ہوسکتی کی ہے اور اس توجیہ کی طرف جو قاضی امام نے بیان فرمائی ابوعبیدہ کا دل کچھ مائل ہوا تھا پھر اس کو سوجھی جو سوجھی تو وہ اس سے منحرف ہوگیا جیسا کہ ہم تم سے اس کا کلام ذکر کرچکے اور عنقریب تم ہم سے اس کا جواب سنو گے ان شاء اللہ تعالٰی۔

قاضی کی ارشاد فرمودہ دو وجہوں میں سے دوسری یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے قول نارًا تلظی سے مراد تمام آتشیں ہیں، اور اللہ تعالٰی کے قول لایصلٰها الا الاشقی (اس میں نہ جائے گا مگر وہ سب سے بڑا بدبخت) سے مراد یہ ہے کہ یہ سب سے بڑا بدبخت ان تمام آزمائشوں کے

---

[1] القرآن الکریم ۵۹/۸
[2] " " ۴۱/۳۶

غیر حاصل الا لهذا الاشقى[1] انتهى.
والى نحو من هذا یمیل ما جزم
به الزمخشری فی الکشاف
مقتصرا علیه نقله الامام النسفی
رامزا الیه من ان "الآیة واردة
فی الموازنة بین حالتی عظیم
من المشرکین وعظیم من المؤمنین
فاراد ان یبالغ فی صفتیهما
المتناقضتین، فقیل الاشقی وجعل
مختصا بالصلی کان النار
لم تخلق الا له، وقیل الاتقی وجعل
مختصا بالنجاة کان الجنة لم
تخلق الا له[2] انتهى.

اقول وهذا هو الحصر الادعائی
الذی وصفنا لك ولا شك
انه دائر سائر بین البلغاء یشهد
بهذا من تتبع دواوین العرب
وکلامهم فی المدح والهجاء، ومعلوم
ان الزمخشری له ید طولی وکعب علیا
فی فنون الادب وصنائع الادباء فقول
الرازی انه ترك الظاهر
من غیر دلیل[3] انتهى غیر مستحسن

سب سے زیادہ سزاوار ہے اور استحقاق کی زیادتی اسی
سب سے بڑے بدبخت کو حاصل ہے انتہی۔ اور اس سے
قریب توجیہ کی طرف وہ توجیہ مائل ہے جس پر زمخشری
نے جزم کیا کشاف میں اس پر اکتفا کرتے ہوئے اور
زمخشری کی وہ توجیہ امام نسفی نے اس کی طرف اشارہ
فرماتے ہوئے نقل فرمائی وہ توجیہ یہ ہے کہ یہ آیت
مشرکین کے ایک عظیم اور مومنین کے ایک عظیم کے
دو متناقض صفتوں میں مبالغہ فرمایا جائے تو[2]
اشقی فرمایا گیا اور اسے آتش جہنم میں جانے کیلئے
مخصوص ٹھہرایا گیا گویا جہنم کی آگ اسی کے لئے
پیدا ہوئی ہے اور اتقی فرمایا گیا اور نجات کے لئے
مخصوص فرمایا گیا گویا جنت اسی کے لئے بنی
ہے انتہی۔

میں کہتا ہوں یہی وہ حصر ادعائی ہے جس کا
بیان ہم نے تم سے کیا اور کوئی شک نہیں کہ یہ
بلغاء میں دائر و سائر ہے اس کی گواہی عرب
کے دیوانوں کو اور مدح و ہجو میں ان کے کلام
کو خوب مطالعہ کرنے والا دے گا، اور یہ معلوم
ہے کہ زمخشری کو فنون ادب اور ادیبوں کی صنعتوں
میں بڑی دسترس ہے اور اونچا درجہ حاصل ہے
تو فخر رازی کا زمخشری پر یہ اعتراض کہ اس کی یہ
توجیہ ظاہر کو بے دلیل چھوڑنا ہے انتہی خوب نہیں

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۹۲/ ۱۵ و ۱۶ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۳۱/ ۲۰۴
[2] مدارک التنزیل " " ۹۲/ ۱۷ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۳۶۳
[3] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) " " " المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۳۱/ ۲۰۴

وای شئ اکبر دلالة من
الاحتیاج الی تصحیح الکلام ولیس
تاویل الأشقی بالشقی اقرب الی
الظاهر من هذا الحصر مع شیوعه و
کثرة وقوعه نظماً ونثراً وتصحیح الکلام
قرینة کافیة فی امثال هذا المقام
الاتری إنك اذا سمعت رجلا یقول
زید هو الکریم علمت اول وهلة
من دون تأمل ولا مهلة ان
مراده ان لیس کریم مثله لا أن لاکریم
مثله وهذا ظاهر جدا، هذا اما یتعلق
بحکم الاشقی، ولا شك أن الکلام ههنا
محتاج بظاهرہ الی تاویل او توجیه لکن
ابا عبیدة زاد فی الشطرنج بغلة ثم تتابع
فی قوم من المتاخرین ینقلون کلامه
من دون تنقیح کما حکینا لك دیدنهم من
کلام الامام العلامة السیوطی رحمه الله تعالی
حمله علی ذلك أن ظن ان اٰیة الاتقی
ایضاً محتاجة الی التاویل حیث قال و
ان زعمت انه تعالی نکر النار الی اخرالخ
ما نقلنا عنه فلو یثبت أن اخذ الاتقی
بمعنی التقی لیشمل کل مؤمن ووافقه
علی ذلك الزمخشری وغیرہ لکنهم

اور کلام کی تصحیح کی حاجت سے بڑی کون سی دلیل ہے
اور اشقی کی تاویل شقی سے اس حصر کی بہ نسبت
ظاہر سے نزدیک تر نہیں باوجود اس کے یہ
حصر عرف میں شائع ہے اور نظم و نثر میں بکثرت
واقع ہے اور تصحیح کلام کی حاجت اس جیسے
مقامات میں قرینہ کافیہ ہے۔ کیا تم نہیں جانتے
کہ جب تم کسی کو یہ کہتے سنو کہ زید ہی کریم ہے
تو پہلی فرصت میں تم جان جاؤ گے کہ زید جیسا
کوئی کریم نہیں نہ یہ کہ زید کے سوا کوئی کریم نہیں،
اور یہ خوب ظاہر ہے، یہ تو حکم اشقی سے متعلق تھا
اور کوئی شک نہیں کہ اس مقام پر کلام اپنے
ظاہر سے تاویل یا توجیہ کا محتاج ہے لیکن ابوعبیدہ
نے شطرنج کے مُہروں میں بغلہ (خچر) بڑھا دیا پھر
متاخرین میں سے کچھ لوگ پے در پے اس کا کلام
بغیر تنقیح کے نقل کرتے رہے، جیسا کہ ہم نے تم
سے امام علامہ سیوطی کے کلام سے ان کی عادت
کی حکایت کی، اس کے لئے اس کا سبب یہ ہوا
کہ اس نے یہ گمان کیا کہ وہ آیت بھی جس میں اتقی
وارد ہوا تاویل کی حاجتمند ہے اس لئے کہ اس
نے کہا کہ اگر تم کہو کہ اللہ تعالیٰ نے نار کو نکرہ فرمایا الخ
تو کچھ دیر نہ ٹھہرا کہ اتقی کو بمعنی تقی کے لیا تاکہ آیت
ہر مومن کو شامل ہو جائے اور اسی بات میں زمخشری
وغیرہ نے اس سے اتفاق کیا مگر اس کی تاویل

لم يوافقه على التاويل كما سمعت و وهذا الكلام لا يقوم على ساق اذ ليس في قوله تعالى وسيجنبها الاتقى ما يدل على الحصر والقصر وانما يصف الله سبحٰنه وتعالى عبدًا له اتقى بأنه يجنب النار ويبعد عنها لانه لايجنب النار الاهو ورحم الله الرازي حيث تفطن لهذا فذكر في الاشقى قولا انه بمعنى الشقي ولم يذكره في الاتقى رأسا بل صرح بخلافه حيث قال "هذا لا يدل على حال غير الاتقى الا على سبيل المفهوم والتمسك بدليل الخطاب[1] الخ.

میں ان لوگوں نے اسکی موافقت نہ کی جیسا کہ تو نے سنا اور یہ کلام پائے ثبات پر قائم نہیں اس لئے اللہ تعالٰی کے قول وسیجنبہا الاتقی میں کوئی لفظ نہیں جو حصر پر دلالت کرتا ہو اللہ تعالٰی تو اپنے ایک بندے کا وصف بیان فرماتا ہے جو سب سے بڑا پرہیزگار ہو یوں کہ وہ جہنم کی آتش سے بہت دور رکھا جائے گا یہ مطلب نہیں کہ جہنم کی آگ سے وہی بچایا جائے گا۔ اور اللہ تعالٰی علامہ رازی پر اپنی رحمت فرمائے کہ انھوں نے اس امر کو سمجھ لیا لہذا اشقی میں ایک قول ذکر کیا کہ وہ بمعنی شقی کے ہے اور اتقی میں اسے بالکل ذکر نہ کیا بلکہ اس کے خلاف کی تصریح کی انھوں نے فرمایا یہ آیت کریمہ جس میں اتقی کے لئے بشارت ہے غیر اتقی کے حال پر دلالت نہیں کرتی مگر اپنے مفہوم کے اعتبار سے اور دلیل خطاب سے تمسک کے طور پر الخ۔

اقول بل ولا يتمشى على مذهب القائلين بمفهوم الصفة ايضًا فان الكلام مسوق لمدح الاتقى كما يدل عليه سبب النزول و مقام المدح والذم مستثنى عندهم ايضًا كما هو مذكور في كتب الاصول فيا للعجب من القاضي البيضاوي الشافعي

میں کہتا ہوں بلکہ یہ بات ان کے مذہب پر بھی نہیں چلتی جو مفہوم صفت کے قائل ہیں اس لئے کہ کلام مدحت اتقی کے لئے لایا گیا ہے جیسا کہ اس پر سبب نزول دلالت کرتا ہے اور ان لوگوں کے نزدیک مقام مدح و ذم بھی مستثنٰی ہے جیسا کہ کتب اصول فقہ میں مذکور ہے تو قاضی بیضاوی شافعی پر تعجب ہے انھوں نے

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۹۲/۱۷ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۳۱/۲۰۴

كيف تمسك ههنا بالمفهوم، مع انه ليس محله بالاتفاق و أشد العجب من القاضي الامام ابي بكر الشافعي اذ زل قلمه فمال الى افادة الحصر مع انه يخالف ائمته في القول بالمفهوم رأسا، وهكذا يرينا الله اٰياته في الآفاق وفي انفسنا كيلا يغتر مغتر بدقة انظاره ولا يسخر ساخر من عاثر في افكاره اذ نرى كل صارم ينبو وكل جواد يكبو فعلام يزهو من يزهو وسقى الله عهد من قالوا وما ادرٰك من قالوا سادة كرام قادة الامة ابراهيم النخعي و مالك بن انس وغيرهما من الائمة اذ قالوا، ولنعم ما قالوا كل احد ماخوذ من كلامه ومردود عليه الا صاحب هٰذا القبر[1] صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، نسأل الله الوقاية في البداية و النهاية، والحمد لله رب العالمين۔

کیونکہ مفہوم سے استدلال کیا حالانکہ بالاتفاق یہ اس کا محل نہیں، اور سخت تعجب تو قاضی امام ابو بکر شافعی پر ہے کہ ان کے قلم نے لغزش کی تو وہ اس طرف مائل ہوئے کہ آیت حصر کا فائدہ دیتی ہے حالانکہ وہ قول بالمفہوم میں اپنے ائمہ کے بالکل مخالف ہیں، اور یونہی اللہ ہمیں اپنی نشانیاں آفاق میں اور ہمارے نفوس میں دکھاتا ہے تاکہ کوئی اپنی باریک بینی پر مغرور نہ ہو اور کوئی ہنسنے والا اپنے افکار میں لغزش کھانے والے سے نہ ہنسے، اس لئے کہ ہر تلوار اچٹتی ہے اور ہر گھوڑا گرتا ہے تو گھمنڈ کرنیوالا کاہے کو گھمنڈ کرے، اور اللہ تعالیٰ ان کے زمانے کو سیراب کرے جنھوں نے فرمایا اور تمھیں کیا خبر وہ کون لوگ ہیں جنھوں نے فرمایا سرداران بزرگ اُمت کے مقتدا ابراہیم نخعی و مالک بن انس وغیرہ ائمہ کہ اُنھوں نے فرمایا اور کیا خوب فرمایا کہ ہر شخص کی کوئی بات مقبول ہوتی ہے اور کوئی نامقبول، مگر اس قبر شریف کے ساکن یعنی حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کہ اُن کی ہر بات قبول ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے حفاظت مانگتے ہیں ابتداء وانتہا میں، والحمد للہ رب العالمین۔

---

[1] الیواقیت والجواہر المبحث التاسع والاربعون داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۸۲
[2] الانصاف لولی اللہ دہلوی مکتبہ حقیقۃ دارالشفقت استنبول ترکی ص ۱۳

والأن أن أن نستكمل الرد على ابي عبيدة فيما فر عنه و فيما اطمأن عليه فاقول و بالله التوفيق نزعم الرجل اولاً ان تاويل الاشقى بالشقى ينجيه عما فيه اذ آل الكلام الى ان لا يصلى النار الا كافر وهذا حق لا غبار عليه -

اور اب وقت آگیا ہے کہ ہم ابو عبیدہ کا رد اس میں جس سے اس نے فرار اختیار کیا اور جس پر وہ مطمئن ہوا تمام کریں تو میں کہتا ہوں اور اللہ سے ہی توفیق ہے اس شخص نے پہلے خیال یہ کیا کہ اشقی کی تاویل شقی سے اسے اس آفت سے نجات دے دے گی جس میں وہ مبتلا ہے اس لئے کہ کلام کا مآل یہ ہوا کہ دوزخ کی آگ میں کافر ہی جائے گا۔ اور یہ بات حق ہے جس پر کوئی غبار نہیں۔

قلنا نظرت الموصوف وتركت الصفة يقول الله سبحٰنه و تعالٰى لا يصلٰها الا الاشقى الذى كذب و تولّٰى[1]، ومعلوم ان من الكفار من لم يكذب النبي صلى الله تعالٰى عليه وسلم مدة عمره لا بجنانه ولا بلسانه وانما اكفره ان سبق الكتاب و خذل التوفيق والعياذ بوجه المولى الكريم۔

ہم کہیں گے کہ تم نے موصوف کو دیکھا اور صفت کو چھوڑ دیا اللہ سبحٰنہ و تعالٰی فرماتا ہے لا یصلٰها الا الاشقى الذى كذب و تولّٰى (اس میں نہ جائے گا مگر وہ سب سے بڑا بدبخت جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا) اور یہ معلوم ہے کہ کافروں میں وہ بھی ہیں جنھوں نے اپنی تمام عمر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نہ جھٹلایا نہ اپنے دل سے نہ اپنی زبان سے، اس کا کفر تو یوں ہوا کہ اللہ کا لکھا غالب آیا اور توفیقِ الٰہی نے اس کا ساتھ نہ دیا اور مولائے کریم کی ذات کی پناہ ہے۔

اقول وهذا ابو طالب عم رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم أفنى عمره فى حفظه وحمايته و بلغ الغاية القصوٰى

میں کہتا ہوں یہ ہیں ابو طالب رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے چچا جنھوں نے اپنی عمر حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حفاظت و حمایت میں فنا کر دی اور وہ حضور صلے اللہ تعالٰی

---

[1] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۵ و ۱۶

من محبته وولايته قد كان حبه
صلى الله تعالیٰ علیه وسلم أخذ
بمجامع قلبه حتی کان یفضله علی
الاطفال الصغار من بنی صلبه، و
لما بعث الله تعالیٰ نبیه صلی الله
تعالیٰ علیه وسلم فدعا المشرکین
الی التوحید وهجم علیه
الاعداء من کل شاء وبعید، قام
ینا ضل عنه صلی الله تعالیٰ علیه
وسلم فاعظم بره ولازم نصره
وقاسی ماقاسی من شدائد
لا تحصیٰ فی مهاجرة المشرکین
من عشیرته الاقربین۔ وهوالذی لما تمالأت
قریش علی المصطفیٰ صلی الله تعالیٰ
علیه وسلم ونفوا عنه من یرید
الاسلام انشاء قصیدة تدل علی عظم
حبه للمصطفیٰ وشدة بغضه اعدائه
اللیام کما روی ابن اسحٰق وغیره من
الثقات ومنها هٰذه الابیات ۔

اعبد مناف انکم خیر قومکم
فلا تشرکوا فی امرکم کل واغل
فقد خفت ان لم یصلح الله امرکم
تکونوا کما کانت احادیث وائل
اعوذ برب الناس من کل طاعن
علینا بسوء او ملح بباطل

علیہ وسلم کی محبت اور نصرت کی انتہائی حد کو پہنچے،
سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت نے ان کے
پورے دل کو ایسا پکڑ لیا تھا کہ اپنے صلبی
کم سن بچوں پر حضور علیہ السلام کو فضیلت دیتے
تھے اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام
کو مبعوث فرمایا تو سرکار نے مشرکین کو
وحدانیت کی طرف بلایا اور دین کے دشمن ہر سمت
دُور دراز سے حملہ آور ہوئے ابوطالب ان کی
حمایت کو کافروں سے لڑنے کو کھڑے ہو گئے تو
سرکار کے ساتھ بڑی نیکی کی اور ہمیشہ ان کی مدد
کی اور اپنے قریبی رشتہ دار مشرکوں کی طرف سے
کیسی بے شمار سختیاں جھیلیں۔ یہ وہی ابوطالب
تھے کہ جب سارے قریش مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کے مخالف ہوئے اور اسلام کے خواہشمند والوں
کو سرکار علیہ السلام سے دور کیا تو انھوں نے ایک
قصیدہ کہا جو مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بڑی
محبت اور ان کے کمین دشمنان سے شدید عداوت کی
دلیل ہے، جیسا ابن اسحٰق نے معتمد راویوں سے روایت
کیا ہے۔ اسی قصیدہ کے یہ شعر ہیں:

اے عبد مناف کے بیٹو! تم اپنی قوم میں سب سے
بہتر ہو، تو تم اپنے معاملہ میں ہر خسیس کو شریک نہ کرو۔
بیشک مجھے اندیشہ ہے کہ اگر اللہ نے تمھارا حال
ٹھیک نہ کیا تو تم وائل کے افسانوں کی طرح افسانہ ہو جاؤ گے
میں لوگوں کے رب کی پناہ چاہتا ہوں ہر برائی کا
طعنہ دینے والے اور باطل پر اصرار کرنے والے سے

ومن كاشح يسعى لنا بعيبة
ومن ملحق في الدين ما لم يحاول

اور کینہ پرور سے جو ہم پر گھمنڈ کی کوشش کرے، اور اس سے جو دین میں ایسی بات شامل کرے جو دین میں کبھی نہ پائی گئی ہو۔

وثور ومن أرسى ثبيرًا مكانه
وراق لبرٍّ في حراء ونازل

اور کوہِ ثور سے اور اس سے جس نے کوہِ ثبیر کو اپنی جگہ جمایا اور کوہِ حرا میں عبادت کے لئے چڑھنے اور اُترنے والے سے۔

وبالبيت حق البيت في بطن مكة
وبالله ان الله ليس بغافل

اور اللہ تعالیٰ کے سچے گھر کی قسم اور اللہ کی قسم بیشک اللہ تعالےٰ بے خبر نہیں۔

كذبتم وبيت الله نبزى محمدًا
ولما نطاعن دونه ونناضل

اللہ کے گھر کی قسم! اے کافرو! تم جھوٹے ہو اس گمان میں کہ ہم محمد (صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو چھوڑ دیں گے۔

ونسلمه حتى نصرع حوله
ونذهل عن ابناءنا والحلائل

حالانکہ ابھی ہم نے حضور علیہ السلام کے گرد نیزوں اور تیروں سے جنگ نہ کی اور کیا ہم محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو تمہارے سپرد کر دیں گے جب تک کہ اپنے بیٹوں اور بیویوں سے غافل نہ ہو جائیں۔

لعمري لقد كلفت وجدا بأحمد
وأحببته داب المحب المواصل

مجھے اپنی جان کی قسم! مجھے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شدید محبت ہے اور میں انھیں ایسا چاہتا ہوں جس طرح پیہم چاہنے والے کی عادت ہوتی ہے۔

فمن مثله في الناس اي مؤمل
اذا قاسه الحكام عند التفاضل

جب فیصلہ کرنے والے مقابلے کے وقت کسی کو ان پر قیاس کریں تو ان جیسا لوگوں میں کون ہے جس کے لئے یہ امید ہو کہ وہ ان کا ہم پلّہ ہوگا۔

حليم رشيد عاقل غير طائش
يوالي الاها ليس عنه بغافل

حلم والے، رُشد والے، عقل والے، طیش والے نہیں وہ بیوقوف و بے قدر سے محبت رکھتے ہیں جو ان سے غافل نہیں۔

فواللہ لولا ان اجئ بسبة
تجرّ علی اشیاخنا فی المحافل

تو خدا کی قسم اگر اس کا اندیشہ نہ ہو تا کہ میں ایسا کام کروں جو ہمارے بزرگوں پر محافل میں ملامت کا سبب بنے۔

لکنا اتبعناہ علٰی کل حالۃ
من الدھر جدًا غیر قول التھازل

تو ہم نے زمانہ کی ہر حالت میں ان کی پیروی کی ہوتی تو یہ بات سنجیدگی سے بے مذاق کے کہتا ہوں۔

فاصبح فینا احمد فی أرومۃ
تقصر عنھا سورۃ المتطاول

تو احمد صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم ہمارے اندر ایسے عالی نسب ہیں جس کو فخر کرنے والے کی محبت پانے سے عاجز ہے۔

حدیت بنفسی دونہ وحمیتہ
ودافعت عنہ بالذرا والکلاکل[1]

میں نے اپنی جان کو ان کے سپرد کردیا اور ان کی حمایت کی اور سرداروں اور گروہوں کے ذریعہ (یا سروں اور سینوں کے ذریعہ) دشمنوں سے حضور کا بچاؤ کیا۔

ولقد کان یتبرک بالنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ویتوسل بہ الی اللہ تعالٰی فی الدعاء کما یدل علیہ ماروی العلماء من سنۃ قریش وحدیث الاستسقاء[2]، وقد حث الناس علی اتباعہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واخبر عن امور لم تقع فصدق

اور نبی صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم سے برکت طلب کرتے اور دعا میں آنجناب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وسیلہ بناتے چنانچہ اس پر قریش کی قحط سالی اور سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کے وسیلہ سے بارش طلب کرنے کا واقعہ جسے علماء نے روایت فرمایا ہے دلالت کرتا ہے اور بیشک ابوطالب نے لوگوں کو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع پر اُبھارا اور ان باتوں کی خبر دی جو واقع نہ ہوئی تھیں تو ایسا ہی

---

[1] السیرۃ النبویۃ لسید احمد زینی دحلان باب وفاۃ عبدالمطلب المکتبۃ الاسلامیۃ بیروت ۱/۸۳
السیرۃ النبویۃ لابن ہشام شعر ابی طالب فی استعطاف قریش دار ابن کثیر بیروت الجزء الاول والثانی ص ۲۷۲ تا ۲۸۰
[2] صحیح البخاری ابواب الاستسقاء باب سوال الناس الامام الاستسقاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳۶

سبحٰنه وتعالیٰ ظنه ووقع کمثل اخبارہ فوقع ولقد کان له موقع عظیم فی قلب النبی الکریم علیه افضل الصلٰوۃ والتسلیم حتی انه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم لما جاءہ اعرابی فقال یا رسول اللّٰه اتیناك ومالنا صبی یغط ولا بعیر یئط وانشد ابیاتا فقام صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم یجر رداءہ حتی صعد المنبر ورفع یدیه الی السماء فواللّٰه مارد یدیه بکریمتین حتی التقت السماء بأبراقها وجاءوا یضجون الغرق، فضحك صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم حتی بدت نواجذہ وتذکر قول ابی طالب فی مدحه حیث یقول: ؎

وابیض یستسقی الغمام بوجهه
ثمال الیتامی عصمة للارامل[1]

فقال للّٰه در أبی طالب لو کان حیا لقرت عیناہ من ینشدنا قوله، فقال علی کرم اللّٰه تعالیٰ وجهه یا رسول اللّٰه

ہُوا جیسا اُنھوں نے خبر دی اور نبی کریم علیہ الصلٰوۃ والسلام کے دل میں ان کے لئے مقام عظیم تھا یہاں تک کہ جب سرکار علیہ الصلٰوۃ والسلام کی خدمت میں ایک اعرابی نے آکر عرض کی کہ ہم سرکار کے پاس آئے ہیں اور حال یہ ہے کہ ضعف سے ہمارے بچّوں کی آواز نہیں نکلتی اور ہمارے اونٹ لاغری سے کراہتے نہیں اور اس اعرابی نے سرکار کی مدح میں کچھ اشعار پڑھے تو سرکار علیہ الصّلوٰۃ والسلام چادر اقدس کو گھسیٹتے ہُوئے اٹھے اور منبر پر صعود فرمایا اور آسمان کی جانب اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے تو خدا کی قسم ابھی سرکار علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے اپنے ہاتھ نیچے نہ کئے تھے کہ آسمان بجلیوں سے بھر گیا اور اس قدر بارش ہوئی کہ لوگ پکارتے ہُوئے آئے کہ ہم ڈوبے، تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تبسم فرمایا یہاں تک کہ دندان اقدس چمکے اور آپ کو اپنی تعریف میں ابو طالب کا قول یاد آیا جب انھوں نے عرض کیا تھا کہ:

سرکار گورے ہیں جن کے چہرے سے بارش طلب کی جاتی ہے جو یتیموں کی ٹیک اور بیواؤں کا سہارا ہیں۔

پھر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اللہ کے لئے ابو طالب کی خوبی ہے اگر وہ زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں کون ہمیں ان کے شعر سنائے گا، تو حضرت علی

---

[1] صحیح البخاری ابواب الاستسقاء باب سؤال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳۷
دلائل النبوۃ للبیہقی باب استسقاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم دار الکتب العلمیۃ بیروت ۶/۱۴۱

كانك تريد قوله وابيض يستسقى، و ذكرا بياتاً فقال صلى الله تعالٰى عليه وسلم اجل كما اخرجه البيهقى فى دلائل النبوة[1] عن سيدنا انس رضى الله تعالٰى عنه فانظر الى قوله صلى الله تعالٰى عليه وسلم "لله درّ ابى طالب" وقوله صلى الله تعالٰى عليه وسلم "لوكان حيا لقرت عيناه" وقوله صلى الله تعالٰى عليه وسلم "من ينشدنا قوله" ولم ينقل عنه مرة انه رد على النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم وكذبه فيه بل هو القائل فى تلك القصيدة مخاطبا لقريش ؎

لقد علموا ان ابننا لا مكذب
لدينا و لا يعنى بقول الاباطل[2]

ولذا كان اهون اهل

كرم اللہ تعالٰی وجہہ نے عرض کیا گویا سرکار کی مراد ان کا وہ قصیدہ ہے جس میں انھوں نے عرض کی "وہ گورے رنگ والے جن کے چہرے کے ذریعہ بارش طلب کی جاتی ہے۔" اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے چند شعر پڑھے تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ہاں میں یہی چاہتا تھا۔ جیسا کہ بیہقی نے دلائل النبوۃ میں سیدنا انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا تو سرکار ابد قرار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول "لِلّٰہِ دَرُّ ابی طالب" (اللہ کے لئے ابو طالب کی خوبی ہے) کو دیکھو اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس فرمان کو دیکھو کہ "اگر ابو طالب زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں۔" اور حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد پر نظر کرو کہ "ہمیں کون ابو طالب کے شعر سنائے گا؟" اور ایک بار بھی منقول نہ ہوا کہ ابو طالب نے سرکار کی کسی بات کو رَد کیا ہو یا سرکار کو جھٹلایا ہو، بلکہ خود اسی قصیدہ میں قریش سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ "خدا کی قسم لوگ جانتے ہیں کہ ہمارا فرزند ہمارے نزدیک ایسا نہیں کہ جھٹلایا جائے اور نہ اسے جھوٹی باتوں سے کام ہے۔"

اور اسی وجہ سے ابو طالب پر تمام دوزخیوں

---

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی باب استسقاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ دار الکتب العلمیہ بیروت ۶/۱۴۱

[2] السیرۃ النبویۃ سید احمد زینی دحلان باب وفاۃ عبد المطلب المکتبۃ الاسلامیہ بیروت ۱/۸۳

الناس عذاباً کما فی الصحاح و نفعته شفاعة الشفیع المرتجی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم حتی اخرج الٰی ضحضاح[1] علی خلاف من سائر الکافرین الذین لا تنفعهم شفاعة الشافعین، ویالیته لو اسلم لکان من افضل اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ولکن قضاء اللہ لا یرد وحکمه لا یعقب و للّٰه الحجة السامیة ولاحول ولا قوة الا باللہ العزیز الحکیم وقد فصلنا المسئلة فی بعض فتاونا و اظهرنا بطلان قول من قال باسلامه واذا کان ذلك کذلك ظهران الحصر فی الشقی المکذب ایضاً غیر مستقیم الٰی هٰذا اشار القاضی الامام حیث قال "لا یمکن اجراء هذہ الاٰیة علٰی ظاهرها" ویدل علی ذلك ثلثة اوجه:

احدها انه یقتضی ان لا یدخل النار "الا الاشقی الذی کذب وتولی"، فوجب فی الکافر

سے ہلکا عذاب ہے جیسا کہ صحیح حدیثوں میں وارد ہوا اور شفیع مرتجی (امیدگاہِ عاصیاں) صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شفاعت نے انھیں نفع دیا تو ان پر تخفیف کے لئے انھیں جہنم کے بالائی سرے پر رکھ دیا گیا اور یہ معاملہ ان کے ساتھ سارے کافروں کے برخلاف ہے جنھیں شفیعوں کی شفاعت کام نہ دے گی اور کاش وہ ایمان لاتے تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے افضل صحابہ سے ہوتے۔ لیکن اللہ کا لکھا نہیں ٹلتا اور اس کا حکم نہیں بدلتا اور اللہ ہی کے لئے حجت بلند اور معصیت سے پھرنے کی قوت اور طاعت کی طاقت اللہ عزیز حکیم کے دیئے بغیر نہیں، اور ہم نے اس مسئلہ کو اپنے بعض فتاوٰی میں تفصیل سے بیان کیا اور ابوطالب کے اسلام کے قائل کی رائے کا بطلان ظاہر کیا ہے اور جب یہ بات یوں ہے تو ظاہر ہوا کہ حصر شقی مکذِّب (جھٹلانے والے) میں بھی درست نہیں اسی طرف امام ابوبکر نے اشارہ کیا چنانچہ انھوں نے فرمایا کہ اس آیت کو اس کے ظاہری معنٰی پر جاری کرنا ممکن نہیں اور اس پر تین وجوہ دلالت کرتی ہیں:

ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ حصر اس کا مقتضی ہے کہ جہنم میں وہی کافر جائے گا جو سب سے بڑا بدبخت ہو جس نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام

---

[1] صحیح البخاری کتاب المناقب باب قصہ ابی طالب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۴۸

الذی لم یکذب و لم یتول ان لا یدخل النار[1] الخ۔

کی تکذیب کی ہو اور ان کی سچائی کے دلائل میں نظر سے اعراض کرتا ہو، تو لازم آیا کہ وہ کافر جس سے تکذیب و اعراض سرزد نہ ہوا (جیسے ابوطالب) جہنم میں نہ جائے۔

قلت و بما قررنا المقال بان لك انحسار ما قال الرازی متعقبا للامام القاضی ان کل کافر لابد و ان یکون مکذبا للنبی فی دعواه و یکون متولیا عن النظر فی دلالة صدق ذلك النبی[2] الخ

میں کہتا ہوں جس طور پر ہم نے اپنے مقالہ کی تقریر کی اس سے امام رازی کے اس قول کا ضعف ظاہر ہوگیا جو انھوں نے امام قاضی پر بطور اعتراض کیا ہے کہ ہر کافر کا نبی کو اس کے دعوے میں جھٹلانا ضروری ہے اور اس نبی کے دلائل صدق میں نظر سے رُوگردانی اسے لازم ہے۔

وظهر ایضا أن هذا التاویل الذی ارتضاه کثیر من المتاخرین ولا یسد خلة ولا یشفی غلة و علیك بتلطیف القریحة۔

اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ یہ تاویل جسے بہت سے متاخرین نے پسند کیا کوئی حاجت پوری نہیں کرتی نہ تشنگی کو بجھاتی ہے اور تم لطافت طبع کو لازم پکڑو۔

وزعم **ثانیًا** ان اٰیة الأتقی ایضا تفتقر الی التاویل لقرینتها فارتکب ما کان فی مندوحة عنه کما حققنا۔

اور **ثانیًا** اُسے گمان کیا کہ وہ آیت جو اتقی کے بارے میں ہے وہ بھی اپنے ساتھ والی آیت کی طرح محتاج تاویل ہے، تو اس کا ارتکاب کیا جس سے وہ بے نیاز تھے جیسا کہ ہم نے تحقیق کی۔

وزعم **ثالثًا** ان تاویله الاتقی بالتقی مما یفیده ویغنی زعما منه ان غیر التقی المذکور

اور **ثالثًا** گمان کیا کہ اس کا اتقی کو تقی کی طرف مؤول کرنا اسے فائدہ دے گا اور غنا بخشے گا اس گمان کی بنا پر کہ اس کے نزدیک

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیة ۹۲/۱۵ و ۱۶ المطبعة البهیة المصریة مصر ۳۱/۲۰۳

[2] " " " " " " " " " ۳۱/۲۰۴

فی الآیۃ لا یجنب النار۔

آیت میں مذکور تقی کے سوا کوئی آتشِ دوزخ سے نہ بچایا جائے گا۔

اقول ولا یرد علیہ ما سیظن ان ایت رحمۃ اللہ تعالٰی علی العصاۃ وقد اذنت نصوص قواطع ان کثیرا من الفجار والمثقلین بالاوزار والمہالکین علی الاصرار لایسمعون حسیس النار بمحض رحمۃ العزیز الغفار وفیض شفاعۃ الشفیع المختار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذ التقوٰی درجات وفنون اولہا اتقاء الکفر وھذا یستوی فیہ المؤمنون وقد افصح ابو عبیدۃ عن مرادہ اذ قال الاتقی بمعنی التقی وھو المؤمن[1] انتہی۔

میں کہتا ہوں اور اس پر وہ سوال وارد نہیں ہوتا جس کا عنقریب وہ گمان کریگا کہ پھر اللہ تعالٰی کی رحمت گنہگاروں پر کہاں گئی حالانکہ قطعی دلیلیں بتا چکیں کہ بہت سے بدعمل اور گناہوں سے بوجھل اور مرتے دم تک گناہوں کے عادی محض رحمتِ عزیز غفار اور شفیع مختار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شفاعت کے سبب آتشِ دوزخ کی بھنک تک نہ سُنیں گے اس لئے کہ تقوٰی کے درجات و اقسام میں ان کا پہلا درجہ کفر سے بچنا ہے جس میں مومن برابر ہیں اور ابو عبیدہ نے اپنی مراد ظاہر کردی کہ اس نے کہا اتقی بمعنی تقی کے ہے اور تقی مومن ہے اھ

اقول وبہ اندفع ما یتراءی من النقض بالصبیان والمجانین فان المراد بالتقی المؤمن والصبی ان عقل فاسلامہ معقول مقبول والمجنون ان طرء فیستصحب الایمان السالف والا فینسحب علیہما حکم الفطرۃ الاسلامیۃ۔

میں کہتا ہوں اس تقریر سے وہ اعتراض دفع ہوگیا جو بچّوں اور پاگلوں سے نقض کے ذریعے اٹھتا معلوم ہوتا تھا اس لئے کہ تقی سے مراد مومن ہے اور بچّہ اگر سمجھ والا ہے تو اس کا اسلام معقول اور مقبول ہے اور مجنون پر جنون اگر طاری ہے تو شرعًا اس کا ایمان سابق اس کے ساتھ مانا جائے گا ورنہ ان دونوں پر حکم فطرت اسلامیہ جاری (یعنی انھیں بہ حکم مسلمان جانیں گے)۔

لکنی اقول اولاً فما ذا تصنع باللام الداخلۃ علی الاتقی

لیکن میں کہتا ہوں کہ اولاً جب اتقی بمعنی تقی کے ٹھہرا تو اس صورت میں اس لام

---

[1] مدارک التنزیل (التفسیر النسفی) بحوالہ ابی عبیدہ تحت الآیۃ ۹۲/۱۷ دار الکتاب العربی بیروت ۴/۳۶۳

اذقد تقرر فی الاصول انہا ان لم تکن للعہد فللاستغراق[1]، ومعلوم ان من المؤمنین من یعذب ولایجنب، ولاینفع ارادۃ اللزوم بالصلی اذالکنایۃ للنار دون الصلی، ولقد اغرب من تفطن لبعض من ھذا کالقاضی البیضاوی فحمل الکلام علی من یتقی الکفر والمعاصی **اقول** نعم الاٰن یصح الاستغراق ولکن من للحصر المزعوم الذی یرتکب لاجلہ تاویل الاتقی، اذ من الفجار من یجنب ولا یعذب کما ذکرنا وعلی ھذا یرد النقض ایضا بالصبی والمجنون۔

کے ساتھ کیا معاملہ کرو گے جو اتقی پر داخل ہے اس لئے کہ اصول میں مقرر ہوچکا ہے کہ لام اگر عہد کے لئے نہ ہوگا تو استغراق کے لئے ہوگا۔

اور یہ معلوم ہے کہ مومنوں میں وہ ہیں جنھیں عذاب ہوگا اور وہ آتشِ دوزخ سے نہ بچائے جائیں گے اور یہ مفید نہیں کہ یصلی سے بجائے آگ میں جانے کے آگ کا لازم ہونا مراد لیا جائے اس لئے کہ یجنبہا (اس دوزخ سے دُور کیا جائیگا) میں ضمیر جہنم کی آگ کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ صلی مصدر کی طرف (جس کا معنی آگ میں جانا ہے)

اور جس کا ذہن ان باتوں میں سے بعض کی طرف پہنچا اس نے عجیب وغریب کام کیا جیسے قاضی بیضاوی، تو انھوں نے کلام کو اس پر محمول کیا جو کفر اور گناہوں سے بچے لیکن اس حصر مزعوم کا مددگار کون جس کی وجہ سے اتقی کی تاویل کا ارتکاب کیا جاتا ہے اس لئے کہ فاجروں میں وہ بھی ہے جو دوزخ کی آگ سے دُور رہے گا اور اسے عذاب نہ ہوگا۔

واقول ثانیًا اغمضنا ھذا کلہ وترکناکم وشانکم فاذھبوا بالکلام الی ما تشتھیہ انفسکم الا انکم اغفلتم الصفۃ ھٰھنا ایضا غفولکم عنہا

اور ثانیًا میں کہتا ہوں کہ ہم نے ان تمام باتوں سے آنکھ میچی اور آپ کو آپ کے حال پر چھوڑا تو کلام کو جدھر چاہئے لے جائیے مگر آپ لوگ یہاں بھی صفت سے غافل رہے جس طرح اشقی (جس نے جھٹلایا اور منہ موڑا)

---

[1] التوضیح والتلویح نورانی کتب خانہ پشاور ص ۱۳۶

في "الاشقى الذى كذب و تولى[1]" فان الله سبحنه وتعالى لم يرسل الاتقى ارسالا بل خصه "بالذى يؤتى ماله يتزكى[2]" ومعلوم ان التقى الفقير لامال له وانه مجنب عن النار لاشك، فان كان الكلام على الحصر كما زعمتم فالحصر لم يستقم بعد والا فما ذا يلجئكم الى التاويل والعدول عن ظاهر التنزيل عن هذا نقول ان الوجه ترك التكلف وصون اللفظين لاسيما الأتقى عن التغيير والتصرف لانعدام الحاجة في احدى الآيتين و اندفاعها بطريق اسلم في الاخرى كما يفيده الوجهان اللذان ذكرهما القاضي الامام مع ماشاهدنا ان التاويل يراد ولا مفاد ويقاد ولا ينقاد بيد اني ما ادرى لعل الجدال يورى نارا موقدة تطلع على الافئدة فيقوم قائل ان وجهي القاضي ايضا يعكر عليهما بشيئ فلا مناص من تشديد الاركان

کے معاملہ میں آپ نے صفت سے غفلت کی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اتقی کو مطلق نہ رکھا بلکہ اسے اس کے ساتھ خاص کیا جو اپنا مال ستھرا ہونے کو راہِ خدا میں دے اور یہ معلوم ہے کہ تقی فقیر کے پاس مال نہیں ہے حالانکہ وہ آتشِ دوزخ سے بیشک دُور رہے گا۔ تو اگر کلام بر سبیل حصر ہے جیسا کہ آپ لوگوں کا زعم ہے تو حصر تو اب بھی درست نہیں ہوا اور اگر حصر پر بناء نہیں تو آپ کو تاویل اور ظاہر تنزیل سے عدول کی طرف کون سی چیز مضطر کرتی ہے اسی سبب سے ہم کہتے ہیں کہ صحیح طریقہ یہی ہے کہ تکلّف چھوڑا جائے اور دونوں لفظوں خصوصًا اتقیٰ کو تصرف و تغیر سے محفوظ رکھیں اس لئے کہ ایک آیت میں تاویل کی حاجت نہیں اور دوسری میں مسلک اسلم سے حاجت مندفع ہو جاتی ہے جیسا کہ ان دو وجہوں نے افادہ کیا جو قاضی امام نے ذکر فرمائیں باوجودیکہ ہم نے مشاہدہ کیا ہے کہ تاویل مراد ہوتی ہے حالانکہ کوئی مفاد نہیں ہوتا اور وہ کھینچی جاتی ہے جبکہ وہ نہیں کھنچتی۔ لیکن میں کیا جانوں شاید بحث روشن آگ کو بھڑکائے جو دلوں پر چڑھے تو کوئی قائل کھڑا ہو جائے اور کہے کہ قاضی کی مذکورہ دو وجہوں پر بھی کچھ غبار ہے لہذا ارکان کو مضبوط

---

[1] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۶

[2] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۸

وتجدید الاوصاف علی حسب الامکان۔

فاقول وربی ولی الاحسان یستبعد علی الوجہ الاول وصف الاتقی بانہ یجنب تلک النار الکبری فان مدح اکرم القوم بانہ لیس ای ذل القوم مما لایستملح۔

اقول والمخلص الاستخدام وھو شائع فی فصیح الکلام بل عدوہ والتوریۃ اشرف انواع البدیع، بل منھم من قدمہ فی الشرف علی الجمیع کما ذکر الامام العلامۃ السیوطی[1] ومنہ فی القرآن العظیم قولہ تعالٰی "ولقد خلقنا الانسان من سلٰلۃ من طین ثم جعلنٰہ نطفۃ فی قرار مکین[2]"

کرنا اور اشیاء کی تجدید بقدرِ امکان ضروری ہے۔

تو میں کہتا ہوں اور میرا رب ولیِ نعمت ہے، پہلی وجہ پر اتقی کا یہ وصف بیان کرنا کہ وُہ بڑی آگ سے دُور رکھا جائے گا مستبعد ہے اس لئے کہ قوم کے بزرگ ترین کے لئے یہ کہنا کہ وہ رذیل ترین نہیں ہے اُس میں کوئی ملاحت نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں اور اس سے نجات دہندہ وُہ استخدام ہے اور وُہ کلام فصیح میں شائع ہے، بلکہ علماء نے استخدام و توریہ کو بدیع کی سب سے عمدہ قسم شمار کیا ہے، بلکہ بعض علماء نے استخدام کو شرف میں تمام اقسامِ بدیع پر مقدم رکھا ہے جیسا کہ علامہ سیوطی علیہ الرحمہ نے ذکر کیا ہے، اور اس قبیل سے قرآن عظیم میں اللہ تعالٰی کا قول ہے: "اور بیشک ہم نے آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے بنایا پھر اسے پانی کی بوند کیا ایک مضبوط ٹھہراؤ میں۔"

ف: توریہ ایہام کو کہتے ہیں، اور اس کی تعریف یہ ہے کہ ایک لفظ کو لیں جس کے دو معنی ہوں ایک قریب دوسرا بعید۔ اور معنی قریب سے بعید معنی کا توریہ کریں، اور بعید معنی مراد ہو تو معنی قریب کو موری بہ اور معنی بعید کو موری علیہ کہتے ہیں۔

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والخمسون دار الکتاب العربی بیروت ۲/۱۵۳

[2] القرآن الکریم ۲۳/۱۲و۱۳

المراد بالانسان أبونا آدم علیه السلام وبضمیر ولده، ومنه قوله تعالٰی "اتی امر الله فلا تستعجلوه[1]"

آیت میں انسان سے مراد ہم انسانوں کے باپ آدم علیہ السلام ہیں اور ضمیر سے مراد ان کی اولاد ہے اور اسی قبیل سے اللہ تعالٰی کا قول ہے کہ "اللہ تعالٰی کا حکم آیا تو اسکی جلدی نہ مچاؤ۔"

المراد بامر الله بعثة محمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم علی احد الوجوه فی تاویله اخرج ابن مردویة عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنه فی قوله تعالٰی اتی امر الله قال محمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم، والمراد بالضمیر قیام الساعة قاله العلامة السیوطی[2]، نفعنا الله تعالٰی بعلومه، اٰمین۔

اس آیت میں ایک وجہ پر امر اللہ سے مراد محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ ہے۔ ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ اللہ تعالٰی کے قول "اتی امر اللہ" میں امر اللہ سے مراد محمد صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں۔ اور ضمیر سے مراد قیامت کا قائم ہونا ہے، یہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالٰی نے ذکر کیا ہے اللہ تعالٰی ہمیں ان کے علوم سے نفع بخشے آمین۔

اقول فان قلت اذا اردتم بالنار اعظم النیران المخصوص باشقی الاشقیاء، فما معنی انذار سائر الناس عنه قلت المعنی ان شاء الله تعالٰی ان الاشقی انما بلغ ما بلغ من کمال الشقاء وسوء الجزاء وجهد البلاء بما ثابر علیه من اللداد و

میں کہتا ہوں اب اگر تم کہو جبکہ آپ نے آیت میں مذکور نار سے دوزخ کی سب سے بڑی آگ مراد لی جو تمام اشقیاء سے بدتر شقی کے لئے مخصوص ہے تو سب لوگوں کو اس سے ڈرانے کا کیا مقصد ہے؟ تو میں کہوں گا کہ مقصد ان شاء اللہ تعالٰی یہ ہے کہ وہ سب سے بڑا شقی کمال شقاوت اور بری جزاء اور سخت بلا کے جس درجہ پر پہنچا اس کا سبب وہی کفر و عناد ہے اور ہر ناہٹ اور

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/۱

[2] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والخمسون دار الکتاب العربی بیروت ۲/۱۵۴

العناد والاصرار والاستكبار فاحذروا
انتم يا ايها الناس ان لم تنيبوا الى
الحق ودمتم كدأبه ان تعادلوه في
الشقاوة فتلقوا اثاما كمثل اثامه فكانت الاية
على حد قوله تعالى "فان اعرضوا
فقل انذرتكم صاعقة مثل صاعقة
عاد وثمود"[1] فانهم انما اصابهم
ما اصابهم لمثل هذا الاعراض
فماذا يؤمنكم ان مضيتم على
دابهم ان تعذبوا بعذابهم
او حصل الانذار بانه تعالى
أخبر أن هناك عدوا اشقى
من يوجد وله جزاء اسوء
مايكون والناس غير دارين انه من هو، ولم
يذكر الله تعالى من
صفاته الا التكذيب و
التولى، فحق ان تنقطع
قلب كل مكذب وينفلق
كبد كل متول خوفا وفرقا
ان يكون هو فمن هذا الوجه جاء
الانذار للناس فاتقنه فانه من
احسن السوانح بتوفيق الملك
العليم الفاتح جل جلاله

گھمنڈ ہے جس پر وہ قائم رہا تو اے لوگو! تم ڈرو
کہ اگر تم حق کو نہ مانو اور ناحق پر جمے رہو جیسا کہ وہ
بڑا بدبخت جما رہا کہیں تم بدبختی میں اس کے برابر
نہ ہو جاؤ تو اس کے عذاب جیسا عذاب پاؤ تو
یہ آیت اللہ تعالیٰ کے قول "پھر اگر وہ منہ
پھیریں تو تم فرماؤ کہ میں تمہیں ڈراتا ہوں ایک کڑک سے
جیسی کڑک عاد اور ثمود پر آئی تھی" کے طور پر ہے
اس لئے کہ عاد و ثمود پر جو مصیبت اتری وہ اسی
طور کے اعراض (رُوگردانی) کے سبب اُتری تو
تمہیں کون سی چیز بے خوف کرتی ہے، اگر تم ان
اگلوں کی عادت پر جمے رہو ان جیسا عذاب پانے
سے یا سبب کے لئے تنبیہ ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے
بتایا کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا ایک دشمن نہایت
بدبخت ہوگا اور اس کے لئے نہایت بدترین سزا ہے
اور لوگ نہیں جانتے کہ وہ کون ہے، اور اللہ تعالیٰ
نے اس کی صفات میں سے جھٹلانے اور منہ موڑنے
کے سوا کچھ ذکر نہیں کیا تو بجا ہے کہ ہر جھٹلانے والے
کا دل کٹ جائے اور ہر منہ موڑنے والے کا کلیجہ
پھٹ جائے اس ڈر سے کہ کہیں وہی نہ سب
سے بڑا بدبخت ہو جس کی یہ سزا سنائی گئی تو اس
وجہ سے یہ تخویف سب لوگوں کے لئے آئی، اس
نکتہ کو یاد رکھو کہ یہ بادشاہ علیم فاتح (علم والے
عقدہ کھولنے والے جل جلالہٗ) کی توفیق سے ایک

---

[1] القرآن الكريم ۴۱/۱۳

وهذا الكلام يجري بعضه في الوجه
الثاني ايضاً لكن هنا دقيقة غامضة
وهي أن امثال هذا الحصر
الادعائي انما تناسب المقام اذا
كان سوق الكلام لذم هذا الاشقى
الملام، فكأنه قيل انه بلغ من الشقاء
مبلغاً تضمحل دونه سائر الشقاوات
فكأنه لا يلج النار الا هو، اما اذا
سيق مساق الانذار لجميع الكفار
أو قصد ذلك ايضاً مع قصد الذم
فلعله لا يستحسن حينئذ حصر
العقاب في رجل واحد، تأمل فانه
موضعه والعبد الضعيف لهذا
يجد نفسه اركن الى الوجه
الاول دون الثاني، وفيه الغنية و
حصول المنية، والحمد لله معطي
الاماني، ثم لما بلغت هذا
المقام رجعت العزيزي بعد ما استعرته من
بعض الاعزة فرأيت المولى عبد العزيز تجاوز
الله تعالى عنا وعنه تنبه لهذا الاستبعاد
الذي ذكرته في الوجه الاول وجهي القاضي و
حق له ان يتنبه لانه
العلم في الذكاء والفطانة، ثم
اجاب عنه بجوابين؛
الاول يقارب ما

اچھا خیال ہے اور یہ تقریر کچھ وجہ ثانی میں بھی جاری
ہے، لیکن یہاں ایک نہایت خفی نکتہ ہے اور
وہ یہ کہ ایسے حصر ادعائی موقع کے مناسب اسی
وقت ہوں گے جبکہ سیاقِ کلام اس بڑے
بدبخت و قابلِ ملامت کی مذمت کے لئے ہو، تو
گویا یوں فرمایا گیا کہ یہ شخص شقاوت کے اس
درجہ تک پہنچا جس کے آگے سب شقاوتیں
ہیچ ہیں تو گویا دوزخ میں اس کے سوا کوئی
نہ جائے گا، مگر جبکہ یہ کلام تمام کافروں کی
تخویف کے لئے ہو یا مذمت کے ساتھ یہ قصد
بھی ہو تو شاید عذاب کو ایک شخص میں منحصر
بتانا مستحسن نہیں، غور کرو کہ یہ مقامِ غور ہے اور
یہ بندۂ ناتواں اسی لئے خود کو دوسری وجہ کے
بجائے پہلی وجہ کی طرف زیادہ مائل پاتا ہے
اور اسی میں بے نیازی اور مطلب کا حصول ہے
اور اللہ تعالیٰ کے لئے حمد ہے جو مرادیں عطا
فرماتا ہے، پھر میں جب اس مقام تک پہنچا
میں نے تفسیر عزیزی اپنے بعض اعزہ سے عاریۃً لے کر
دیکھی تو میں نے حضرت مولانا عبد العزیز کو (اللہ
تعالیٰ ہمیں اور انھیں معاف فرمائے) دیکھا کہ وہ
اس اعتراض کی طرف متنبہ ہوئے جو وجہ اول
پر اعلیحضرت نے فرمایا اور انھیں متنبہ ہونا ہی
چاہیے اس لئے کہ وہ ذکاوت و فطانت کا
پہاڑ ہیں پھر اس کے دو جواب دیئے:
پہلا تو وہی جو علمائے اختیار فرمایا یعنی

دنا التوفیق الیہ من القول بالاستخدام
والثانی ان التجنیب من
تلك النار المخصوصة بالکفار
ایضا لہا عرض عریض وغایۃ القصوی
مختصة بالاتقی وسائر المومنین وان کانوا
مجنبین لکن لا کمثلہ[1] انتہی معربًا۔

اقول الوجہ الوجہ الاول وعلیہ عندی
المعول واما ماذکر من الوجہ الثانی
فلیس بشیئ عندی وان کان ھو المرضی
لدیہ حتی اورد الاول بصیغۃ التمریض
وذلك لان کون التجنیب
مقولا بالتشکیك مسلم فی
مطلق النار التی یمکن ان
یدخلہا بعض المومنین ومعنی
العرض العریض فیہ کما
یسبق الیہ ذہن القاصر
ان الذنوب مقتضاھا
الاصلی الذی لو خلیت ھی
وطبایعہا ما اقتضت الا ایاہ انما
ھو اصابۃ الجزاء الذی اوعد
بہ علیہا وھذا ظاھر جدا، فکل من

استخدام کا طریقہ۔
دوسرا یہ کہ اس نار سے دور رکھا جانا
جو کافروں کے ساتھ خاص ہے اس میں بڑی وسعت
ہے اور اس کی آخری حد اتقی کے لئے خاص ہے
اور باقی مسلمان اگرچہ وہ بھی اس آگ سے دور
رہیں گے لیکن اس کی طرح نہیں اھ۔

میں کہتا ہوں وجہ تو پہلی ہے اور میرے
نزدیک وہی معتمد ہے، اور جو دوسری وجہ
ذکر کی وہ میرے نزدیک کوئی چیز نہیں اگرچہ
شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ کو دوسری پسند ہے کہ پہلی
کو ایسے صیغہ سے ذکر کیا جس سے اس کے ضعف
کی طرف اشارہ ہوتا ہے اس لئے کہ نار سے
دور رہنا اس کا کلی مشکک ہونا مطلق نار میں
مسلم ہے جس میں بعض مومن داخل ہو سکتے ہیں
اور تجنیب (نار دوزخ سے دور رہنا) میں بڑی
وسعت کا معنیٰ جیسا کہ میرا ذہن قاصر اس کی طرف
سبقت کرتا ہے کہ گناہوں کا وہ مقتضائے اصلی
کہ اگر گناہ اپنی طبیعت کے ساتھ چھوڑ دئے جائیں
تو اسی کا تقاضا کریں تو یہ ہے کہ بندہ کو وہ
سزا ملے جس کی اسے گناہوں پر وعید سنائی گئی،
اور یہ بہت ظاہر ہے، تو ہر وہ شخص جس نے

---

[1] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت الآیۃ ۹۲/۱۷ مسلم بکڈپو لال کنواں دہلی ص ۳۰۴

اذنب ذنبا ولو مرة استحق بذنبه
هذا ان يؤاخذه الملك
جل جلاله، ولا تقبض حسناته المتكاثرة
على العزيز المقتدر اذ نفع الحسنات
انما يعود اليه، فكيف يمن على الله
تعالىٰ بما عمله لنفع نفسه فكيف يجعله
ذريعة إلى ابطال منشور الجزاء
عن رأسه وقد قيل له بأفصح بيان
ان كما تدين تدان، غاية الامران
يقسم لبثه في الدارين على مقدار
لبثه في العملين كمًّا وكيفًا فيجوز
ان تمسه النار بما يعدل هذا
المقدار، وقد اعتقدنا نحن معشر
اهل السنة والجماعة رزقنا الله سبحٰنه
وتعالىٰ حظ الرحمة والشفاعة أنه تبارك
وتعالىٰ له ان يؤاخذ عبده كل جريرة
ولو صغيرة كما ان له ان يتجاوز
عن كل كبيرة ، فضل و
ذٰلك عدل وما الله بظلام
للعبيد ۔

ثم ان المولىٰ جل وعلا بغاية
عدله وضع الجزاء مشاكلاً للعمل و
لذا يدوم تنعيم المومن وتعذيب الكافر

ایک بار بھی گناہ کیا اللہ تعالیٰ کی پکڑ کا مستحق ہے
اور بندہ کی بکثرت نیکیاں خدائے غالب وقدیر
کو مانع نہیں ہوسکتیں اس لئے کہ نیکیوں کا
نفع تو بندہ ہی کو پہنچتا ہے تو کیسے اللہ تعالےٰ کو
اپنے بھلے کے لئے کئے ہوئے کام کا احسان
جتائے گا اور کیونکر اسے سزا کے دستور کو سر سے
باطل کرنے کا ذریعہ بنائے گا، حالانکہ بندہ کو
خوب واضح بیان سے کہہ دیا گیا ہے کہ جیسا تو
کریگا ویسا تجھے بدلہ دیا جائے گا، غایت امر یہ ہے
کہ دنیا وآخرت میں بندہ کی مدتِ اقامت کو
نیک وبد ہر دو عمل میں ٹھہرنے کی مقدار پر باعتبارِ
قدر وکیفیت تقسیم کریں تو ممکن ہے کہ اسے آگ
اتنی مدت تک چھوئے جو اس کے مقدار عمل کے
برابر ہو اور ہم اہلسنت وجماعت (اللہ ہمیں رحمت
وشفاعت سے نصیب عطا فرمائے) کا عقیدہ
یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالےٰ کو حق ہے کہ وہ بندے
سے ہر جرم پر مواخذہ کرے اگرچہ صغیرہ ہو جس طرح
کہ اس کو سزاوار ہے کہ ہر گناہ سے درگزر فرمائے
اگرچہ کبیرہ ہو اور یہ اس کا فضل ہے اور وہ اس کا
عدل ہے اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

اسی لئے جنت میں مومنین کی آسائش
اور جہنم میں کافر کا عذاب ہمیشہ ہوگا اس لئے
کہ اللہ تعالےٰ کو ان کی نیت اور مخفی ارادے کا

له کنز العمال حدیث ۴۳۰۳۲ موسسة الرسالہ بیروت ۱۵/ ۷۷۲

اذ قد علم من نيتهما ومكنوناتـــ طويتهما أنهما عازمان علیٰ ادامـــة ماهـــما من الکفر والایمان حتی لـو داموا فی الدنیا لداموا علیـــه الا تری الی قوله تعالیٰ "ولوردوا لعادوا لما نهوا عنه[1]" ولذٰلك لما انسلخ ابوطالب عن الکفار بشراشره واثبت قدمیه علیٰ تلك الملة الخبیثة نجا الدیان سبحٰنه وتعالیٰ سائربدنه من النار وسلط العذاب علیٰ قدمیه کما فی حدیث الشیخین[2] وغیرهما فقضیة المشاکلة أن من تساوت حسناته وسیأته یساوی لبثه فی العذاب بـلـبـثـه فـی دار الثواب ومن اذنب ذنبا واحدا اذیق اثامه ومن المبیئة ثم انقلع عنها فجزاءه المشاکل ان یدنی الی النار ثم یبعد عنها لیذوق من الفزع و الغم قدر ماذاق من اللذة فی اللمم هذا حکم العدل وحکم العدل هوالاصل لکن المولی الجواد الکریم

علم ہے کہ یہ دونوں اپنی اپنی حالت کفر و ایمان پر قائم و دائم رہنے کا عزم کئے ہوئے ہیں یہاں تک کہ اگر دنیا میں ہمیشہ رہتے اپنے حال پر ہمیشہ رہتے کیا تم اللہ کے فرمان کو نہیں دیکھتے " اور اگر واپس بھیجے جائیں تو پھر وہی کریں جس سے منع کئے گئے تھے" اور جب ابوطالب کفار سے تمام و کمال جدا ہوئے اور اپنے قدم اس خبیث ملت پر جمائے رکھے جزا دینے والے رب سبحٰنہ وتعالیٰ نے ان کے سارے بدن کو نار سے نجات دی اور عذاب کو ان کے قدموں پر مسلط فرما دیا جیسا کہ بخاری ومسلم وغیرہ کی حدیث میں ہے تو عمل و جزا میں مشاکلت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جس کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں اس کا عذاب میں رہنا ثواب کے گھر میں رہنے کے برابر ہوا ، جو ایک گناہ کرے وہ اس کا عذاب چکھے اور جو برائی کے قریب جائے پھر اس سے جدا رہے تو اس کی جزا مشابہ عمل یہ ہے کہ وہ نار کے قریب کیا جائے پھر اس سے دور رکھا جائے تاکہ غم اور گھبراہٹ کا مزہ ارادہ گناہ میں لذت کے بقدر چکھے ، یہ حکم عدل ہے اور حکمِ عدل ہی اصل ہے ، لیکن جود و کرم والے

---

[1] القرآن الکریم ۶ /۲۸

[2] صحیح البخاری کتاب المناقب باب قصہ ابی طالب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۵۴۸
صحیح مسلم کتاب الایمان باب شفاعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لابی طالب " " ۱ /۱۱۵

الذی "کتب علیٰ نفسه الرحمة"[1] وجعل لها السبقة علی الغضب منة ونعمة تشفع الیه شفیعان رفیعان وجیهان حبیبان لایردان ولا یخیبان رحمته الکاملة العامة الشاملة وھذا النبی الکریم المبعوث من الحرم بفیض الجود والکرم صلی الله تعالیٰ علیه واٰله وبارك وسلم فوعد بالطاف جمیلة ورحمات جلیلة فضلا من لدیه من دون وجوب علیه وحاشاہ أن یجب علیه شئ وھو یجیر ولا یجار علیه[2]" و بشر "أن الحسنات یذھبن السیئات[3]" "وان اللمم مغفور ان شاء الله تعالیٰ "ان ربك واسع المغفرة[4]" وان الله تجاوز لنا عما ھمت به انفسنا مالم تعمل او نتکلم وأن من تعادلت کفتاہ لم یدخل النار وان لا یھلك علی الله الاماردٍ متمرد وھذا کله تفضل وتکرم من المولیٰ الحق جلت

مولیٰ نے اپنے اوپر رحمت کو لازم فرمایا اور اس کے لئے غضب پر سبقت رکھی اپنے کرم و احسان سے اس سے سفارش کی جو رفعت و وجاہت والے و پیارے شفیعوں نے جو نہ پھیرے جائیں نہ محروم ہوں ایک اللہ تعالیٰ کی رحمت تمام و عام اور دوسرے یہ نبی کریم جو حرم سے فیض جود و کرم کے ساتھ مبعوث ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے جمیل مہربانیوں اور جلیل رحمتوں کا وعدہ فرمایا محض اپنے فضل سے نہ اس سبب سے کہ اس پر کچھ واجب ہے اور وہ اس سے منزّہ ہے کہ اس پر کچھ واجب ہو حالانکہ وہی پناہ دیتا ہے اور اس کے خلاف کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ اور اس نے خوشخبری دی کہ نیکیاں برائیوں کو دُور کر دیتی ہیں اور یہ کہ لمم (ارادۂ گناہ) پر بھی معافی دے دی گئی بے شک تمہارے رب کی مغفرت وسیع ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ ان باتوں سے درگزر فرماتا ہے جن کا ارادہ ہمارے نفوس کرتے ہیں جب تک ان کو انجام نہ دیں یا انھیں نہ بولیں اور جس کے دونوں پلّے برابر ہوں گے وہ نار میں نہ جائے گا۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں صرف نہایت سرکش نِرا نافرمان ہی ہلاک ہوگا

---

[1] القرآن الکریم ۶/۱۲
[2] القرآن الکریم ۲۳/۸۸
[3] ” ” ۱۱/۱۱۵
[4] ” ” ۵۳/۳۲

(آلاء وتوالت نعماؤه وله
الحمد كما يحب ويرضى
فكل من اذنب اوالم ثم
جنبه المولى النار فانما
جنبه على استحقاق منه لجزاء
ما عمله كما قال تبارك
وتعالىٰ "ان ربك لذو مغفرة
للناس على ظلمهم"[1]
بل لا معنى للمغفرة الا
تجاوز صاحب الحق عن
استيفاء حقه كُلًّا او بعضًا
فهذا تجنيب بعد تقريب
وانجاء بعد اِلجاء مع ما فيه
ايضا من تفاوت الرتب
كما لا يخفى، اما الذى بلغ
من التقوىٰ غايته القصوى
حتى تنزه عن كل ما يكره
وفنى عن الخلق وبقى
بالحق ارتفع شانه عن اتيان عصيان
ونظر بالرضى الى ما يبغض
الرحمٰن، فهذا محال ان يكون
من النار فى شئ او النار منه فى
شئ لاسيما اتقى الاتقياء واصفى الاصفياء

(یعنی کافر) اور یہ سب مولائے غنی کریم کا فضل و
کرم ہے۔ اس کی نعمتیں جلیل ہیں اور اس کے
احسان پیہم ہیں، اور اسی کے لئے حمد ہے جیسی
وہ چاہے اور پسند فرمائے، تو ہر وہ شخص جس
نے گناہ کیا یا گناہ کے پاس جاکر رُک گیا پھر
اللہ تعالٰی نے اسے نار سے دُور رکھا تو اسے
اس کے استحقاق کی جہت سے اُس کے عمل کی
جزا دینے کو دُور رکھا چنانچہ اللہ تعالٰی نے
فرمایا کہ "بے شک اللہ تعالٰی لوگوں کو بخشنے والا
ہے ان کے ظلم کے باوجود" بلکہ مغفرت کا معنی
یہی ہے کہ صاحبِ حق اپنے حق کو لینے سے کلی
یا جزوی طور پر درگزر کرے تو یہ نار سے قریب
کرکے اس سے دُور رکھنا ہے اور نار کی طرف
لیجاکر اس سے بچانا ہے اس کے باوجود اس
میں رتبوں کا تفاوت ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں
مگر جو تقوٰی کی سب سے آخری حد تک پہنچ گیا،
یہاں تک کہ ہر ناپسندیدہ بات سے دور
رہا اور خلق سے فانی اور حق پر باقی ہوگیا اور
اس کی شان معصیت کے ارتکاب سے اور
رحمٰن کے مبغوض کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھنے سے
بلند ہوگئی تو محال ہے کہ ایسے شخص کو نار سے علاقہ
ہو یا نار کو اس سے کوئی تعلق ہو خصوصًا وہ
متقیوں کا متقی اور سارے اصفیا سے زیادہ

---

[1] القرآن الکریم ۱۳/ ۶

الذی لم یزل من الحق بعین الرضا فی جمیع احوالہ، و لم یسوء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم فعلۃ من افعالہ، فذالک العبد ذاک العبد کلت الالسن عن شرح کمالہ وتاہت العقول فی تیہ جلالہ جالت وعالت، فبقیت تکبو ثم رجعت فسئلت فقالت ھو ھو فغایۃ القول فیہ أنہ أولی العباد وأول المراد بقول الجواد" ان الذین سبقت لھم منّا الحسنیٰ اولئک عنھا مبعدون لا یسمعون حسیسھا وھم فیما اشتھت انفسھم خالدون لا یحزنھم الفزع الاکبر وتتلقّٰھم الملئکۃ ھذا یومکم الذی کنتم توعدون[1]" ھذا معنی العرض العریض للتجنیب من مطلق النار علیٰ حسب ما یطیقہ البیان، ولا یاتی مثلہ فی النار المخصوصۃ بالکفار، اذ انما ھی جزاء الکفر والمؤمنون کلھم متساوون فی التباعد عنہ اذ الکفر والایمان لا یزیدان ولا ینقصان و

صاف باطن جس کے تمام احوال پر حق کی چشمِ رضا رہی اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جس کا کوئی کام برا نہ لگا تو یہی وہ خدا کا بندہ ہے یہی وہ خاص بندہ ہے زبانیں جس کے کمال کو بیان کرنے سے عاجز ہیں جس کی عظمت کے صحرا میں عقلیں گم ہیں اس میں عقلیں دوڑیں اور گھومتی پھریں، پھر گرتی پڑتی رہیں پھر لوٹیں تو ان سے پوچھا تو بولیں وہی وہ ہے، تو اس خاص بندہ کے بارے میں آخری بات یہ ہے کہ وہ سارے بندوں سے اولیٰ اور خدائے جواد کے قول" بیشک وہ جن کے لئے ہمارا وعدہ بھلائی کا ہو چکا وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں وہ اس کی بھنک نہ سنیں گے اور وہ اپنی من مانتی خواہشوں میں ہمیشہ رہیں گے انھیں غم میں نہ ڈالے گی وہ سب سے بڑی گھبراہٹ اور فرشتے ان کی پیشوائی کو آئیں گے کہ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا" کی پہلی مراد ہے مطلق نار سے دور رکھنے میں جو بڑی وسعت ہے اس کا مقدور بیان کے مطابق یہ معنی ہے اور ایسی بات اس نار کے بارے میں نہیں بنتی جو کفار کے ساتھ مخصوص ہے وہ تو کفر کی سزا ہے اور تمام مسلمان اس نار سے دور رہنے میں برابر ہیں اس لئے کہ کفر و ایمان یہ دونوں وصف گھٹتے بڑھتے نہیں ہیں اور یہ

---

[1] القرآن الکریم ۲۱/ ۱۰۱ تا ۱۰۳

المسئلة اجماعية والنزاع لفظی فوجب ان یتساووا فی البعد عن جزاء الکفر ایضًا، و اما قوله تبارک و تعالیٰ " هم للکفر یومئذٍ اقرب منهم للایمان[1]" فهذا بالنظر الی الظاهر اذ الاٰیة فی المنافقین لقوله تعالیٰ "یقولون بافواههم مالیس فی قلوبهم والله اعلم بما یکتمون[2]" یعنی انهم کانوا یتظاهرون بالایمان فیظن الجاهل بما فی السرائر انهم مؤمنون، لما کانوا یتباعدون بالسنهم عن الکفر ثم لما انخزلوا عن عسکر المؤمنین وقالوا " لو نعلم قتالا لاتبعناکم[3]" تخرق الحجاب وغلب علی الظنون انهم لیسوا بمؤمنین مع تجویز ان یکون هذا القول منهم تکاسلًا واخلادًا الی ارض الدعة، فهذا معنی القرب والبعد اوالمراد بالکفر والایمان اهلوهما

مسئلہ (کفر و ایمان کا کم زیادہ نہ ہونا) اجماعی ہے اور اختلاف لفظی ہے تو ضروری ہے کہ مسلمان کفر کی سزا سے دور رہنے میں بھی برابر ہوں۔ رہا اللہ تعالیٰ کا قول " اس دن وہ ظاہری ایمان کی بہ نسبت کہیں کفر سے زیادہ قریب ہیں" تو باعتبار ظاہر کے ہے اس لئے کہ آیت منافقین کے بارے میں ہے اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا: "اپنے منہ سے کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں اور اللہ کو معلوم ہے جو چھپا رہے ہیں۔" مطلب یہ ہے کہ منافقین ظاہری طور پر ایمان والے بنتے تھے تو ان کے دلوں میں چھپی بات سے بے خبر یہ گمان کرتا تھا کہ وہ مسلمان ہیں چونکہ منافقین کفر سے دُوری ظاہر کرتے تھے پھر جب وہ مسلمانوں کے لشکر سے جدا ہوگئے اور بولے کہ "اگر ہم لڑائی ہوتی جانتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔" ان کا پردہ فاش ہوگیا اور گمانوں پر غالب ہوگیا کہ یہ لوگ مسلمان نہیں اس احتمال کے ساتھ کہ منافقوں کی یہ بات سُستی اور آسائش کی زمین پکڑنے کی وجہ سے ہو تو قُرب اور بُعد کا یہ معنٰی ہے یا کفر و ایمان سے مراد صاحبانِ کفر و ایمان ہیں اس لئے

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۶۷
[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۶۷
[3] " " ۳/ ۱۶۷

اذ تقليلهم سواد المومنين بالانعزال عنهم تقوية للمشركين كذا قال المفسرون هذا ما عندى، والله سبحنه و تعالىٰ اعلم۔

کرنا فقوں کا مسلمانوں کے گروہ کو کم کرنا مسلمانوں کے لشکر سے جدا ہوکر مشرکوں کو تقویت دینا ہے ایسا ہی مفسرین نے فرمایا ہے، یہ ہے وہ جو میری رائے ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

وبالجملة فهبت نسائم التحقيق على ان الوجه ابقاء اللفظين على ظاهرهما وانما تحتاج الى امرين لا يعد شئ منهما تكلفاً و لا تغيراً۔

خلاصہ یہ کہ اب تحقیق کی ہوائیں چلیں اس پر کہ وجہ تو یہی ہے کہ دونوں لفظوں کو ان کے ظاہر پر رکھا جائے اور تمھیں حاجت صرف دو امر کی ہوگی اور ان میں سے کوئی نہ تکلف کے شمار میں ہے نہ تغیر کی گنتی میں۔

الاول ان تنكير ناراً للتعظيم و هو كما ترى شائع فى الكلام الفصيح قرآنا وقديما وحديثا واخذ التلظى بمعنى اشد ما يكون حملا للمطلق على فرده الكامل وهو ايضا منتشر مستطير۔

پہلی بات یہ کہ یہاں "ناراً" نکرہ تعظیم کے لئے ہے اور یہ اسلوب جیسا کہ تم جانتے ہو قرآن وحدیث اور قدیم وجدید کلامِ فصیح میں شائع ہے اور تلظی (آگ کی بھڑک) مطلق کو فردِ کامل پر محمول کرتے ہوئے سخت ترین بھڑکنے کے معنیٰ میں لیا جائے اور یہ بھی خوب شائع ہے۔

والثانى الاستخدام وهو كما سمعت اعلىٰ او من اعلى انواع البديع او ارجاع الضمير الى نفس الموصوف مجردا عن الصفة وهذا ليس من التاويل فى شئ على ان غرضنا يتعلق بآية الاتقى ولامساغ فيه للتاويل بتاً وقطعاً هكذا ينبغى التحقيق والله ولى التوفيق والحمد لله رب العالمين۔

اور دوسری بات استخدام، اور وہ جیسا کہ تم نے سُنا اقسامِ بدیع میں سب سے اعلیٰ ہے یا منجملہ اعلیٰ اقسام کے ہے یا ضمیر کو نفس موصوف کی طرف بلا لحاظ صفت لوٹائیں اور یہ تاویل سے کوئی لگاؤ نہیں رکھتا۔ علاوہ بریں ہماری غرض تو آیت اتقیٰ سے ہے، اور اس میں قطعاً تاویل کی گنجائش نہیں، اسی طرح تحقیق چاہیے اور اللہ تعالیٰ توفیق کا مالک ہے اور ساری خوبیاں اللہ کے لئے جو مالک ہے سب جہانوں کا۔

اذا وعيت هذا ودريت ما فيه

جب یہ بات ثابت ہوگئی اور تم نے اس کے

وألقيت السمع وأنت نبيه هان عليك الجواب عن هٰذه الشبهة الأولىٰ بوجوه:

الأوّل ظاهر اللفظ واجب الحفظ إلّا بضرورة وأين الضرورة.

الثاني ما مالوا إليه لم يزدد إلا قدحًا فوجب أن نضرب عنه صفحًا، وأبوعبيدة فيما عانىٰ لا أصاب ولا أغنىٰ فكيف نترك ظاهر قول الله سبحٰنه وتعالىٰ بقول رجل لم يكن معصومًا ولا صحابيًّا ولا تابعيًا ولا سنّيًا ولا مصيبًا في ما طلب ولا مجديًا في ما إليه هرب.

أيها الناس إني سائلكم عن شئ فهل أنتم مخبرون أرأيتم لو أن الآية وردت بلفظ التقى وفسره بالأتقى أبوعبيدة اللغوي فتعلقنا بقوله وندبناكم إلى قبوله ماذا كنتم فاعلين لكن الإنصاف شئ عزيز ولا يؤتى إلا ذا حظ عظيم.

الثالث سلمنا كونه في الآية وجهًا وجيهًا لكن هو الوجه فيها بل وجهنا هو الأوضح والأجلى

مضمون کو سمجھ لیا اور تم نے کان دھرا اور تم ذہین ہو تو تمہیں اس پہلے شُبہہ کا جواب چند وجوہ سے آسان ہے:

پہلی وجہ یہ ہے کہ لفظ کے ظاہری معنی کی حفاظت واجب ہے یعنی لفظ کو ظاہر سے پھیرنا جائز نہیں مگر بضرورت، اور ضرورت کہاں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جس تاویل کی طرف لوگ مائل ہُوئے اس سے تو قباحت ہی زیادہ ہُوئی تو ضرور ہوا کہ ہم اس سے منہ پھیریں، اور ابوعبیدہ نے جو پاپڑ بیلے اس کاوش میں وہ نہ صواب کو پہنچا اور نہ کوئی مفید بات کہی تو ہم اللہ تعالٰی کے قول کے ظاہری معنی کو ایسے شخص کے کہنے سے کیسے چھوڑ دیں جو نہ معصوم تھا نہ صحابی تھا نہ تابعی، نہ سُنّی، نہ اپنے مطلب میں صواب کو پانے والا، نہ اپنے مَفَر میں نفع بخش۔

اے لوگو! میں تم سے ایک بات پُوچھوں تو کیا جواب دو گے، مجھے بتاؤ اگر آیت لفظ تقی کے ساتھ وارد ہوتی اور ابوعبیدہ لغوی اسے اتقی سے تفسیر کرتا تو ہم اس کے قول سے چپٹ جاتے اور تمہیں اسے قبول کرنے کی دعوت دیتے اب تم کیا کرتے، لیکن انصاف کمیاب شئ ہے اور بڑے نصیب والے ہی کو ملتا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ ہم نے آیت میں اس کا وجہ وجیہ ہونا مان لیا، مگر آیت میں کیا یہی وجہ ہے، بلکہ ہماری وجہ واضح تر اور زیادہ

ولا تنافي بين نجاة التقي ونجاة الاتقى والقرآن محتج به على كل تاويل واحد الوجهين يوجب التفضيل والوجه الآخر لا ينافيه فوجب القبول والقول بما فيه

ولذلك ترى علمائنا رحمهم الله تعالى لم يزالوا محتجين بالآية الكريمة على تفضيل العتيق الصديق رضي الله تعالى عنه وهم ادرى منا ومنكم بما قاله أبوعبيدة وغيره ثم هذا لم يقعدهم عن سلوك تلك المسالك ولم ينكر عليهم احد ذلك فثبت ان مقصودنا بحمد الله حاصل ومزعومكم بحول الله باطل، والحمد لله رب العلمين اياه نرجوا وبه نستعين۔

الشبهة الثانية

ما نقله المولى الفاضل استاذ استاذي عبد العزيز بن ولي الله الدهلوي سامحنا الله وإياهما بلطفه الخفي وفضله الوفي في تفسير فتح العزيز بعد ما ذكر استدلال اهل السنة والجماعة بالآية الكريمة على الطريق المشهور بين علماء الدهور قال وقالت اهل التفضيل ان الاتقى محمول على التقي منسلخ عن معنى التفضيل اذ لولاه لشمل باطلاقه النبي صلى الله تعالى

روشن ہے اور تقی اور اتقی کی نجات میں کوئی منافات نہیں ہے اور قرآن ہر تاویل پر حجت ہے، اور دو وجہوں میں سے ایک تفضیل کی مقتضی ہے اور دوسری اس کی منافی نہیں تو قبول کرنا اور اس وجہ کے مضمون کا قائل ضروری ہے۔

اسی لئے ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالے کو دیکھتے ہو کہ وہ اس آیت سے سیدنا عتیق صدیق کی فضیلت پر دلیل لاتے ہیں حالانکہ وہ ابوعبیدہ وغیرہ کے کلام کو ہم سے اور تم سے زیادہ جانتے ہیں، پھر بھی علماء کو اس بات نے ان مسالک پر چلنے سے نہ روکا، نہ کسی نے اس مسلک کو ناپسند کیا۔ اب ثابت ہوگیا کہ ہمارا مقصد بحمداللہ حاصل ہے اور تمہارا زعم اللہ کی قدرت سے باطل ہے اور سب خوبیاں اللہ کے لئے ہیں جو مالک ہے سب جہانوں کا، ہم اسی سے امید رکھیں اور اسی سے مدد چاہیں۔

دوسرا شبہہ وہ ہے جو میرے استاذ الاستاذ مولائے فاضل عبدالعزیز بن ولی اللہ الدہلوی (اللہ تعالے ہمیں اور انھیں اپنے لطف خفی اور فضل کامل سے معاف فرمائے) نے تفسیر فتح العزیز میں اس آیت کریمہ سے اہل سنت وجماعت کے استدلال کو علمائے زمانہ کے درمیان مشہور طریقہ پر ذکر کرنے کے بعد نقل فرمایا، انھوں نے فرمایا کہ تفضیلیہ نے کہا کہ اتقی بمعنی تقی ہے، اور وہ (اسم تفضیل) معنی تفضیل سے مجرد ہے اس لئے کہ اگر یہ معنی نہ ہو تو اسم تفضیل کے اطلاق کے

عليه وسلم فيلزم ان يكون الصديق اتقى منه صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وهو باطل قطعاً بالاجماع قال واجاب اهل السنة والجماعة ان حمل الاتقى على التقى يخالف اللسان العربي والقرآن انما نزل بها فحمله على ماليس منها غير سديد، وما ذكروا من الضرورة مندفع بان الكلام في سائر الناس دون الانبياء عليهم الصلوٰة والسلام لما علم من الشريعة ان الانبياء اعلى كرامة واشرف مكانة عند الله تبارك وتعالیٰ فلا يقاسون بسائر الناس ولا يقاس سائر الناس بهم فعرف الشرع حين جريان الكلام في مقام التفاضل وتفاوت الدرجة يخصص امثال هذا اللفظ بالامة والتخصيص العرفي اقوى من التخصيص الذكري كقول القائل خبز القمح احسن خبز لن يفهم منه تفضيله على خبز اللوز لان استعماله غير متعارف وهو خارج عن المبحث اذ الكلام انما انتظم الحبوب دون الفواكه[1] هذا كلامه في التفسير الفارسي اوردناه نقلاً بالمعنیٰ۔

سبب صدیق کی فضیلت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شامل ہوگی تو لازم آئیگا کہ صدیق نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اتقی ہوں اور یہ قطعاً اجماعی طور پر باطل ہے:

شاہ عبدالعزیز نے فرمایا کہ اہل السنت والجماعت نے جواب دیا کہ اتقی کو تقی کے معنیٰ میں لینا عربی زبان کے خلاف ہے اور قرآن تو اسی میں اُترا، تو ایسے طریقہ پر محمول کرنا جو زبان عربی کے دستور میں نہ ہو صحیح نہیں ہے اور جو ضرورت تفضیلیہ نے ذکر کی وہ مندفع ہے، اس لئے کہ کلام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو چھوڑ کر باقی لوگوں میں ہے کیونکہ شریعت سے یہ معلوم ہے کہ انبیاء کی عظمت سب سے زیادہ ہے، اور انکا مرتبہ بہت بلند تو انھیں باقی لوگوں پر قیاس نہ کیا جائے گا، نہ باقی لوگ ان پر قیاس کیے جائینگے، تو شریعت کا عُرف مقام فضیلت اور تفاوت مراتب کی جاری گفتگو میں ایسے الفاظ کو اُمت کے ساتھ خاص کر دیتا ہے اور تخصیص عُرفی تخصیص ذکری سے زیادہ قوی ہے جیسے کوئی کہے کہ گیہوں کی روٹی سب سے اچھی روٹی ہے، اس سے گیہوں کی روٹی کی فضیلت بادام کی روٹی پر نہ سمجھی جائیگی اس لئے کہ اس کا استعمال متعارف نہیں ہے اور وہ بحث سے خارج ہے اس لئے کہ کلام اناج کو شامل ہے نہ کہ میووں کو۔ یہ شاہ عبدالعزیز کا تفسیر فارسی میں کلام تھا جس کے مفہوم کو ہم نے نقل کیا۔

---

[1] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت الآیۃ ۹۲/ ۱۷ مسلم بکڈپو لال کنواں دہلی ۱۲۶۸ھ ص ۳۰۴

اقول وباللہ التوفیق اما ما ذکر من ان ھذا یخالف اللسان العربیۃ فممنوع ومدفوع، الا تری الی قولہ تعالٰی "ھو الذی یبدؤا الخلق ثم یعیدہ وھو اھون علیہ[1]" ولیس شیئ اھون علی اللہ تعالٰی من شیئ والمعنی فی نظرکم علی احد تاویلات فی عسٰی ولعل الواردین فی القرآن، والی قولہ تعالٰی "اصحٰب الجنۃ یومئذ خیر مستقرا واحسن مقیلا[2]" ولا خیر للغیر ولا حسن لأھل الضیر اولاٰیۃ جاریۃ علی سبیل التھکم بھم کما قال المفسرون لکن الأمر ان

میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے، رہی وہ بات جو شاہ صاحب نے ذکر کی کہ یہ (اتقی بمعنی تقی ہونا) ممنوع و مدفوع ہے، کیا تم نہیں دیکھتے اللہ تعالٰی کا قول" اور وہی ہے کہ اوّل بناتا ہے پھر اسے دوبارہ بنائیگا اور یہ تمھاری سمجھ میں اس پر زیادہ آسان ہونا چاہئے" حالانکہ اللہ تعالٰی کے لئے کوئی چیز دوسری چیز سے زیادہ آسان نہیں (یعنی اللہ تعالٰی کو ہر چیز پر یکساں قدرت حاصل ہے) اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ دوبارہ بنانا تمھاری نظر میں زیادہ آسان ہونا چاہئے اور یہ عسٰی ولعل جو قرآن میں وارد ہیں ان کی تاویلات میں سے ایک تاویل کی بنا پر ہے اور کیا تم نہیں دیکھتے اللہ تعالٰی کا یہ قول "جنت والوں کا اس دن (سب عہ سے) اچھا ٹھکانا اور حساب کی دوپہر کے بعد (سب سے) اچھی آرام کی جگہ" حالانکہ غیر کے لئے خیر نہیں اور خسارہ والوں کیلئے

عہ آیت کا ترجمہ ہم نے "کنز الایمان" سے نقل کیا ہے اور بریکٹ میں دو جگہ لفظ "سب سے" بڑھا دیا ہے تاکہ اس امر کی طرف اشارہ ہو کہ خیرُ احسن کا اسم تفضیل کے لحاظ سے اصل ترجمہ اس طرح ہونا چاہئے تھا، مگر قرینہ حالیہ کے سبب صحیح ترجمہ وہ ہے جو اعلحضرت علیہ الرحمہ نے کیا، اور اس سے ظاہر ہے کہ یہاں خیر و احسن کا حقیقی معنی تفضیل والا نہیں۔ ازہری غفرلہ

---

[1] القرآن الکریم ۳۰/۲۷
[2] ؍؍ ؍؍ ۲۵/۲۴

الافعل حقيقته في التفضيل و
ولا يصار الى الانسلاخ عنه الا
لضرورة دعت بقرينة قامت كما في
الأيتين اللتين تلوناوحيث
لا ضرورة ولا قرينة كما نحن
فيه لانقول به والمصير اليه
اشبه بالتحريف منه بالتفسير
كما قد حققناوهذا القدر
يكفي للرد عليهم ، وأما
ما ذكر من حديث التخصيص
عرفا فجرى منه على
تسليم ما ادعى الخصم
من أن اللفظ بصيغته
يشمل الانبياء عليهم الصلوٰة
والسلام وان بغيت الحق
المرصوص فلا شمول ولا خصوص
لأن الاتقى ان عم افراده
وهم المفضلون المرجحون
دون المرجوحين المفضل
عليهم .

وسر المقام بتوفيق الملك
العلام ان الافضل لابد له
من مفضل و مفضل عليه والمفضل
عليه يذكر صريحا اذا استعمل مضافا او بمن
اما اذا استعمل باللام فلا يوجد في الكلام

کوئی اچھائی نہیں، یا آیت کفار سے استہزا کے
طور پر جاری ہے، جیسا کہ مفسرین نے فرمایا ہے۔
لیکن اصل بات یہ ہے کہ اسم تفضیل کا معنی
حقیقی تفضیل ہے اور تفضیل سے مجرد ہونے
کی طرف بغیر ضرورت داعیہ بہ سبب قرینہ
قائمہ نہ پھرے گی جیسا کہ ان دو آیتوں میں جو ہم نے
تلاوت کیں اور جہاں نہ ضرورت ہو اور نہ قرینہ
ہو وہاں ہم تفضیل سے مجرد ہونے کا قول نہ کریں گے
اور اس طرف پھرنا تفسیر کی بہ نسبت تحریف سے
زیادہ مشابہ ہے جیسا کہ ہم نے تحقیق کی اور اس
قدر ان کے رد کے لئے کافی ہے، اور رہی وہ
تخصیص عرفی کی بات جو شاہ صاحب نے ذکر
فرمائی تو ... مدعی کا وہ دعویٰ کہ لفظ اپنے صیغہ
کے سبب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی
شامل ہے تسلیم کرنے کی تقدیر پر جاری ہوئی اور
اگر تم حق محکم کو چاہو تو نہ شمول ہے نہ خصوص ہے،
اس لئے کہ الاتقی اسم تفضیل اگر عام ہے تو
اپنے افراد کو عام و شامل ہے۔ اور اس کے
افراد وہ ہیں جنہیں فضیلت و ترجیح دی گئی نہ کہ
وہ مرجوح جن پر دوسروں کو فضیلت دی گئی۔

اور اس مقام میں علم والے بادشاہ
کی توفیق سے راز یہ ہے کہ افضل کے لئے ایک
مفضّل اور دوسرا مفضّل علیہ لازم ہے اور جب
اسم تفضیل اضافت کے ساتھ یا من کے ساتھ
مستعمل ہو تو مفضّل علیہ صراحۃً مذکور ہوتا ہے؛

ولكن اللام تشير اليه على سبيل العهد فى ضمن الاشارة الى المفضل لان ذاتا ما له الفضل كما هو مفاد لفظ افعل بلا لام لاتتعين الا وقد تعين المفضل عليه فعهدها يستلزم عهده واذ لم يكن هناك عهد فى اللفظ فالمصير الى العهد الحكمى وقد عهد فى الشرع المطهر تفضيل بعض الامة على بعض لاتفضيلهم على الانبياء الكرام فلا يقصده المتكلم ولا يفهمه السامع فلم يدخلوا حتى يخرجوا ، تأمل ، انه دقيق ، وقد كنت أظن هكذا من تلقاء نظرى الى ان رأيت علماء النحو صرحوا بما ابدى فكرى ولله الحمد۔

لیکن جب اسم تفضیل الف لام کے ساتھ آتا ہے تو اس میں مفضل علیہ کلام میں ذکر نہیں کیا جاتا لیکن لامِ تعریف بر سبیل عہد مفضل علیہ کی طرف مفضل کی طرف اشارہ کے ضمن میں اشارہ کرتا ہے اس لئے کہ کوئی ذات جس کو دوسرے پر فضیلت ہو جیسا کہ صیغۂ افعل کا مفاد ہے بغیر لام تعریف کے اسی وقت متعین ہوگی جب مفضل علیہ متعین ہو تو اس کی تعیین مفضل علیہ کی تعیین کو مستلزم اور جب کہ تعیین صراحۃً موجود نہیں تو مآلِ کار حکمًا تعیین ماننا ہے اور شرع مطہر میں بعض اُمّتیوں کی تفضیل دوسرے امتیوں پر معروف ہے نہ کہ انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر فضیلت ہو تو نہ متکلم کی مراد ہوتی ہے نہ مخاطب ہی یہ معنیٰ سمجھتا ہے اب انبیائے کرام عموم میں داخل ہی نہیں کہ اس سے مستثنیٰ کئے جائیں اس کلام میں غور کرے ، بیشک یہ دقیق ہے اور میں اپنی سمجھ سے یہی گمان کرتا تھا یہاں تک کہ میں نے نحو کے عالموں کی تصریح اپنے نتیجۂ فکر کے مطابق دیکھی وللہ الحمد۔

قال المولى السامى نور الملة والدين الجامى قدس الله تعالىٰ سره وضعه لتفضيل الشئ علىٰ غيره فلابد فيه من ذكر الغير الذى هو المفضل عليه وذكره مع من والاضافة ظاهر ، واما مع

حضرت بلند مرتبت نور الملۃ والدین جامی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ نے فرمایا اسم تفضیل کی وضع شے کی غیر پر فضیلت بتانے کے لئے ہے ، لہٰذا اس میں غیر جو مفضل علیہ کا مذکور ہونا ضروری ہے اور من اور اضافت کے ساتھ تو مفضل علیہ کا مذکور ہونا ظاہر ہے۔ رہا لام

اللام فهو في حكم المذكور ظاهرًا لانه يشار باللام الى معين بتعيين المفضل عليه مذكورًا قبل لفظًا او حكمًا كما اذا طلب شخص افضل من زيد، قلت عمرو الأفضل أي الشخص الذي قلنا انه افضل من زيد فعلى هذا لا تكون اللام في افعل التفضيل الا للعهد انتهى.

تعریف کے ساتھ تو مفضل علیہ ظاہرًا مذکور کے حکم میں ہے اس لئے کہ لام تعریف سے ایک معین کی طرف اشارہ ہوتا ہے جو لفظ میں مذکور یا حکم میں موجود مفضل علیہ کی تعیین سے متعین ہوتا ہے جیسے کہ اگر کوئی شخص زید سے افضل مطلوب ہو تو تم کہو کہ عمرو افضل ہے (لام تعریف کے ساتھ) تو مطلب یہ ہے کہ وہ شخص جسے ہم نے زید سے افضل کہا عمرو ہے، تو اس بناء پر صیغۂ افعل التفضیل میں لام عہد (تعیین) ہی کے لئے ہوگا انتہی۔

قلت وتنقيح المرام بتحقيق المقام يستدعي بسطا نحن في غنى عنه (**لطيفتان**) بمثل ما صرح المولى الجامي صرح الرضي الاسترآبادي الذي لم تكن في مصره عمارة عصره الا بنحوه لكنا لم ناثر عنه لان على قلبه آفة لاحد لها فهم من فهم هذا ثم ان المولى الفاضل نقل في التفسير جوابًا آخر عن بعض الجلة الاكابر ولعله يريد به اباه وهو ان الاتقى ههنا

قلت (میں نے کہا) مقصود کی تنقیح اس بحث کی تحقیق کے ذریعہ تفصیل کو چاہتی ہے جس سے ہم بے نیاز ہیں (**دو لطیفے**) جس طرح اسم تفضیل کے بارے میں فاضل جامی نے تصریح کی، ایسی ہی تصریح رضی استرآبادی نے بھی کی جس کے شہر میں اس کے زمانے میں اسی کی نہج ونحو پر عمارت قائم ہوئی، مگر ہم نے اس کا کلام نقل نہ کیا اس لئے کہ اس کے دل پر ایسی آفت ہے جس کی حد نہیں ہے اس کو سمجھا جو سمجھا، پھر فاضل مولانا نے بعض گرامی قدر اکابر سے ایک اور جواب نقل کیا اور شاید ان کی مراد ان کے والد ہیں اور وہ یہ کہ اتقی اس جگہ اپنے معنی پر ہے یعنی جو تقویٰ میں اپنے

---

۱ شرح الجامی الاسماء والواقعہا بحث اسم التفضیل مطبع مصطفائی لکھنؤ ص ۲۷۷

علیٰ معناہ اعنی من فضل فی التقوی علیٰ کل من عداہ نبیا کان او غیرہ الا انہ یختص بالاحیاء الموجودین فالصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوصف بہ فی اٰخر عمرہ حین خلافتہ بعد ارتحال المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وسیدنا عیسٰی علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام لما کان مرفوعا الی السماء لم یبق فی حکم الاحیاء، ولا یجب للاتقی ان یکون اتقیٰ فی جمیع الاوقات وبالنسبۃ الی کل احد من الاحیاء والاموات والا لم یوجد لہ فی العٰلمین مصداق اذ لا یتصور التقوی فی زمن الصبا وکل منصب محمود شرعًا فالعبرۃ فیہ باٰخر العمر کالعدل والصلاح والغوثیۃ والقطبیۃ والولایۃ والنبوۃ ولہٰذا یدعی بہٰذہ الاوصاف من تشرف بھا فی اواخر عمرہ وان لم یکن لہ ذٰلک من بدو امرہ، فالاتقی من فضل بالتقوی من سائر الموجودین فی آخر عمرہ الذی ھو وقت اعتبار الاعمال وبہ یثبت المدعی بلا تکلف ولا تاویل[1] اصلا بالتعریب وقد ارتضاہ المولی الفاضل جانحا الیہ وساکتا علیہ۔

ماسوا سے افضل ہو خواہ نبی ہو یا غیر نبی، مگر یہ کہ اس صورت میں یہ ان کے ساتھ خاص ہوگا جو زندہ موجود ہیں۔ پھر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتقی کے مصداق اپنی عمر کے آخری حصہ میں اپنی خلافت کے دور میں مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد ہوئے اور سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جب آسمان پر اٹھالئے گئے تو وہ زندوں کے حکم میں نہ رہے اور اتقی کے لئے ضروری نہیں کہ وہ تمام اوقات میں اتقی ہو اور تمام احیاء و اموات سے افضل ہو، ورنہ عالم میں کوئی اس کا مصداق نہ ہوگا کیونکہ بچپن کے زمانہ میں تقویٰ متصور نہیں، اور ہر منصب جو شرعاً محمود ہو اس میں اعتبار آخر عمر کا ہے جیسے عدل وصلاح غوثیت وقطبیت ولایت ونبوت اسی لئے جو ان اوصاف سے مشرف ہوتا ہے اسے اس کے آخری ایام میں ان اوصاف کے ساتھ موسوم کرتے ہیں اگرچہ یہ اوصاف ان لوگوں کو ابتدائے سے حاصل نہیں ہوتے تو اتقی وہ ہے جو تمام موجودین کے بیچ تقویٰ میں سب سے افضل ہو، اپنی اواخر عمر میں جس وقت اعمال کا اعتبار ہوتا ہے اور اس تقریر سے صدیق کی افضلیت کا دعویٰ بے تکلف وتاویل ثابت ہوجاتا ہے، عربی عبارت کا ترجمہ ختم ہوا اور اس تقریر کو فاضل مولانا نے اسکی طرف میلان اور اس پر سکوت کرتے ہوئے پسند کیا۔

---

[1] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت الآیۃ ۹۲/۱۷ مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی، پارہ عم ص ۵۔۲۰۴

اقول وان جعل الله الفطانة بمرای العین من قلب وکیع اتقن وأیقن ان ھذا لا یزید علی تلمیع ھب ان حدیث "العبرة بالخواتیم[1]" حق واجب التسلیم لکن الیس العقل السلیم شھیدًا بانه اذا ذکر أحد من الاحیاء الموجودین بنعت من النعوت لا یفھم منه الا اتصافه فی الحال لا انه یصیر ھکذا بالمآل والتبادر دلیل الحقیقة والافتیاق الی قرینة تصرف الافھام وتظھر المرام امارة المجاز فما ذا یحوجنا الیه مع استقامة الحقیقة من دون تکلف و لا تاویل، اما علٰی طریقتنا فالأمر أبین واجلی واما علٰی طریقة الشیخ العزیز عبد العزیز فلان امثال تلك التخصیصات تکون مرتکزة فی الاذھان من دون حاجة الی البیان، ولیس دلالة ھذا التلویح أدون من ارشاد التصریح ولھذا لا ینزل العام عن درجة القطعیة کما فی الکتب الاصولیة و العجب من ھذا اعده تکلفا وتاویلا مع شیوعه فی

اقول (میں کہتا ہوں) اور اگر اللہ تعالٰی ذہانت کو قلب کے سامنے رکھے تو وہ محکم یقین کرلے گا کہ یہ ملمع سے زیادہ نہیں، مان لو کہ حدیث کا ارشاد ہے "خاتمہ کا اعتبار ہے" حق واجب التسلیم ہے لیکن کیا عقل سلیم شاہد نہیں کہ جب دنیا میں زندہ موجود لوگوں میں سے کوئی کسی وصف کے ساتھ مذکور ہو تو اس سے اس کا فی الحال متصف ہونا ہی مفہوم ہوتا ہے نہ یہ کہ وہ ایسا آئندہ ہوجائے گا، اور تبادر (معنی کی طرف سبقت فہم) معنی حقیقی کی دلیل ہے اور قرینہ کی حاجت جو ذہن کو دوسرے معنی کی طرف پھیرے اور مقصد ظاہر کرے مجازی معنی کی علامت ہے تو ہمیں مجاز کی ضرورت کس لئے پڑی باوجودیکہ حقیقت بغیر تکلف و بغیر تاویل درست ہے ہمارے طریقے پر، تو معاملہ خوب ظاہر و باہر ہے، اور شیخ عبدالعزیز کے طریقہ پر حقیقی معنی کی درستگی اس لئے کہ ایسی تخصیصات عرفی اذہان میں مرتکز ہوتی ہیں جن کے بیان کی حاجت نہیں ہوتی اور عرف عام کے اس اشارہ کی دلالت صراحت کی دلالت سے کم رتبہ نہیں، اور اسی لئے عام درجہ قطعیت (تیقن) سے نہیں گرتا، جیسا کہ اصول فقہ کی کتب میں مصرح ہے، اور اس سے عجیب تر یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ نے اس (تخصیص)

---

[1] صحیح البخاری کتاب القدر باب العمل بالخواتیم قدیمی کتب خانہ کراچی ۹۷۸/۲
کنز العمال حدیث ۵۹۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲۵/۱

النصوص حديثا وتنزيلا فلوكان من
باب التكلف فما اكثر التكلف في
افصح الكلام وكلام من هو افصح
الانام عليه افضل الصلوٰة واكمل
السلام واغرب من هذا زعم طريقته
بريئة من التكلف مع انها تحتاج
الى ما هو ابرد وابعد فان الصديق
رضي الله تعالى عنه لم يكن
بالحقيقة أتقى الموجودين في
حين من الاحيان لحيات سيدنا عيسىٰ
عليه الصلوٰة والسلام على ارجح
الاقوال وزعم التحاقه
بالاموات لارتفاعه الى السمٰوٰت
كلمة هو قائلها ما عليها دليل
ولا برهان، وان سلم فاين انت
من سيدنا الخضر عليه السلام
مع أن المعتمد المختار نبوته وحياته[1]،
فان قلت انه مختف عن الابصار معتزل
عن الامصار فالتحق بالاموات
كان عذرا أفسد من الاول فافهم
على أنا قد اثبتنا اطلاق الصفة على
من سيكون كذا تجوز ولا تجوز
الا بقرينة ولا قرينة الا تخصيص الانبياء

عرفی کو تکلف وتاویل میں شمار کیا باوجودیکہ یہ قرآن و
حدیث کی نصوص میں شائع ہے تو اگر یہ تکلف کے
باب سے ہو تو افصح الکلام (قرآن) اور سب سے
زیادہ فصیح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں
کس قدر تکلف ہوگا اور اس سے زیادہ عجیب یہ
ہے کہ شاہ صاحب نے اپنے پسندیدہ طریقہ کو
تکلف سے بری کہا جب کہ وہ بہت دور کی اور
بہت بارد تاویل کا محتاج ہے اس لئے کہ صدیق
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی وقت بھی تمام موجودین سے حقیقۃً
زیادہ متقی نہ تھے اس لئے کہ راجح مذہب پر
سیدنا عیسےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں زندہ ہیں
اور آسمانوں میں حضرت عیسےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام
کے ہونے کے سبب انھیں اموات سے ملحق بتانا
ایسی بات ہے جو انھوں نے کہی اور اس پر کوئی
دلیل و برہان نہیں ہے۔ پھر اگر یہ بات تسلیم کرلیں
تو تم سیدنا خضر علیہ السلام سے کہاں غافل ہو
باوجودیکہ معتمد ومختار یہ ہے کہ وہ نبی ہیں اور دنیا میں
زندہ ہیں تو اگر تم کہو کہ وہ نگاہوں سے پوشیدہ اور شہروں سے جدا ہیں
اس بنا پر اموات سے ملحق ہیں تو یہ عذر پہلے سے زیادہ فاسد
ہوگا تو تم سمجھ لو، علاوہ ازیں ہم ثابت کرچکے کہ صفت
کا اطلاق ایسے شخص پر جو آئندہ صفت کا مصداق
ہوگا مجاز ہے اور مجاز بغیر قرینہ کے ماننا درست
نہیں اور قرینہ شرعی انبیاء کی تخصیص ہے، تو کلام کو

---

[1] شرح المقاصد المقصد السادس الفصل الرابع المبحث السابع دار المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن ۳۱۱/۲

شرعًا فباتكائه حمل الكلام على الحقيقة
اولیٰ ام المصیر الی التجوز معتمدا
علی تلك القرينة نفسها؟ قد بقی بعد
خبايا فی زوايا لا نذكرها مخافة للتطويل
فحق الجواب والحق فی الجواب ما ذكر
العبد الذليل وولی التوفيق ربی الجليل۔

ثم اقول وهناك نكتة اخرى أحق
واحرى بقبول النهٰی لم ار من تنبه
لها وهی ان افعل التفضيل لا محيد
له من مفضل عليه فالمحلى منه
باللام اما ان يكون مفاده التفضيل
علی جميع من عهد التفاضل فيما بينهم
فی امثال هذا المقام كالمحبوب فی
قولنا خبز البر هو الاحسن
والاكثر فيما نحن فيه، او علی
بعضهم دون بعض اولا ولا بل
احتمالا على الاول حصل المقصود
والثانی باطل بالبداهة
الا ترى الی قوله تعالٰی
سبح اسم ربك الاعلی[1]
وقوله صلی الله تعالٰی
علیه وسلم فی دعائه
دبر الصلوٰة اسمع د

حقیقت پر محمول کرنا اولٰی ہے یا مجاز کی طرف اسی
قرینہ پر اعتماد کی وجہ سے پھیرنا انسب ہے اور
کچھ پوشیدہ باتیں گوشوں میں رہ گئی ہیں جنھیں ہم
طوالت کے ڈر سے ذکر نہیں کرتے تو جواب برحق
اور جواب کا حق وہی ہے جو بندۂ ناتواں نے اپنے
رب جلیل کی توفیق واعانت سے ذکر کیا۔

ثم اقول (پھر میں کہتا ہوں) اس مقام
میں ایک دُوسرا نکتہ ہے جو عقلوں کو قبول ہونے
کا زیادہ سزاوار ہے، میں نے نہ دیکھا کہ کسی کو
اس نکتہ کی طرف توجہ ہوئی ہو اور وہ نکتہ یہ ہے کہ
افعل التفضیل کے لئے مفضل علیہ ضروری ہے
تو اس صیغہ پر جب لام تعریف داخل ہوگا تو یا
تو ایسے مقام میں ان تمام افراد پر فضیلت ہوگا جن
کے درمیان ایسے مواقع پر حرف میں تفاضل سمجھا
جاتا ہے جیسے ناج کی قسموں میں ہمارے جملہ "گیہوں
کی روٹی ہی اچھی ہے" میں اور وہی زیادہ تر
مستعمل ہے اس مقام میں جس کی بابت ہم
گفتگو کر رہے ہیں یا اس صیغہ سے بعض پر
فضیلت سمجھی جائے گی اور بعض پر فضیلت مفہوم
نہ ہوگی یا نہ پہلی صورت ہوگی نہ دوسری بلکہ
دونوں کا احتمال ہوگا۔ پہلی تقدیر پر ہمارا مدعا
حاصل ہے اور دوسری تقدیر پر بداہۃً باطل ہے۔
کیا تم نہیں دیکھتے اللہ تعالٰی کے قول "اپنے رب اعلٰی کی پاکی بولو"

---

[1] القرآن الکریم ۸۷/۱

استجب الله اکبر و الاکبر
علی روایة الرفع، اخرجه ابوداؤد[1] و
النسائی و ابن السنی و قول ابن
مسعود رضی الله تعالٰی عنه
بین الصفاء والمروة "رب
اغفر وارحم انك انت
الاعز الاکرم"، رواه ابن
ابی شیبة[2] بل الٰی قول کل مصل
فی سجوده "سبحٰن ربی الاعلٰی" و
علی الثالث کانت الآیة مجملة فی
حق المفضل علیهم والمجمل ان
لم یبین عد من المتشابهات و
لم یعدها أحد منها لکنا بحمد
الله وجدنا البیان من صاحب
البیان علیه افضل الصلٰوة
والسلام، اخرج الامام ابوعمر بن
عبد البر من حدیث مجالد عن شعبی
قال سألت ابن عباس او سئل
ایّ الناس اول اسلامًا قال اما
سمعت قول حسان بن
ثابت ؎

کی طرف اور نماز کے بعد حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام
کے قول "اے رب! دعا سن لے اور قبول فرما،
اللہ اکبر اللہ اکبر" کی طرف۔ اکبر کے مرفوع ہونے
کی روایت پر اس حدیث کو روایت کیا ابوداؤد، نسائی
اور ابن السنی نے، اور صفا و مروہ کے درمیان ابن مسعود
رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول "اے رب بخش دے
اور مہر فرما بیشک تو ہی عزت والا اکرم والا ہے"
کو نہیں دیکھتے۔ اسے روایت کیا ابن ابی شیبہ
نے، بلکہ سجدے میں ہر نمازی کے قول "سبحان
ربی الاعلٰی" کو نہیں دیکھتے اور تیسری تقدیر
پر یہ آیت مفضل علیہم کے حق میں مجمل ہوگی اور مجمل آیت کا بیان
اگر نہ ہوا ہو تو وہ متشابہ آیتوں میں شمار ہوگی حالانکہ
اس آیت کو کسی نے متشابہات میں شمار نہ کیا،
لیکن ہم نے بحمد اللہ اس آیت کا بیان صاحب بیان
حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے پایا۔ امام
ابوعمر ابن عبد اللہ نے روایت کی حدیث مجالد سے
انھوں نے شعبی سے روایت کی کہ انھوں نے
فرمایا کہ میں نے حضرت ابن عباس (رضی اللہ
تعالٰی عنہما) سے پوچھا یا ابن عباس سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے
پہلے کون اسلام لایا؟ انھوں نے فرمایا: کیا تم نے
حسان بن ثابت کے یہ شعر نہ سنے:

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الصلٰوۃ باب ما یقول الرجل اذا سلم آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۱۱
عمل الیوم واللیلۃ باب ما یقول فی دبر صلٰوۃ الصبح دائرۃ المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن ص ۳۲
[2] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الحج باب ۶۰۴ حدیث ۱۵۵۶۰ دارالکتب العلمیہ بیروت ۳/۴۰۳

اذا تذكرت شجوًا من اخي ثقة
فاذكر اخاك ابا بكر بما فعلا
خير البرية اتقاها و اعدلها
بعد النبي واوفاها بما حملا
والثاني التالي المحمود مشهده
واول الناس منهم صدق الرسلا انتهى[1]

انبانا عبد الرحمن عن ابن عبد الله المكي عن عابد الزبيدي المدني عن الفلاني عن ابن السنة عن الشريف عن ابن ارکماش عن ابن حجر العسقلاني عن الكمال ابي العباس أنا ابو محمد عبد الله بن الحسين بن محمد بن ابي التائب عن محمد بن ابي بكر البلخي عن الحافظ السلفي عن ابي عمران موسٰى بن ابي تلميد عن الامام ابي عمر يوسف بن عبد البر، قال في الاستيعاب يروى أن رسول الله

(ترجمۂ اشعار) "جب تجھے سچے دوست کا غم یاد آئے، تو اپنے بھائی ابوبکر کو ان کے کارناموں سے یاد کر جو نبی (صلے اللہ تعالٰے علیہ وآلہ وسلم) کے بعد ساری مخلوق سے بہتر، سب سے زیادہ تقوٰی اور عدل والے، اور سب سے زیادہ عہد کو پورا کرنے والے، جو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ غار میں رہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سفرِ ہجرت میں چلے، جن کا منظر محمود ہے اور لوگوں میں سب سے پہلے جنھوں نے رسولوں کی تصدیق کی" (صلے اللہ تعالٰی علٰی سیدنا محمد وسلم)۔

ہمیں خبر دی عبدالرحمٰن نے انھوں نے روایت کی ابن عبداللہ مکی سے انھوں نے روایت کی عابد زبیدی مدنی سے انھوں نے روایت کی فلانی سے وہ روایت کرتے ہیں ابن السنۃ سے وہ روایت کرتے ہیں شریف سے وہ روایت کرتے ہیں ابن ارکماش سے وہ روایت کرتے ہیں ابن حجر عسقلانی سے وہ راوی ہیں کمال ابوالعباس سے انھوں نے کہا ہمیں خبر دی ابومحمد عبداللہ بن حسین بن محمد بن ابی التائب نے محمد بن ابی بکر بلخی سے وہ راوی ہیں حافظ سلفی سے وہ راوی ہیں ابوعمران موسٰی بن ابی تلمید سے وہ روایت کرتے ہیں امام ابوعمر یوسف بن عبدالبر سے، ابن عبدالبر نے استیعاب میں فرمایا کہ

---

[1] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب حرف العین ترجمہ ۱۶۵۱ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳/۹۳

صلى الله تعالٰی علیہ وسلم قال لحسان "هل قلت فی ابو بکر شیئا؟" قال نعم، و انشد هذہ الابیات و فیها بیت رابع وهی :

والثانی اثنین فی الغار المنیف وقد
طاف العدو به اذ صعد والجبلا۔

فسر النبی صلی الله تعالٰی علیہ وسلم بذلک فقال احسنت یا حسان[1] وقد روی فیها بیت خامس :

وکان حب رسول الله قد علموا
خیر البریة لم یعدل به رجلا[2]

انتهٰی۔

روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حسان سے فرمایا کیا تم نے ابوبکر کے بارے میں کچھ کہا ہے؟ انھوں نے عرض کی : جی۔ اور حضرت حسان نے حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یہ شعر سنائے اور ان میں چوتھا شعر ہے وُہ یہ ہے (ترجمہ) "غار شریف میں وہ دوسری جان درانحالیکہ دشمن اس کے گرد چکر لگاتے تھے جبکہ وُہ دشمن (صدیق اکبر کی نظروں کے سامنے) پہاڑ پر چڑھے تھے۔" تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اشعار کو سُن کر خوش ہوئے اور فرمایا : اے حسان! تم نے اچھا کیا! اور ان میں پانچواں شعر بھی مروی ہوا :

(ترجمہ) "شہرت، چمک یا حرارت محبت میں) رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے محبوب لوگوں نے انھیں جانا، تمام مخلوق سے بہتر، جس کے برابر حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کسی کو نہ رکھا۔"

قلت و یروی بدله ع

من الخلائق لم یعدل به بدلا[3]

قلت (میں کہتا ہوں) مصرعہ ثانی کے بجائے یوں بھی مروی :

(ترجمہ) "مخلوق سے کسی کو رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کے برابر نہ رکھا۔"

وحدیث ابن عباس رواہ

اور حدیث ابن عباس کو طبرانی نے بھی

---

[1] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ترجمہ ۱۶۵۱ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۹۲
[2] و [3] المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳/ ۶۴

الطبرانی ایضا فی المعجم الکبیر[1] وعبد اللہ
بن احمد فی زوائد الزھد، و اما
الحدیث المرفوع اعنی بہ استماع النبی
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اشعارہ و
تحسینہ علیھا فاصلہ مروی ایضا عند
الحاکم من حدیث غالب بن عبد اللہ عن
ابیہ عن جدہ جبیب بن[2] ابی حبیب
وعند ابی سعد فی الطبقات
وعند الطبرانی عن الزھری
ورواہ الحاکم ایضا من حدیث
مجالد عن الشعبی من
قولہ کمثل حدیث[3] ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما
والاصولی یعرف ان الموقوف
فی مثل ھذا کالمرفوع اذ المجمل
لایبین بالرائ ولھذا ان لم
یبین وانقطع(عہ) نزول القرآن
عاد متشابھا، ثم ان

روایت کیا معجم کبیر میں، اور عبد اللہ بن احمد نے
زوائد زہد میں۔ رہی حدیث مرفوع یعنی نبی صلی اللہ
تعالٰی علیہ وسلم کا حضرت حسّان کے اشعار کو سن کر
انھیں سراہنا تو اس کی اصل بھی مستدرک حاکم
میں غالب بن عبد اللہ کی حدیث میں بطریق
غالب بن عبد اللہ عن ابیہ عن جدہ جبیب بن
ابی حبیب مروی ہے (یعنی یہ حضرت غالب بن
عبد اللہ نے اپنے والد عبد اللہ سے سنی انھوں
نے اپنے باپ غالب کے دادا حبیب بن
ابی حبیب سے سنی) اور طبقات ابن سعد میں
اور طبرانی میں زہری سے مروی ہے، اور نیز
حاکم نے مجالد کی حدیث میں بروایت شعبی ان کا
قول حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بلفظہٖ
مشابہ روایت کیا، اور اصولی جانتا ہے کہ ایسی
جگہ پر موقوف (صحابی کا قول) مرفوع (حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول) کی طرح ہے،
اس لئے کہ مجمل کا بیان رائے سے نہیں ہوتا لہذا
اگر شارع نے بیان نہ کیا اور قرآن کا نزول بند ہوگیا

عہ یہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وفات سے کنایہ ہے ۱۲ منہ

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۲۵۶۲ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲/ ۸۹
[2] المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳/ ۶۴ و ۷۸
کنز العمال حدیث ۳۵۶۷۳ و ۳۵۶۸۵ موسسۃ الرسالہ بیروت /۵۱۳ و ۵۲۳
الدر المنثور بحوالہ ابن عدی وابن عساکر مکتبۃ آیۃ اللہ العظمٰی قم ایران ۳/ ۳۴۱
[3] المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳/ ۶۴

البیان یلتحق بالمبین اذ لا یفید الا رفع التشکیک و تعیین احد المحتملات فکان حکمہ کحکم القرینۃ والمفاد انما ینسب الی الکلام کما اوضحتہ الاصول فثبت بالاٰیۃ تفضیلہ رضی اللہ تعالٰی عنہ علٰی کل من عداہ فی التقوٰی والحمد للہ علٰی ما اولٰی۔

اقول واخذ الافعل بمعنی کثیر الفعل فطام لہ عما یحتاج الیہ فی اصل وضعہ اعنی المفضل علیہ فیکون صرفا عن المعنی الحقیقی المتبادر فلا بد من قرینۃ واین القرینۃ ولتکن حاجۃ وماذا الحاجۃ نعم ھذا مفاد صیغۃ المبالغۃ وشتان ماھما فلیتنبہ لھذا واللہ تعالٰی الموفق۔

الشبھۃ الثالثۃ وھی تتعلق بالکبری من قیاس اھل السنۃ والجماعۃ ان المحمول فی قولہ تعالٰی "ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم"[1] ھو الاتقٰی فکان حاصل المقدمتین ان

تو مجمل متشابہ ہوجائے گا، پھر بیان مبین (مجمل) سے ملحق ہوگا اس لئے کہ بیان کا یہی فائدہ ہے کہ شک دور کرے اور محتمل معانی میں سے کوئی ایک معین کردے تو بیان کا حکم وہی ہے جو قرینہ کا ہے اور کلام کا مفاد کلام ہی کی طرف منسوب ہوتا ہے جیسا کہ اصول فقہ نے واضح کیا تو اس آیت سے صدیق اکبر کی فضیلت تقوٰی میں ہر امتی پر ثابت ہوگئی اور اللہ تعالٰی کیلئے اس کی نعمتوں پر حمد ہے۔

میں کہتا ہوں اور افعل کو بمعنی کثیر الفعل لینا اس کو اس شے سے الگ رکھنا ہے جس کا وہ اصل وضع کے لحاظ سے محتاج ہے یعنی مفضل علیہ تو یہ معنی حقیقی متبادر سے پھیرنا ہوگا اب تو قرینہ ضروری ہے اور قرینہ کہاں اور اس کے لئے حاجت بھی چاہئے اور حاجت کیا ہے، ہاں یہ مبالغہ کے صیغہ کا مفاد ہے اور اسم تفضیل اور مبالغہ میں فرق ہے۔

تیسرا شبہہ اس کا تعلق اہلسنت وجماعت کے قیاس کے کبرٰی کے ساتھ ہے کہ اللہ تعالٰی کے قول "ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم" میں محمول الاتقٰی ہے ______ تو دونوں مقدموں کا حاصل یہ ہوا کہ صدیق اتقٰی ہیں اور

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/۱۳

الصديق اتقى وكل اكرم اتقى وهذا
ليس من الشكل الاول فى شئ ولا ثانيًا
ايضًا لعدم الاختلاف فى الكيف وان عكستم
الكبرٰى جاءت جزئية لاتصلح لكبروية
الشكل الاول فمفاد الاٰيتين لا يضرنا و
لاينفعكم ومن الشبهة هى اللتى
بلغنى عن بعض المفضلة عرضها
علٰى بعض المتكلمين منا ۔

وانا **اقول** وباللّٰه التوفيق
مااستخفه تشكيكا واضعفه دخلًا
ركيكًا غلط ساقط باطل عاطل لايستحق
الجواب ولكن اذا قيل و سئل فلابد
من ابانة الصواب فاعلم ان اللطيف
الخفى وفقنى لازهاق هذا
التلبيس الفلسفى باثنى عشر
وجها امهاتها ثلثة وجوه
كل منها يكفى ويشفى ۔

الاوّل لوكان لهذا القائل
علم بمحاورات القراٰن او الحديث
او بما روى العلماء فى شان النزول او
التفسير المرفوع الى جناب الرسول
صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم اوكلمات العلماء
والائمة الفحول او رزق حظا من
فهم الخطاب و درك المفاد و

ہر اکرم اتقی ہے اور یہ کسی طرح شکل اول کے قبیل
سے نہیں اور شکل ثانی بھی نہیں اس لئے کہ کیف
میں اختلاف نہیں ہے، اور اگر کبریٰ کا عکس
کر دیا جائے اس صورت میں موجبہ جزئیہ ہوگا جو
شکل اوّل کے کبریٰ بننے کے لائق نہیں، تو دونوں
آیتوں کا مفاد ہمیں مضر نہیں اور تمھیں مفید نہیں،
اور یہ وہی شُبہہ ہے جس کے بارے میں مجھے خبر
پہنچی کہ کسی تفضیلی نے ہمارے کسی عالم سے
عرض کیا۔

اور میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ ہی سے
ہے، یہ کتنی سخیف تشکیک ہے اور کس قدر ضعیف
اعتراض رکیک ہے جو غلط ہے ساقط ہے باطل
عاطل ہے جواب کا مستحق نہیں، لیکن یہ جب کہا گیا
اور پُوچھا گیا تو صواب کو ظاہر کرنا ضروری ہے،
اب تم جانو کہ اللہ لطیف خفی نے اس قید فلسفی
کے قلع قمع کے لئے مجھے بارہ[12] وجوہ سے توفیق
بخشی ان بارہ[12] کی اصل تین[3] وجہیں ہیں ان میں سے
ہر ایک کافی و شافی ہے؛

پہلی یہ کہ اگر اس معترض کو قرآن و
حدیث کے محاورات یا شانِ نزول میں علماء کی
روایات جناب رسول صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی
طرف منسوب و مرفوع تفسیر یا علماء اور جلیل القدر
ائمہ کے کلمات کا علم ہوتا یا نظمِ قرآن کی سمجھ اور
مفاد و معنی کی فہم اور کلام کو غرض مقصود پر رکھنے
سے کچھ حصہ روزی ہوا ہوتا تو وہ جان لیتا کہ اکرم

تنزیل الکلام علی الغرض المراد لعلمات
حمل الاکرم ھو المعتبر وصدر الکلام
بتصدیر الخبر و ذٰلک لوجوہ اوقفنی
اللہ تعالٰی علیھا بمنہ وعمیم کرمہ۔

فاقول اولاً کانت الجاھلیۃ
تتفاخر بالانساب وتظن ان الانسب
ھو الافضل فجاءت کلمۃ الاسلام
برد کلمۃ الجاھلیۃ ان اکرمکم
عند اللہ اتقٰکم[1] فالنزاع انما
وقع فی موصوف الافضل
لا فی صفتہ وھذا کما
اذا سأل سائل عن الذ
الاطعمۃ فقال قائل الحامض
الذ فتقول رادا علیہ لا بل
الذھا احلاھا فانما
ترید ان الاحلی ھو الالذ
والوجہ ان الاتقی فی
الاٰیۃ کالاحلی فی
قولک ھذہ مرأۃ
لملاحظۃ الذات و
الاکرم حکم علیہ کالالذ
وانما الخبر ما حکم بہ

کو محمول بنانا ہی معتبر ہے تو کلام اس طرح صادر
ہوا کہ اس میں تقدیم خبر ہے اور یہ دعوی چند
دلیلوں سے ثابت ہے اس پر اللہ تبارک و
تعالٰی نے مجھے اپنے احسان اور لطفِ عام سے
مطلع کیا۔

فاقول (میں کہتا ہوں) **اولاً** اہلِ
جاہلیت نسبت پر فخر کرتے تھے اور وہ گمان کرتے
تھے کہ جس کا نسب بہتر ہے وہی افضل ہے تو
اسلام کا کلمہ جاہلیت کے بول کو رَد کرتا ہُوا آیا
ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (بے شک اللہ
کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے
جو سب سے بڑا پرہیزگار ہے) تو نزاع تو اس
میں ہے کہ وصفِ اول کا موصوف کون ہے
نہ کہ صفت افضل میں۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے
کہ کوئی پوچھنے والا پوچھے کہ کھانوں میں سب سے
مزیدار کھانا کون سا ہے؟ تو کوئی کہے کہ الذھا
اخلاھا (کھٹا سب سے زیادہ مزیدار ہے)
تو اس کا رَد کرنے کو تم یوں کہو، نہیں بلکہ الذھا
احلاھا (سب سے زیادہ مزیدار میٹھی چیز ہے)
تو ہماری مراد یہی ہے کہ سب سے زیادہ میٹھا سب
سے زیادہ مزیدار ہے اور وجہ یہ ہے کہ اس آیت
میں اتقی تمہارے اس قول "ذات کے ملاحظہ کیلئے
یہ آئینہ ہے" میں احلی کی مثل ہے اور اکرم

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/۱۳

لاما حکم علیہ ولقد دری من لہ
قلیل ممارسة بکلام العرب ان الذھن
اوّل ماتلقی الیہ امثال ھذا
الکلام لایسبق الا الی ان المراد
مدح الاتقیاء والترغیب فی
التقوی والوعد الجمیل بان
من یتق یکن کریما علینا عظیما
لدینا وھکذا فھم المفسرون
فھذا الزمخشری النکتة فی الادب
الشامة فی معرفة کلام العرب
یقول فی تفسیرہ" المعنی ان الحکمة
التی من اجلھا رتبکم علی شعوب و
قبائل ھی ان یعرف بعضکم نسب بعض
فلا یعتزی الی غیر ابائہ لا ان تتفاخروا
بالاباء والاجداد وتدعوا التفاوت و
التفاضل فی الانساب ثم بیّن الخصلة التی
بھا یفضل الانسان غیرہ ویکتسب الشرف
والکرم عند اللہ تعالی[1] فقال
انّ اکرمکم عند اللہ اتقاکم"
وقرئ اَنّ بالفتح کانہ قیل
لا یتفاخر بالانساب، فقیل
لان اکرمکم عند اللہ
اتقاکم لا انسبکم الخ
وبمثلہ قال الامام

محکوم علیہ ہے جیسے الذ۔ اور خبر تو محکوم بہ
ہوتی ہے نہ کہ محکوم علیہ۔ اور بیشک وہ سمجھتا ہے
جسے کلام عرب سے تھوڑا سا سابقہ ہو کہ جیسے ہی ایسا
کلام ذہن میں آتا ہے اس کی سبقت اسی طرف
ہوتی ہے کہ مراد پرہیزگاروں کی تعریف اور تقویٰ
کی رغبت دلاتا ہے اور یہ وعدۂ جمیل کہ جو تقویٰ اختیار
کرے گا ہمارے یہاں عزت وکرامت والا ہوگا۔
اور اسی طرح مفسرین نے سمجھا تو یہ زمخشری جو ادب
میں نکتہ کی مانند اور کلام عرب میں تل کی مثال سے
ہے اپنی تفسیر میں قائل ہیں بیشک وہ حکمت جس کی
وجہ سے تمہاری ترتیب کنبوں اور قبیلوں پر رکھی وہ
یہ ہے کہ ایک دوسرے کا نسب جان لے۔ تو
اپنے آباء واجداد کے سوا دوسرے کی طرف اپنی
نسبت نہ کرے نہ یہ کہ تم آباء واجداد پر فخر کرو
اور نسب میں فضیلت اور برتری کا دعویٰ کرو پھر
اللہ نے وہ خصلت بیان کی جس سے انسان دوسرے
سے برتر ہوتا ہے اور اللہ کے یہاں عزت و
بزرگی کا اکتساب کرتا ہے تو اللہ نے فرمایا
اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللہِ اَتْقٰکُم۔ اور ایک
قراءت اَنَّ فتح ہمزہ کے ساتھ ہے گویا کہ
کہا گیا ہے کہ نسب پر فخر کیوں کیا جائے تو بتایا گیا کہ
اس وجہ سے کہ تم میں سب سے زیادہ عزت
والا اللہ کے نزدیک وہ جو سب سے زیادہ
پرہیزگار ہے نہ وہ جو سب سے بڑے نسب والا ہو الخ

[1] الکشاف تحت الآیۃ ۱۳/۴۹ دار الکتاب العربی بیروت ۴/۳۷۵

النسفی فی المدارک[1]
اور اسی طرح امام نسفی نے مدارک میں فرمایا۔

واقول ثانیًا القراٰن انما نزل لبیان الاحکام التی لا یطلع علیہا الا باطلاع اللّٰہ سبحٰنہ وتعالٰی کالنجاۃ والھلاک والکرامۃ والھوان والرد والقبول والغضب والرضوان لا لبیان الامور الحسیۃ وکون الرجل تقیا او فاجرا مما یدرك بالحس ففی جعل الاکرم موضوعًا کقلب الموضوع ولقد کان ھذا الوجہ من اول ماسبق الیہ فکری حین استماع الشبھۃ ثم فی اثناء تحریر الرسالۃ لما راجعت مفاتیح الغیب رأیت الفاضل المدقق تنبہ للشبھۃ ودندن فی الجواب حول ما اومانا الیہ حیث یقول "فان قیل الاٰیۃ دلت علی ان کل من کان اکرم کان اتقی" وذٰلك لا یقتضی ان کل من کان اتقی کان اکرم، قلنا وصف کون الانسان اتقی معلوم مشاھد

اقول ثانیًا قرآن تو ان احکام کے بیان کے لئے نازل ہوا ہے جن کا علم اللہ سبحٰنہ وتعالٰی کے اطلاع کے بغیر نہیں ہوسکتا جیسے کہ نجات و ہلاکت، عزت وذلت اور مردود و مقبول ہونا اور غضب ورضائے الٰہی‘ یہ محسوسات کے بیان کے لئے نہیں اترا اور آدمی کا پرہیزگار یا مددگار ہونا ان باتوں سے ہے جن کا علم احساس سے ہوتا ہے تو اکرم کو موضوع بنانا قلب موضوع ہے اور بیشک یہ وجہ ان باتوں سے ہے جن کی طرف میری فکر نے شبہہ کو سُن کر سبقت کی، پھر اس رسالہ کی تصنیف کے دوران جب میں نے تفسیر "مفاتیح الغیب" دیکھی تو میں نے فاضل مدقق کو دیکھا کہ وہ اس شبہہ کی طرف متنبہ ہوئے اور جواب میں جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا اس کے گرد مبہم کلام فرمایا اس لئے کہ وہ فرماتے ہیں پھر اگر کہا جائے کہ یہ آیت تو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہر وہ شخص جو اکرم (بڑا عزت والا) ہوگا‘ اتقٰی (بڑا پرہیزگار) ہوگا‘ اور یہ اس بات کا مقتضی نہیں کہ ہر وہ شخص جو اتقی (بڑا پرہیزگار) ہو وہ اکرم (بڑا عزت دار) ہو۔ ہم کہیں گے کہ انسان کا اتقی ہونا وصفِ معلوم ومحسوس ہے

---

[1] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) تحت الآیۃ ۴۹/۱۳ دار الکتاب العربی بیروت ۴/۱۶۳

ووصف كونه افضل غير معلوم و لامشاهد والاخبار عن المعلوم بغير المعلوم هو الطريق الحسن، اما عكسه فغير مفيد، فتقدير الاٰية كانه وقعت الشبهة فى ان الاكرم عند الله من هو؟ فقيل هو الاتقى، واذا كان كذٰلك كان التقدير اتقٰكم اكرمكم عند الله[1] انتهى۔

اور انسان کا افضل ہونا نہ وصف معلوم ہے اور نہ محسوس۔ اور معلوم کے بارے میں وصف غیر معلوم کے ذریعہ خبر دینا، یہی بہتر طریقہ ہے۔ رہا اس کا عکس، تو وہ مفید نہیں۔ تو آیت میں عبارت مقدر ہے، گویا کہ اس بارے میں شبہہ ہوا کہ اللہ کے نزدیک اکرم کون ہے؟ تو فرمایا گیا کہ اکرم اتقی ہے، اور جب بات یوں ہے تو آیت کی تقدیر یوں ہوگی اتقٰکم اکرمکم عند اللہ (تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار اللہ کے نزدیک تم سب میں عزت والا ہے)۔

قلت ولعلك لا يخفى عليك ما بين التقديرين من الفرق و ما بين هذا الوجه ووجوهنا الباقية من التفاوت العظيم "ذٰلك فضل الله يؤتيه من يشاء"[2]۔ والحمد لله رب العٰلمين۔

قلت (میں کہتا ہوں) اور شاید تم پر پوشیدہ نہ ہو وہ فرق جو دونوں تقدیروں میں ہے اور وہ عظیم تفاوت جو اس وجہ میں اور ہماری باقی وجوہ میں ہے یہ اللہ کے فضل میں ہے جسے چاہتا ہے دے دیتا ہے۔ اور سب تعریفیں اللہ کے لئے جو رب ہے جہان والوں کا۔

ثم اقول عسى ان يزعجك الوهم الصئول فيلجئك ان تقوم تقول اليس التقوٰى من افعال القلوب، قال الله سبحٰنه و

ثم اقول (پھر میں کہتا ہوں) قریب ہے کہ تمہیں وہم بے چین کرے پھر تمہیں مجبور کرے کہ تم کھڑے ہو کر یہ کہو کہ کیا تقوٰی افعال القلوب سے نہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۱۷/۹۲ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۲۰۵/۳۱

[2] القرآن الکریم ۵/۵۴

تعالیٰ" اولئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوٰی"[1] وقال تعالیٰ " ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب"[2] وقال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم " التقوٰی ھٰھنا، التقوٰی ھٰھنا، التقوٰی ھٰھنا، یشیر الی صدرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔" اخرجہ مسلم[3] وغیرہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم " لکل شیئ معدن ومعدن التقوٰی قلوب العارفین" اخرجہ الطبرانی[4] عن ابن عمر والبیھقی عن الفاروق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنھما، فکیف قلتم انھا من المحسوسات۔

قلت بلٰی ان التقوٰی مقامھا القلب وعن ھذا قلنا ان الصدیق لما کان اتقی الامۃ باسرھا وجب ان یکون اعرفھا باللہ تعالیٰ

ہے: "یہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لئے پرکھ لیا ہے۔" اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے"۔ اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "تقوٰی یہاں ہے، تقوٰی یہاں ہے، تقوٰی یہاں ہے" حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ فرماتے تھے"۔ اس حدیث کو مسلم وغیرہ نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے: "ہر شئے کے لئے کان ہے اور تقوٰی کی کان اولیاء کے دل ہیں"۔ اس حدیث کو طبرانی نے ابن عمر سے اور بیہقی نے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا، تو آپ نے کیسے کہہ دیا کہ تقوٰی محسوسات سے ہے۔

قلت (میں جواب میں کہتا ہوں) ہاں بے شک تقوٰی کا مقام قلب ہے اور اسی وجہ سے ہم نے کہا کہ بے شک جب صدیق تمام امت سے زیادہ پرہیزگار ہوئے تو ضروری ہوا کہ وہ سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والے ہوں

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۳
[2] " " ۲۲/ ۳۲
[3] صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ باب تحریم ظلم المسلم وخذلہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۷
[4] المعجم الکبیر حدیث ۱۳۱۸۵ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۲/ ۳۰۳

لكن القلب امير الجوارح فاذا استولى
عليه سلطان شئ اذعنت له الجوارح
طوعًا و لمعت عليها آثاره جهرًا وهذا
مشاهد فى الحياء والحزن والفرح
والغضب وغير ذلك من صفات القلب
قال المصطفٰى صلى الله تعالٰى عليه وسلم
"الا وان فى الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد
كله واذا فسدت فسد الجسد كله الا وهى
القلب" اخرجه الشيخان[1] عن نعمان
ابن بشير رضى الله تعالٰى عنه، وقال
صلى الله تعالٰى عليه وسلم" اذا رايتم
الرجل يعتاد المسجد فاشهدوا له
بالايمان" اخرجه احمد[2] والترمذى
والنسائى وابن ماجة و
ابن خزيمة وابن حبان
والحاكم والبيهقى عن ابى سعيد

لیکن قلب اعضاء کا امیر ہے، تو جب قلب پر کسی
شے کا سلطان غالب ہوتا ہے تو تمام اعضاء اس
کے تابع ہو جاتے ہیں اور اعضاء پر اس کے
آثار صاف جھلکتے ہیں اور حیا و غم خوشی و غضب
وغیرہ صفاتِ قلب میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے
مصطفٰے صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں:
"خبردار! بیشک جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا
ہے جب وہ سدھرتا ہے پورا جسم سدھر جاتا ہے
اور جب وہ بگڑتا ہے پورا جسم بگڑ جاتا ہے سُنتے
ہو وہ قلب ہے۔" اس حدیث کو بخاری ومسلم
نے نعمان ابن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت
کیا اور حضور صلے اللہ تعالٰے نے فرمایا: جب
تم آدمی کو مسجد میں آنے جانے کا عادی پاؤ تو
اس کے مومن ہونے کی گواہی دو۔" اس
حدیث کو امام احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ،
ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم وبیہقی نے ابوسعید

---

[1] صحیح البخاری کتاب الایمان باب فضل من استبراء لدینہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳
صحیح مسلم کتاب المساقات باب اخذ الحلال وترک الشبہات " " ۲/۲۸
[2] جامع الترمذی کتاب التفسیر تحت الآیۃ ۹/۱۸ امین کمپنی دہلی ۲/۱۳۵
سنن ابن ماجۃ کتاب المساجد والجماعات باب لزوم المساجد الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۸
مسند احمد بن حنبل عن ابی سعید الخدری المکتب الاسلامی بیروت ۳/۶۸
المستدرک للحاکم کتاب الصلوٰۃ لبشر المشائین فی الظلم الی المساجد الخ دار الفکر بیروت ۱/۲۱۲
السنن الکبرٰی کتاب الصلوٰۃ باب فضل المساجد الخ دار صادر بیروت ۳/۶۶
موارد الظمآن الی زوائد الظمآن باب الجلوس فی المسجد بالخیر حدیث ۳۱۰ المطبعۃ السلفیہ ص ۹۹

الخدري رضي الله تعالیٰ عنه۔

اقول ثالثا كل ما ذكر في شان النزول فانما يستقيم و يطابق التنزيل اذا كان الموضوع هو الاتقى۔ اما اذا عكس فلا يتاتى ولا ياتي الرمي على المرمى، اما رواية يزيد بن شجرة فطريق الاستدلال فيها انكم استحقرتم هذا العبد لانه عبد اسود فقلتم عاد ذليلا وحضر جنازة ذليل لكنه عندنا كريم جليل اذ كان متقيا والفضل عندنا بالتقوىٰ فمن كان تقيا كان كريما عندنا وان كان عبدا اسود اجدع۔ وهذا الطريق هو المفهوم من الأية عند كل من له ذوق سليم، اما على ما زعمتم فيكون حاصل استدلال الله سبحٰنه و تعالیٰ انه كان كريما و كل كريم متق فلذا اعاده نبينا صلی الله تعالیٰ عليه وسلم وحضر دفنه، وهذا الطريق كما ترى اذ كان ينبغي الاستدلال الاستدلال بامر مسلم عندهم يستلزم ما لم يسلموه كالتقوىٰ على تقريرنا۔

خدری رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے روایت کیا۔

اقول ثالثاً جو کچھ آیت کریمہ کے شان نزول میں مسطور ہوا وہ تو اسی وقت راس آتا ہے اور تنزیل کے مطابق ہوتا ہے جب آیت کریمہ میں اتقیٰ ہی موضوع ہو۔ رہی وہ صورت جب اس کا عکس کردیں تو بات نہیں بنتی، ہر تیر نشانے پر نہیں بیٹھتا۔ رہی یزید ابن شجرہ کی روایت تو اس میں استدلال کا طریقہ یہ ہے کہ اے لوگو! تم نے غلام کو حقیر جانا اس لئے کہ سیاہ فام غلام ہے تو تم نے اعتراض کیا کہ ذلیل کی عیادت کی ذلیل کے جنازہ میں حاضر ہوئے، لیکن وہ غلام ہمارے نزدیک باعزت جلیل القدر ہے اس لئے کہ وہ متقی تھا اور ہمارے یہاں بزرگی تقویٰ سے ہے تو جو متقی ہوگا ہماری بارگاہ میں عزت والا ہوگا اگرچہ کالا نکٹا غلام ہو۔ اور آیت سے ہر ذوق سلیم والے سے یہی طریق استدلال مفہوم ہوتا ہے، اور تمہارے زعم پر اللہ تبارک وتعالےٰ کے استدلال کا حاصل یوں ہوگا کہ وہ بے شک عزت والا تھا اور ہر عزت والا متقی ہے اسی لئے تو ہمارے نبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اس کی عیادت کی اور اس کے دفن میں شریک ہوئے۔

اور یہ طریق استدلال جیسا ہے تمہیں معلوم ہے اس لئے کہ دلیل لانا ایسے امر سے چاہئے تھا جو کفار کو مسلّم ہو اور جو اس کو مستلزم ہو جس کو وہ تسلیم نہیں کرتے جیسے تقویٰ ہماری تقریر پر۔

وأما الكرامة فلم تكن ثابتة
عندهم والا لما قالوا ما قالوا على
ان المقدمة المذكورة في الأية تبقى
ح عبثاً والعياذ بالله تعالى فان
الرد عليهم تم بالمطوية القائلة
انه رجل كريم عند الله تعالى
وبعد ذلك اى حاجة الى ان
يقال كل كريم متق اذ لم يكن
نزاعهم في التقوى بل في الكرم.
وبالجملة يلزم اخذ المدعى صغرى
واستنتاج ماليس بمدعى وهكذا
يجرى الكلام في رواية مقاتل و
استحقار قريش سيدنا عتيق العتيق
اعتقنا الله بهما من عذاب
الحريق، أمين!

ولنقرر بعبارة أخرى قال
"كل جديد لذيذ" كان طريق
استدلالهم على حقارته رضي الله
تعالى عنه بانه عبد ولا شئ من
العبد كريماً فهو ليس بكريم والأية
نزلت في الرد عليهم فلا بد من
نقض احدى المقدمتين من قياسهم
لكن الصغرى لامرد لها، فتعين ان
الأية انما تبطل الكبرى باثبات

رہی عزت (اس سیاہ فام غلام کی) کافروں
کے نزدیک ثابت ہی نہ تھی ورنہ یہ کافر وہ کچھ نہ کہتے
جو انھوں نے کیا۔ علاوہ ازیں وہ مقدمہ جو اس آیت
میں ذکر ہوا اس تقدیر پر عبث ٹھہرے گا والعیاذ
باللہ اس لئے کہ کفار پر رد تو اس قضیۂ مطویہ (پوشیدہ)
سے تمام ہو لیا جس میں یہ دعویٰ ہے کہ وہ غلام، اللہ
کے نزدیک باعزت ہے۔ اس کے بعد کون سی
حاجت ہے کہ کہا جائے کہ ہر کریم، متقی ہے اس لئے
کہ کافروں کا نزاع تقویٰ میں نہ تھا بلکہ کرامت میں تھا۔
بالجملہ اس تقدیر پر لازم آتا ہے کہ مدعا صغری ہو اور
نتیجہ وہ نکلے جو مدعا نہیں اور یونہی کلام روایت مقاتل
میں اور قریش کی جانب سے سیدنا عتیق العتیق
(حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے غلام حضرت
بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ) کی تحقیر میں جاری ہوگا۔
اللہ تبارک وتعالٰی ہمیں ان دونوں کے صدقے میں
جہنم کے عذاب سے آزاد فرمائے۔ آمین!
اور ہم بلفظ دیگر تقریر کریں کہ "کل جدید
لذیذ"، کفار کا طریق استدلال حضرت بلال
رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حقارت پر بایں طور تھا
کہ وہ غلام ہیں اور کوئی غلام عزت والا نہیں
ہوتا تو عزت والے نہیں، اور یہ آیت کفار
کے رد میں اتری لہذا ان کے قیاس میں دو
مقدموں میں سے ایک کا نقض ضروری ہے لیکن
صغریٰ کا رد نہیں ہو سکتا۔ اب متعین ہوا کہ
آیت کبریٰ کا ہی ابطال کرتی ہے اس کی نقیض

نقیضها وهو ان بعض العبید
کریم ولا یمکن اثباته الا علی
طریقتنا بان نقول بعض العبید
یتقی الله تعالیٰ ومن یتقی الله تعالیٰ
فهو کریم ، اما علیٰ طریقتکم فی اصل
المقدمتین ان بعض العبید متق
وکل کریم متق وهذا هو القیاس
الذی انتم دفعتموه وهکذا یتمشی
التقریر فی روایة ابن عباس
رضی الله تعالیٰ عنهما بکلا
الوجهین ۔

ولنقرره بعبارة ثالثة
استحقر ثابت بن قیس رضی الله تعالیٰ
عنه بعض اهل المجلس بقوله یا ابن
فلانة ای یا دنی النسب فرد الله سبحٰنه
وتعالیٰ علیه بانك ان زعمت ان
بعض الادانی فی النسب لا یکون
کریمًا فقولك هذا صادق
لکن علام استحقرت هذا بخصوصه
اذ یجوز ان لایکون هذا من
ذٰلك البعض وان اردت السلب الکلی
فباطل قطعًا اذ لو صدق لصدق
ان بعض المتقین لیس کریمًا لان
بعضهم دنی النسب فلو یکن
کریمًا عندك لکن التالی باطل

کے اثبات کے ذریعہ اور کفار کے کبریٰ کی نقیض یہ ہے
کہ بعض غلام باعزت ہیں اور اس کا ثابت کرنا
ممکن نہیں مگر ہمارے طریقے پر بایں طور کہ ہم کہیں
بعض غلام، اللہ تبارک و تعالےٰ سے ڈرتے ہیں
اور جو اللہ سے ڈرتا ہے وہی عزت والا ہے۔
رہا اصل مقدمتین میں تمہارے طریقے پر یہ قیاس
کہ بعض غلام متقی ہیں۔ اور ہر عزت والا متقی ہے
تو یہ وہی قیاس ہے جس کو تم دفع کر چکے - اور
یونہی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی
روایت میں دونوں وجوہ کے ساتھ یہ تقریر
چلے گی۔

اور ہم تقریر مدعا تیسری عبارت سے
کریں حضرت ثابت ابن قیس رضی اللہ تعالےٰ عنہ
نے بعض اہل مجلس کی تحقیر کی انہیں، "یا ابن فلانہ"
(اے فلانی کے بیٹے) کہہ کر یعنی اے نسب
میں کمتر، تو اللہ تبارک و تعالےٰ نے ان کا رد
یوں فرمایا کہ تمہارا گمان یہ ہے کہ کچھ کمتر نسب والے
شریف نہیں ہوتے تو تمہاری یہ بات سچی ہے
لیکن تم نے خاص اس شخص کو کس بنیاد پر حقیر جانا؟
اس لئے کہ ممکن ہے کہ یہ ان بعض میں سے نہ ہو
اور اگر تمہاری مراد سالب کلی ہے تو یہ قطعًا باطل
ہے اس لئے کہ اگر یہ صادق ہو تو یقینًا یہ صادق
ہوگا کہ بعض متقی شریف نہیں اس لئے کہ ان میں
کے بعض نسب میں کمتر ہیں تو تمہارے نزدیک
شریف نہ ہوں گے لیکن تالی باطل ہے اس لئے

لصدق نقيضه وهو ان كل متق كريم فالمقدم مثله، هذا على طريقتنا اما على طريقتكم فالمقدمة الاستثنائية ان كل كريم متق وهو لا يرفع اللازم فلا يرفع الملزوم اتقن هذا فان الفيض مدرار. والحمد لله.

کہ اس کی نقیض صادق ہے اور وہ یہ کہ ہر متقی کریم ہے تو مقدم بھی اسی کی طرح باطل ہے یہ ہمارے طریقے پر ہے لیکن تمہارے طریقے پر تو مقدمہ عہ استثنائیہ یہ ہے کہ ہر شریف متقی ہے اور یہ لازم کو مرتفع نہیں کرتا تو ملزوم کو بھی مرتفع نہ کریگا۔ اس تقریر کو خوب ضبط کر لو اس لئے کہ فیض (کا دریا) زوروں پر ہے، اور تمام خوبیاں اللہ ہی کی ہیں۔

اقول رابعًا الاحاديث التي

جاءت تفسيرا الآية او ترد مورد مشرعها او تلحظ ملحظ منزعها انما تعطي ما ذكرنا من المفاد و تابي عما بغيتم من الافساد و منها ما انبانا المولى السراج عن الجمال عن عبد الله السراج ح وعاليًا بدرجة عن ابيه عبد الله السراج عن محمد بن هاشم ح ومساويا للعالي عن الجمال عن السندي ح و شافهني عاليا بدرجتين

اقول رابعًا

وہ احادیث جو اس آیت کی تفسیر کرتی ہے یا اس کے گھاٹ کے راستے پر چلیں یا اس جگہ اشارہ کرتی ہیں جہاں سے اس کا تیر کھینچا وہ تو وہی مفاد دیتی ہیں جو ہم نے ذکر کیا اور اس فساد انگیزی سے انکار کرتی ہیں جو تم نے چاہا، منجملہ ان حدیثوں کے یہ ہے کہ جس کی خبر ہمیں مولی سراج نے دی وہ روایت کرتے ہیں جمال سے وہ روایت کرتے ہیں عبد اللہ سراج سے (ح) نیز ہم نے سراج سے یہ حدیث ایک درجہ عالی سند سے روایت کی وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ عبد اللہ سراج سے وہ روایت کرتے ہیں محمد بن ہاشم سے (تحویل) نیز اس سند سے اس روایت کی جو سند عالی کے

عہ مقدمہ استثنائیہ کو قیاس استثنائی بھی کہا جاتا ہے، اور قیاس استثنائی وہ ہے جس میں نتیجہ یا اس کی نقیض بالفعل مذکور ہو جیسے ہمارا یہ کہنا کہ "یہ اگر جسم ہے تو متحیز ہے" لیکن وہ جسم ہے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ متحیز ہے اور یہی بعینہٖ قیاس یعنی مقدمہ میں مذکور ہے اور نقیض کی مثال یہ کہ وہ متحیز نہیں تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ جسم نہیں اور اس کی نقیض کہ وہ جسم ہے مقدمہ میں مذکور ہے (تعریفات جرجانی ص ۱۵۹)

سیدی جمل اللیل عن السندی کلاھما عن صالح العمری باسانیدہ الامامین الجلیلین بسندھما الی سیدنا ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ای الناس اکرم، فقال اکرمھم عند اللہ اتقٰھم[1]

مساوی ہے انھوں نے روایت کی جمال سے وہ روایت کرتے ہیں سندی سے اور میرے اوپر دو درجہ عالی سند سے اس حدیث کو مجھے روایت کیا سیدی جمل اللیل نے وہ روایت کرتے ہیں سندی سے دونوں نے روایت کی صالح عمری سے ان امامین جلیلین (بخاری ومسلم) کی اسانید کے ساتھ ان دونوں اماموں نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سوال ہوا، لوگوں میں سب سے زیادہ عزت والا کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا اللہ کے نزدیک سب لوگوں سے بڑھ کر عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

اقول انظر الی اٰثار رحمۃ اللہ کیف یوضح الحجۃ ولا یدع لاحد حجۃ انما سئل المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بان ای الناس اکرم ای من الموصوف بہ لا ان الاکرم ما ھو بای نعت یزھو فاجاب بالاٰیۃ الکریمۃ فلولا ان الاتقی ھو الموضوع لما طابق الجواب

اقول (میں کہتا ہوں) اللہ تبارک وتعالٰی کی رحمت کے آثار دیکھو راستہ کو کس طرح واضح کرتا ہے یہ کسی کے لئے حجت نہیں چھوڑتا مصطفٰی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تو یوں سوال ہوا تھا کہ کون سا شخص سب سے زیادہ عزت والا ہے یعنی اس وصف سے کون موصوف ہے۔ یہ سوال نہ ہوا تھا کہ "اکرم کی ماہیت کیا ہے" "اکرم" (سب سے زیادہ عزت والا) اور کون سے وصف پر ناز کرتا ہے، تو سرکار نے

---

[1] صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ یوسف قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۷۹

[2] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل یوسف علیہ السلام " " " ۲/ ۲۶۸

السوال وعليك بتزكية الخيال ومن تمام نعمة الله تعالٰى ان فسر الشراح الحديث بما يعين المراد و يقطع كل وهم يراد۔

آیۃ کریمہ سے جواب دیا تو اگر بات یہ نہ ہوتی کہ اتقی (سب سے بڑا پرہیزگار) ہی موضوع ہے تو جواب سوال کے مطابق نہ ہوتا اس پر خیال کا تزکیہ ہے، اور اللہ تبارک وتعالٰی کی نعمت کی تمامی سے یہ ہے کہ حدیث کے شارحین نے اس کی تفسیر اس جملہ سے کردی جو مراد کو متعین کردیتا ہے اور وہم کا قاطع ہے۔

قال العلامة المناوی "اکرم الناس اتقهم لان اصل الکرم کثرة الخیر" فلما کان المتقی کثیر الخیر فی الدنیا وله الدرجات العلٰی فی الآخرة کان اعم الناس کرما فهو اتقهم[1]، انتهی۔

اس میں علامہ مناوی کا ارشاد ہے: اکرم الناس اتقاهم (سب لوگوں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے) اس لئے کہ کرم اصل میں کثرتِ خیر ہے، تو جب متقی دنیا میں خیرِ کثیر والا ہے اور آخرت میں اس کے درجے بلند ہوں گے، تو سب سے زیادہ کرم والا وہی ہے جو سب سے زیادہ تقوٰی والا، انتہی۔

انظر این ذهبت شبهتك الواهية فهل تری لها من باقیة، و منها ما انبانا المولٰی عبد الرحمٰن عن الشریف محمد بن عبد الله کما مضی عن علی بن یحیٰی الزیادی عن الشهاب احمد بن محمد الرملی عن الامام ابی الخیر السخاوی عن

دیکھو تمہارا واہی شبہہ کہاں گیا، اب اس کا کچھ نشان دیکھتے ہو۔ اور از انجملہ وہ حدیث ہے جس کی ہمیں خبر دی مولٰی عبدالرحمٰن نے، انھوں نے روایت کی سید محمد بن عبداللہ سے، جیسا کہ گزرا، اور وہ روایت کرتے ہیں علی بن یحیٰی زیادی سے، وہ روایت کرتے ہیں شہاب احمد بن محمد رملی سے، وہ روایت کرتے ہیں امام ابوالخیر سخاوی سے، وہ روایت کرتے ہیں

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث اکرم الناس اتقاهم مکتبۃ الامام الشافعی ۱/۲۰۳

العز عبد الرحیم بن فرات عن
الصلاح بن ابی عمر عن الفخر بن
البخاری عن فضل الله ابی سعید
التوقانی عن الامام محی السنة
البغوی انا ابوبکر بن ابی الهیثم
انا عبد الله بن احمد بن حمویة
انا ابراهیم بن خزیم ثنا عبد الله
بن حمید انا الضحاک بن مخلد
عن موسیٰ بن عبیدة
عن عبد الله بن دینار
عن ابن عمر ان النبی
صلی الله تعالیٰ علیه وسلم
طاف یوم الفتح علی راحلته
یستلم الارکان بمحجنته
فلما خرج لم یجد مناخا
فنزل علی ایدی الرجال
ثم قام فخطبهم فحمد الله
واثنی علیه، وقال الحمد
لله الذی اذهب عنکم غبیة
الجاهلیة وتکبرها بآبائها
انما الناس رجلان برتقی کریم علی
الله وفاجر شقی هین علی الله ثم تلا
"یا ایها الناس انا خلقنکم من ذکر
وانثیٰ" ثم قال اقول
قولی هذا واستغفر الله

عز عبد الرحیم بن فرات سے، وہ روایت کرتے
ہیں صلاح بن ابی عمر سے، وہ روایت کرتے ہیں
فخر ابن بخاری سے، وہ روایت کرتے ہیں فضل اللہ
ابو سعید توقانی سے، وہ روایت کرتے ہیں امام
ابی السنہ بغوی سے، وہ فرماتے ہیں ہمیں خبر دی
ابو بکر ابن ابی ہیثم نے عبد اللہ ابن احمد ابن حمویہ سے، وہ
فرماتے ہیں ہمیں خبر دی ابراہیم ابن خزیم نے، ہم
سے حدیث بیان کی عبد اللہ ابن حمید نے، ہمیں خبر دی
ضحاک ابن مخلد نے، وہ روایت کرتے ہیں اسکو
موسیٰ ابن عبیدہ سے، وہ روایت کرتے ہیں عبد اللہ
ابن دینار سے، وہ روایت کرتے ہیں حضرت
ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
فتح مکہ کے دن اپنی سواری پر طواف کیا،
ارکان کعبہ کا بوسہ اپنے عصائے مبارک سے
لیتے تھے، تو جب باہر تشریف لائے تو سواری
کو ٹھہرانے کی جگہ نہ پائی تو لوگوں میں سواری
سے اُتر گئے پھر کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور اللہ تبارک
وتعالیٰ کی حمد وثناء کی اور فرمایا: اللہ کے لئے حمد
جس نے تم سے جاہلیت کا گھمنڈ اور آبا و اجداد کا
غرور دور کیا ——— لوگوں میں دو قسم کے
مرد ہیں ایک نیک متقی اللہ کے یہاں عزت
والا، دوسرا بدکار بدبخت، اللہ کی بارگاہ میں
ذلیل۔ پھر یہ آیت پڑھی: "اے لوگو! ہم نے
تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا"، پھر فرمایا:
"میں یہ بات کہتا ہوں اور اللہ سے اپنے

لی ولکم[1]

اقول انظر کیف قسم المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخلق الی قسمین برتقی ووصفھم بالکرم وفاجر شقی ووصفھم بالھوان وھذا صریح فیما قلنا۔

ومنھا ما اخرج ابن النجار والرافعی عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من دعائہ: "اللھم اغننی بالعلم وزینی بالحلم واکرمنی بالتقوٰی وجملنی بالعافیۃ۔"[2] قال المناوی اکرمنی بالتقوی لاکون من اکرم الناس علیک ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم[3] اھ

اقول والوجہ حذف

لئے اور تمہارے لئے مغفرت چاہتا ہوں۔

اقول دیکھو مصطفٰے صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مخلوق کو دو قسم کیا ایک نیک پرہیزگار، اور ان کو عزت سے موصوف کیا۔ اور دوسرے بدکار، بدبخت، اور انھیں ذلیل بتایا۔ اور یہ ہمارے دعوٰی کی صریح دلیل ہے۔

ان احادیث میں سے ایک وہ ہے جس کی تخریج ابن نجار اور رافعی نے کی سیّدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰے عنہما سے، نبی کریم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی دُعا کے یہ کلمات مروی ہیں: "اے اللہ! مجھے علم کے ساتھ غنا، حلم کے ساتھ زینت، تقوٰی کے ساتھ اکرام اور عافیت کے ساتھ جمال عطا فرما۔" مناوی نے (دعا کا مطلب بیان کرتے ہوئے) کہا: "مجھے تقوٰی کے ساتھ اکرام عطا فرما تاکہ میں تیرے یہاں سب سے زیادہ عزت پانے والے لوگوں میں سے ہو جاؤں (بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے) اھ

میں کہتا ہوں صحیح یہ ہے کہ لفظ مِن

---

[1] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیۃ ۴۹/۱۳ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۴/۱۹۶

[2] کنز العمال بحوالہ ابن النجار حدیث ۳۶۶۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۲/۱۸۵ و ۲۰۲

الجامع الصغیر " ۱۵۳۲ دارالکتب العلمیۃ " ۱/۹۶

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث اللھم اغنی بالعلم الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/۲۲۱

من وكانه اراد ما تريد الامة عند الدعاء به تاسيا بالنبي صلى الله تعالى عليه وسلم۔

کو حذف کیا جائے۔ گویا اس کی مراد وہ ہے جس کا ارادہ نبی کریم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی پیروی میں دُعا کرتے ہوئے اُمّت کرتی ہے۔

ومنها ما اورد الزمخشری فی الکشاف[1] ثم الامام النسفی فی المدارک[2] عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من سرہ ان یکون اکرم الناس فلیتق اللہ اھ۔ وھذا ابین و اجلی۔

منجملہ ان حدیثوں میں سے یہ حدیث ہے جسے زمخشری نے کشاف میں پھر امام نسفی نے مدارک میں نبی صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم سے ذکر کیا فرمایا: جس کی یہ خوشی ہو کہ وہ سب لوگوں سے زیادہ عزت والا ہو تو اللہ تعالٰے سے ڈرے۔ اور یہ ظاہر تر ہے

واقول خامسًا العلماء ما فھموا من الاٰیۃ الا مدح المتقین ولم یزالوا محتجین بھا علٰی فضیلۃ التقوی و اھلھا فلو کان الامر کما زعمتم لانحض ھذہ التمسکات بحذافیرھا اذ لما کان المعنی ان کل کریم متق وھو لا یستلزم ان کل متق کریم فای مدح فیہ للمتقین و بم ذا یفضلون علی الباقین الا تری ان کل کریم انسان وحیوان وجسمان

اقول خامسا علمائے اس آیت سے متقی لوگوں کی تعریف ہی سمجھی اور اس آیت سے تقوٰی اور اہلِ تقوٰی کی فضیلت پر دلیل لاتے رہے، تو اگر معاملہ یوں ہوتا جیسا کہ تمہارا گمان ہے تو یہ تمام استدلال سرے سے باطل ہو جاتا اس لئے کہ جب معنٰی یہ ٹھہرے کہ ہر کریم متقی ہے اور یہ اس کو مستلزم نہیں کہ ہر متقی کریم ہو تو اس میں پرہیزگاروں کے لئے کون سی تعریف ہے اور پرہیزگار دوسروں سے کس وصف سے برتر ہوں گے کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہر کریم انسان، حیوان

---

[1] الکشاف تحت الآیۃ ۴۹/۱۳ دار الکتاب العربی بیروت ۴/۳۷۵

[2] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) " " ۴/۱۷۳

ولا یکون بھذا کل فرد من ھٰؤلاء محمودا فی الدین۔

اور جسم ہے اور اس کے ساتھ ان تینوں میں سے ہر فرد محمود نہیں ہوتا۔

فان قلت ان التقوی وصف خاص بالکرماء فلھذا استحق الثناء بخلاف ما ذکرتم من الاوصاف۔

فان قلت (تو اگر تم کہو کہ) بے شک تقوٰی کریموں کے ساتھ خاص ہے لہذا یہ وصف تعریف کا مستحق ہے بخلاف ان اوصاف کے جو آپ نے ذکر کئے۔

قلت الاٰن اتیت الی ابیت فان التقوٰی اذا اختص بھم و لم یوجد فی غیرھم وجب ان یکون کل متق کریما وفیہ المقصود قال المولی الفاضل الناصح محمد اٰفندی الرومی البرکلی فی الطریقۃ المحمدیۃ بعد ما سرد الاٰیات فی فضیلۃ التقوٰی فتأمل فیما کتبنا من الاٰیات الکریمۃ کیف کان المتقی عند اللہ تعالٰی اکرم[1] انتہی۔

قلت (میں کہوں گا) اب تم اسی بات پر آگئے جس کا تم نے انکار کیا تھا اس لئے کہ تقوٰی جب کریموں کے ساتھ خاص ہے دوسروں میں نہیں پایا جاتا تو ضروری ہے کہ ہر متقی کریم ہو اور یہی ہمارا مقصود ہے۔ مولٰی فاضل ناصح محمد آفندی رومی برکلی طریقہ محمدیہ میں تقوٰی کی فضیلت میں آیات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں تو ان آیاتِ کریمہ میں غور کرو جو ہم نے لکھیں کیونکہ متقی اللہ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ کریم ٹھہرا۔

قال المولی الشارح العارف باللہ سیدی عبد الغنی النابلسی فی شرحھا الحدیقۃ الندیۃ اشارۃ الی الاٰیۃ الاولٰی من قولہ تعالٰی "ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم[2]" انتہی۔

کتاب مذکور کے شارح مولا عارف باللہ سیدی عبد الغنی نابلسی اس کی شرح حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں مصنف کا اشارہ پہلی آیت یعنی اللہ تعالٰی کے قول "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" کی طرف ہے۔

واقول سادسا الیّ یا موفق تحقیق بالقبول احق اخرج

واقول سادسا اے توفیق والے میری طرف آ، یہ ایک تحقیق ہے جو قبول کی

---

[1] الطریقۃ المحمدیۃ الباب الثانی الفصل الثالث مکتبہ حنفیہ کوئٹہ ۱/۱۲۹
[2] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ " " " مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/۴۱۰

الامام احمد والحاکم والبیھقی عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کرم المرء دینہ و مروتہ عقلہ وحسبہ خلقہ[1]" واخرج ابن ابی الدنیا فی کتاب الیقین عن یحیٰی بن ابی کثیر مرسلا ینمیہ الی المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم" الکرم التقوٰی والشرف التواضع[2]" واخرج الترمذی محمد بن علی الحکیم عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما یرفعہ الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم" الحیاء زینۃ والتقی کرم[3]" انظر الی الاحادیث ما اجلاھا و افصحھا واحلھا و املحا انظر الٰی قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مروتہ	سزاوار ہے، امام احمد، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث روایت کی انھوں نے نبی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا:" آدمی کی عزت اس کا دین ہے اور اس کی مروت اس کی عقل ہے اور اس کا حسب اس کا خلق۔" اور ابن ابی الدنیا نے کتاب الیقین میں یحیٰی بن ابی کثیر سے بسند مرسل روایت کیا درانحالیکہ اس حدیث کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف کرتے تھے کہ فرمایا: "کرم، تقوٰی ہے اور شرف تواضع ہے"۔ اور ترمذی محمد ابن علی الحکیم نے جابر ابن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا درانحالیکہ اس کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف مرفوع کرتے تھے کہ فرمایا:" حیاء زینت ہے اور تقوٰی کرم ہے"۔ احادیث کو دیکھو کس قدر روشن اور کتنی فصیح ہیں اور کیسی شیریں اور کیسی ملیح ہیں۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ قول کہ آدمی کی مروت اس

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/۳۶۵
المستدرک للحاکم کتاب العلم کرم المومن دینہ الخ دارالفکر بیروت ۱/۱۲۳
" " کتاب النکاح الحسب والمال والکرم الخ " " ۲/۱۶۳
السنن الکبرٰی " " باب اعتبار الیسار فی الکفاءۃ دار صادر بیروت ۷/۱۳۶
" " کتاب الشہادات باب بیان مکارم الاخلاق الخ " " " ۱۰/۱۹۵
[2] کتاب الیقین من رسائل ابن ابی الدنیا حدیث ۲۲ مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ بیروت ۱/۲۸
[3] نوادر الاصول فی معرفۃ احادیث الرسول الاصل السادس الخمسون والمائۃ دار صادر بیروت ص ۲۰۰

عقله فانما وصف العقل بالمروة
لا المروة بالعقل وكذا قوله
صلى الله تعالى عليه وسلم
"حسبه خلقه والشرف التواضع" فانما
حكم على الخلق بانه الحسب وعلى
التواضع بانه الشرف حسما لما يدعيه
المدعون من ان المال هو
الشرف، ولذا ان قال قائل ان
الحسب خلق والمروة عقل والشرف
تواضع لم يقبل قوله منه، وان
عكس قبل فهكذا في الفقرتين
اعني قوله صلى الله تعالى عليه
وسلم الكرم التقوى وكرم
المرء دينه۔

وانا اعطيك ضابطة عہ لهذا
كلما رأيت في امثال هذا المقام
اسمين معرفين باللام محمولا احدهما
على الآخر فان صح ان يحمل الآخر على
الاول مجردا عن اللام فاعلم انه يجوز ان
يكون محمولا في تلك القضية ايضا والا لا
نظيره قول الشاعر ؎

کی عقل ہے۔ دیکھو تو معلوم ہوگا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام نے عقل ہی کو مروت سے موصوف کیا اور اسی طرح
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول "آدمی کا حسب
اس کا خلق ہے اور شرف تواضع ہے" تو اس لئے
کہ خلق پر حکم لگایا کہ وہ حسب ہے اور تواضع پر
حکم فرمایا کہ وہی شرف ہے مدعیوں کے دعوے
کو رد کرنے کے لئے کہ مال ہی شرف ہے
اسی لئے کہ اگر کوئی یوں کہے کہ بے شک
حسب خلق ہے اور مروت عقل ہے اور شرف
تواضع ہے تو اس کا قول مقبول نہ ہوگا اور
اگر اس کا عکس کر دے تو قبول کیا جائے گا
تو اسی طرح دونوں حدیثوں میں اپنے بعد فقروں
سے ملے ہوئے فقروں میں یعنی حضور صلے اللہ
تعالے علیہ وسلم کا قول کرم تقویٰ ہے اور آدمی
کی عزت اس کا دین ہے (یعنی ان جملوں کا عکس
مقبول نہ ہوگا)۔

اور میں تم کو اس کے لئے ایک ضابطہ
دیتا ہوں جب کبھی تم ایسے مقامات میں دو اسم
معرف باللام دیکھو کہ ان میں کا ایک دوسرے
پر محمول ہوتا ہے تو اگر دوسرے کا پہلے کے لئے
محمول بننا بغیر لام کے صحیح ہو تو جان لو کہ وہ اس
قضیے میں بھی محمول ہو سکتا ہے ورنہ نہیں، اسکی نظیر
شاعر کا شعر ہے: ؎

عہ اشاره به الى انك تقول الخ (المصنف)

بنونا بنوا ابناءنا و بنو
بناتنا ابناء الرجال

فانك ان قلت احفادنا ابناءنا لأصدقت وان قلت ابناءنا احفادنا لكذبت فكان بنونا هو المحكوم به والسر فی ذلك ان المحمول یجوز تنکیره ابداً او افادة القصر علی تسلیمه کلیاً امر زائد علی نفس الحکم والموضوع لاینکر تنکیرا محضا فلذلك لایقال الکرم تقوی او الکرم دین وانما تقول بالتعریف لان الاٰخر هو الموضوع حقیقة لاجل هذا ان عکست و نکرت صح اما رایت ان النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم لما قدم التقوی فی حدیث الحکیم نکر الکرم ولما عکس فی الحدیث الاٰخر عرف التقوی، اللّٰهم لك الحمد علی تواتر آلائك و لا اخالك یا هذا مغموسا فی غیابات الغباوت بحیث یعسر علیك الانتباه لما فی تلك الاحادیث

"یعنی ہمارے بیٹے ہمارے بیٹوں کے بیٹے ہیں اور ہماری بیٹیوں کے بیٹے اور مردوں کے بیٹے ہیں"۔ اس لئے کہ اگر تم یُوں کہو کہ ہمارے پوتے ہمارے بیٹے ہیں تو یہ صادق ہوگا، اور اگر یوں کہو کہ ہمارے بیٹے ہمارے پوتے ہیں تو یہ کاذب ہوگا تو شعر میں "بنونا" ہی محکوم بہ ہے اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ ہمیشہ محمول کو نکرہ لانا جائز ہے اور افادۂ قصر اگر اس کو امر کلی تسلیم کرلیں نفس حکم پر ایک زائد بات ہے اور موضوع کبھی نکرہ محضہ نہیں لایا جاتا ہے تو اس لئے یوں نہ کہا جائے گا کہ الکرم تقوٰی یا الکرم دین یعنی جبکہ جملے کا جزء ثانی مبتدا ٹھہرائیں تو اسکو نکرہ لانا جائز نہیں بلکہ تم یہ جملہ دوسرے جزء کی تعریف کے ساتھ بولو گے اس لئے کہ حقیقت میں دوسرا جزء ہی موضوع ہے اسی وجہ سے اگر اس جملے کا عکس کر دو اور پہلے جزء کو نکرہ کردو تو صحیح ہوگا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ نبی صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے جب تقوٰی کو مقدم کیا حکیم ترمذی کی گزشتہ حدیث میں تو "کرم" کو نکرہ لائے، اور دوسری حدیث میں جب اس کا عکس کیا تو "تقوٰی" کو معرفہ لائے۔ الٰہی! تیری پیہم نعمتوں پر تیرے لئے حمد اے شخص میں گمان نہیں کرتا کہ تو کم فہمی کی اندھیریوں

عـه اشارة الی انه مع اشتهاره فی کثیر من الناس الخ (المصنف)

التى جاءت مرة بتقديم الكرم واخرى بتصدير التقوى من لمعات بوارق يكاد سناها يخطف ابصار الشبهات ولا سيما حديث الترمذي مع ما تقرر في الاصول ان اللام ان لا عهد فللاستغراق بل الجنس ايضا مفيد اذ حكمه لا بد وان يستوى فيه الافراد. والله تعالٰى اعلم.

میں ایسا بھٹکا ہو کہ تیرے اوپر ان چمکتی تجلیوں سے تنبیہ ہونا دشوار ہو جن کی روشنی لگتا ہے کہ شبہات کی آنکھوں کو اچک لے گی جو ان احادیث میں ہیں جن میں کبھی کرم کو مقدم فرمایا اور کبھی تقویٰ کو صدر کلام میں لائے بالخصوص حدیث ترمذی باوجودیکہ اصول میں مقرر ہو چکا کہ لام جبکہ عہد کے لئے نہ ہو تو استغراق کے لئے ہوگا بلکہ جنس بھی مفید استغراق ہے اس لئے کہ ضروری ہے کہ جنس کے حکم میں سب افراد برابر ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

واقول سابعًا ان قيل لك اكرم الناس اتقاهم ثم من دونه في التقوى وهكذا يأتي ينزل تدريجًا لاجرم ان تسلمه وتقول هذا لا ريب فيه لكنك لم تدر ان قد انصرفت عما اقترفت وقد اعترفت بما انحرفت، قل لي ماذا محصل قولك ان اكرم الناس يوصف اولًا بانه اتقى وثانيًا بانه قليل التقوٰى وثالثًا بانه اقل، هل هذا الا كلام مجنون تفوه بلفظ في الجنون وما درى وما عقل وهذه الشناعة

اقول سابعًا اگر تم سے کہا جائے کہ سب لوگوں سے زیادہ باعزت سب سے زیادہ پرہیزگار ہے پھر جو تقویٰ میں اس سے کم ہے اور اسی طرح سے تدریجًا کم سے کم تر کی طرف نازل ہو، لامحالہ تم اس کو تسلیم کرو گے اور کہو گے کہ اس میں کوئی شک نہیں لیکن تم نے نہیں سمجھا کہ تم اس سے پھر گئے جس کا تم نے ارتکاب کیا تھا اور انحراف کا اعتراف کر لیا مجھے بتاؤ تمہارے اس قول کا حاصل کیا ہے کہ اکرم الناس اولًا اتقی سے موصوف ہوتا ہے (سب سے زیادہ پرہیزگار) اور ثانیًا قلیل التقویٰ کے ساتھ اور ثالثًا اس سے بھی اقل کے ساتھ (یعنی اس صورت میں جبکہ جزء ثانی یعنی اتقی کو محمول مانیں کیا یہ ایسے مجنون کا کلام نہیں جو جنون میں لفظ

تکدس علیك زعمك العجیب فی کل ما جاء علی الترتیب وھو کثیر فی الاحادیث "قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم" احب الاعمال الی اللہ الصلٰوۃ لوقتھا ثم برالوالدین ثم الجھاد فی سبیل اللہ" اخرجہ الائمۃ احمد[1] والبخاری ومسلم وابوداؤد والترمذی والنسائی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فالمعنی علٰی زعمك ان احب الاعمال یوصف اولًا بانہ صلٰوۃ ثم یمکث فیصیر برا ثم یلبث فیعود جھادًا وھذا من اعجب ماسمع السامعون۔

بولتا ہے اور سمجھتا نہیں ورنہ اسے خبر ہوتی اور یہ شناعت تمہارے زعم عجیب میں ان تمام احادیث کو مکدر کردے گی جن میں ترتیب کے ساتھ اعمال کی فضیلت بیان ہوئی اور یہ مضمون احادیث میں بہت ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا "اللہ کو سب کاموں سے زیادہ پیارا نماز ہے جو وقت پر پڑھی جائے، پھر ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک، پھر اللہ کی راہ میں جہاد کرنا" اس حدیث کو روایت کیا احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تو تمہارے زعم پر معنی یہ ہوگا کہ سب سے زیادہ محبوب کام پہلے صلٰوۃ کے ساتھ موصوف ہوتا ہے پھر کچھ دیر ٹھہر کر حسنِ سلوک بن جاتا ہے پھر کچھ دیر ٹھہر کر جہاد ہوتا ہے اور یہ سب سے زیادہ عجیب باتوں میں سے ہے جو سننے والوں نے سُنی۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب مواقیت الصلٰوۃ باب فضل الصلٰوۃ لوقتہا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۷۶
〃 〃 کتاب الجہاد باب فضل الجہاد 〃 〃 ۱/۳۹۰
〃 〃 کتاب الادب باب قولہ تعالٰی ووصینا الانسان بوالدیہ 〃 〃 ۲/۸۸۲
صحیح مسلم کتاب الایمان باب کون الایمان باللہ افضل الاعمال 〃 〃 ۱/۶۲
مسند احمد بن حنبل عن ابن مسعود المکتب الاسلامی بیروت ۱/۴۱۰ و ۴۱۸ و ۴۲۱ و ۴۳۹ و ۴۴۲ و ۴۴۸ و ۴۵۱
جامع الترمذی ابواب الصلٰوۃ باب ماجاء فی الوقت الاول من الفضل امین کمپنی دہلی ۱/۲۴
〃 ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی برالوالدین امین کمپنی دہلی ۲/۳
سنن النسائی کتاب المواقیت فضل الصلٰوۃ لمواقیتہا نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۱۰۱
سنن ابی داؤد کتاب الصلٰوۃ باب المحافظۃ علی الصلوات آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۶۱

تذئیل ایاك وان تظن

ان تقدیم الخبر فی امثال ھذا المقام
قلیل فی فصیح الکلام حتی یعد تاویلا
للنظام بل ھو شائع متکثر بل ھو الاکثر
الاوفر، ولو سردنا لك من الاحادیث
الواردة علیٰ ھذا المنوال لنافت علی
مئات وربما یتھمنی بالاملال، ثم منھا
ما فی نفس الحدیث دلیل علی
ما نرید کتقدیم الصفات وتاخیر
الذوات وغیر ذٰلك ومنھا ما شرح
الشارحون بعکس الترتیب من
دون حاجة الیٰ ما ھنا لك
فعلم انه طریق شائع، کثیرًا
ما یجری الکلام علیه وتتبادر
الافھام الیه بلا احتیاج الی صوارف
ولا توقف علیٰ موقف ولولا انا علی حذر من
الاطناب لاریناك منھا العجب
العجاب لکن لاباس ان تذکر
طرفا من احادیث اکثرھا من
القسم الثانی لانھا اوضح
فی المقصود وضوحًا جمیلًا و
نقدم علیھا حدیثا ذکر فیه
المصطفیٰ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه
وسلم مقدمتین فاستنتج منھا
العلماء کمثل صنیعنا فی الاٰیتین

تذئیل خبردار یہ گمان نہ کرنا کہ ایسے

مقامات میں خبر کو مقدم رکھنا کلام فصیح میں نادر
ہے یہاں تک کہ مقصود کے لیے تاویل کرنا ٹھہرے
بلکہ وہ بکثرت شائع ہے بلکہ یہی اکثر و اوفر
ہے اور اگر ہم تم سے ان احادیث میں سے کچھ
کا ذکر کریں جو اس طریقے پر وارد ہوئیں تو گنتی
میں تو سیکڑوں سے زیادہ ہوں گی اور تم مجھے
اکتا دینے پر تہمت لگاؤ گے پھر ان میں سے وہ
بھی ہے جو نفس حدیث میں ہمارے مدعا کی
دلیل ہے جیسے صفات کو مقدم کرنا اور ذوات
کو مؤخر کرنا اور اس کے علاوہ ان میں شارحین
حدیث کا حدیث کی شرح میں ترتیب الٹ دینا
بلاضرورت، تو اس سے معلوم ہوا کہ خبر کو مقدم
کرنا شائع ہے اور بسا اوقات کلام اس ڈھنگ
پر چلتا ہے اور قرائن صارفہ کی حاجت کے بغیر
لوگوں کی فہم اس کی طرف سبقت کرتی ہے اور
کسی بتانے والے پر موقوف نہیں ہوتی اور اگر
ہمیں تطویل کا ڈر نہ ہو تو ہم تمہیں ان احادیث کا
عجیب و غریب نمونہ دکھاتے لیکن اس میں حرج
نہیں کہ ہم ان احادیث کا ایک حصہ ذکر کریں جن
میں اکثر قسم ثانی کے قبیل سے ہیں اس لئے
کہ وہ مقصود میں خوب واضح ہیں اور ہم پہلے
ایک حدیث ذکر کریں جس میں مصطفےٰ صلے اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم نے دو مقدمے ذکر کیے تو اس سے
علما نے نتیجہ نکالا جس طرح دونوں آیتوں میں

ليكون هذا الشئ تنكيلاً انبأنا حسين الفاطمي عن عابد بن احمد عن صالح الفاروقي عن سليمان الدرعي عن محمد الشريف، عن الشمس العلقمي عن الامام السيوطي عن احمد بن عبد القادر بن طريف انا ابو اسحاق التنوخي انا ابو الحجاج يوسف بن الزكي المزي انا الفخر بن البخاري سماعًا بسماعه عن ابي حفص عمر بن طبرزد انا ابو الفتح عبد الملك ابن قاسم الكروخي، انا القاضي ابو عامر محمود بن القاسم الازدي و ابوبكر احمد بن عبد الصمد الغورجي انا ابو محمد عبد الجبار الجراحي المروزي انا ابو العباس محمد بن احمد بن المحبوب المحبوبي المروزي، انا الترمذي ثنا محمد بن يحيیٰ نا محمد بن يوسف نا سفيٰن عن هشام بن عروة، عن ابيه عن عائشة قالت قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خيركم خيركم لاهله

ہم نے کیا تاکہ قید سخت ہو۔ ہم سے حدیث بیان کی حسین فاطمی نے، وہ روایت کرتے ہیں عابد بن احمد سے، وہ روایت کرتے ہیں صالح فاروقی سے، وہ روایت کرتے ہیں سلیمان بن درعی سے، وہ روایت کرتے ہیں محمد شریف سے، وہ روایت کرتے ہیں شمس علقمی سے، وہ روایت کرتے ہیں امام سیوطی سے، وہ روایت کرتے ہیں احمد بن عبد القادر ابن طریف سے، ہمیں خبر دی ابو اسحٰق تنوخی نے، ہمیں خبر دی ابو الحجاج یوسف ابن زکی مزی نے، ہمیں خبر دی فخر الدین ابن بخاری نے سماعًا ابو حفص عمر بن طبرزد سے سن کر، ہمیں خبر دی ابو الفتح عبد الملک ابن قاسم کروخی نے، ہمیں خبر دی قاضی ابو عامر محمود ابن قاسم ازدی اور ابوبکر احمد بن عبد الصمد غورجی نے، ہمیں خبر دی ابو محمد عبد الجبار جراحی مروزی نے، ہمیں خبر دی ابو العباس محمد بن احمد بن المحبوب المحبوبی المروزی نے، ہمیں خبر دی ترمذی نے، حدیث بیان کی ہم سے محمد ابن یحییٰ نے، حدیث بیان کی ہم سے محمد بن یوسف نے، حدیث بیان کی ہم سے سفیان نے، انھوں نے روایت کی ہشام ابن عروہ سے، انھوں نے روایت کی اپنے باپ سے، انھوں نے روایت کی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے، انھوں نے کہا فرمایا رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

41

وانا خیرکم لاھلی واذا مات صاحبکم فدعوہ۔ ھذا حدیث حسن صحیح[1]۔

نے: "تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے لئے بہتر ہو اور میں اپنی بیوی کے لئے تم سب سے بہتر ہوں جب تمھارا کوئی ساتھی مرجائے تو اسے چھوڑ دو" (یعنی اس کا ذکر برائی سے نہ کرو) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

قلت ومروی ایضا عند ابن ماجۃ[2] من حدیث ابن عباس وعند الطبرانی فی معجمہ[3] الکبیر عن معٰویۃ بن ابی سفیٰن رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین قال الامام العلامۃ الشارح عبدالرءوف المناوی فی التیسیر شرح الجامع الصغیر للامام المولی جلال الحق و الدین السیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی علیھما فانا خیرکم مطلقا وکان احسن الناس عشرۃ لھم[4] انتھی۔

قلت (میں کہوں گا کہ) یہ حدیث ابن ماجہ کے یہاں منجملہ حدیث ابن عباس سے مروی ہے اور طبرانی کے یہاں ان کے معجم کبیر میں معاویہ ابن ابوسفیان رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے امام علامہ عبدالرؤف مناوی نے تیسیر شرح جامع صغیر مصنفہ امام مولٰی جلال الحق والدین سیوطی رحمہما اللہ تعالٰی میں فرمایا: "تو میں مطلقاً تم سب سے بہتر ہوں" اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے اہل کے ساتھ سب سے بہتر سلوک فرماتے تھے۔"

اقول یاھذا ان ابدیت فرقاً بین ھذا القیاس والقیاس

اقول (میں کہتا ہوں) اے شخص اگر تو اس قیاس میں اور اُس قیاس میں جس کی صحت کا

---

[1] جامع الترمذی ابواب المناقب باب فضل ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم امین کمپنی دہلی ۲/۲۲۹
موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان حدیث ۱۳۱۲ المکتبۃ السلفیہ ص ۳۱۸
الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۲۸۵۳ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/۱۴۰
الجامع الصغیر حدیث ۴۱۰۰ " " ۲/۲۴۹

[2] سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب حسن معاشرۃ النساء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۴۳

[3] المعجم الکبیر حدیث ۸۵۳ مکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۹/۳۶۳

[4] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث خیرکم خیرکم لاھلہ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/۵۳۳

الذی تنکر صحتہ لشکرک المفضلۃ ابدا ما کانوا ولکن ھیہات ھیہات انی لک ذٰلک اخرج احمد والشیخان عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، خیر نساء رکبن الابل صالح نساء قریش۔[1]

تو منکر ہے فرق نمایاں کردے تو تفضیلیہ عمر بھر تیرے شکرگزار رہیں گے لیکن ہیہات ہیہات تجھ سے کیونکر ایسا ممکن ہے۔ امام احمد و بخاری و مسلم حضرت ابوہریرہ سے راوی انھوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی کہ فرمایا: اونٹوں پر سوار ہونے والی عورتوں میں سب سے بہتر قریش کی نیک عورتیں ہیں۔

قال الفاضل الشارح فالمحکوم لہ بالخیریۃ الصالحۃ منھن لا علی العموم[2] اھ انظر کیف جعل الخیر محکومًا بہ اخرج احمد والترمذی والحاکم باسناد صحیح عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خیر الاصحاب عند اللہ خیرھم لصاحبہ وخیر الجیران عند اللہ خیرھم لجارہ۔[3] قال الفاضل الشارح فکل

فاضل شارح نے فرمایا تو جن کے لئے سب سے بہتر ہونے کا حکم فرمایا گیا وہ قریشی عورتوں میں نیک عورتیں ہیں اور یہ حکم اپنے عموم پر نہیں دیکھو کس طرح شارح نے خیر کو محکوم بہ قرار دیا۔ امام احمد، ترمذی اور حاکم بسند صحیح حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اصحاب میں سب سے بہتر اللہ کے نزدیک وہ ہے جو اپنے ساتھی کے لئے سب سے بہتر ہو اور ہمسایوں میں اللہ کے نزدیک سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۷۵ و ۳۹۳
صحیح البخاری کتاب النکاح باب الی من ینکح وای النساء خیر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۶۰
صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضائل نساء قریش 〃 〃 ۲/ ۳۰۸

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث خیر نساء رکبن مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۵۳۲

[3] مسند امام احمد بن حنبل عن عبداللہ بن عمرو بن العاص المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۱۶۸
المستدرک للحاکم کتاب المناسک خیر الاصحاب عند اللہ الخ دار الفکر ۱/ ۴۴۳
الجامع الترمذی ابواب البر والصلۃ باب ما جاء فی حق الجوار امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۶

من کان اکثر خیرًا لصاحبہ و جارہ فھو افضل عند اللہ و العکس بالعکس[1] اھ، اخرج احمد وابن حبان و البیھقی عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ باسناد صحیح عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خیر الذکر الخفی[2]، قال الفاضل الشارح "ای ما اخفاہ الذاکر وسترہ عن الناس فھو افضل من الجھر[3] اھ"، اخرج الطبرانی عن ابی امامۃ الباھلی رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افضل الصدقۃ سر الٰی فقیر[4]۔ قال الفاضل الشارح "قال تعالٰی وان تخفوھا و توتوھا الفقراء فھو خیر لکم[5] اھ"۔

ہمسایوں کے لئے سب سے بہتر ہو۔ فاضل شارح نے کہا تو ہر وہ شخص جو اپنے ساتھی اور پڑوسی کے لئے کثیر الخیر ہو وہ اللہ کے نزدیک افضل ہے اور اس کے برعکس ہو تو حکم برعکس ہے انتہی۔ امام احمد، ابن حبان اور بیہقی نے سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بسندِ صحیح روایت کیا وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی کہ سرکار نے فرمایا: "سب سے بہتر ذکر ذکرِ خفی ہے۔" فاضل شارح نے کہا یعنی وہ ذکر جسے ذاکر خفیہ رکھے اور لوگوں سے چھپائے وہ ذکرِ جہر سے افضل ہے انتہی۔ طبرانی، ابن ماجہ، ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا: "سب سے بہتر صدقہ وہ ہے جو خفیہ طور پر فقیر کو دیا جائے۔" فاضل شارح نے کہا اللہ تعالٰی فرماتا ہے: وان تخفوھا و تؤتوھا الفقراء فھو خیر لکم، انتہی۔

---

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث خیر الاصحاب الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/۵۲۵

[2] مسند احمد بن حنبل عن سعد بن ابی وقاص المکتب الاسلامی بیروت ۱/۱۷۲
موارد الظمآن الٰی زوائد ابن حبان حدیث ۲۳۲۳ المکتبۃ السلفیۃ ص ۵۷۷
شعب الایمان حدیث ۵۵۲ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/۴۰۷

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث خیر الذکر مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/۵۲۶

[4] المعجم الکبیر حدیث ۷۸۷۱ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۸/۲۵۹
[المعجم] الصغیر " ۱۲۷۰ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/۸۰

[5] [التیسیر ش]رح الجامع الصغیر تحت الحدیث افضل الصدقۃ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/۱۸۵

اقول انظر فقد اخرت الأیة وقدم الحدیث۔ اخرج احمد والحاکم عن رجل من الصحابة عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان افضل الضحایا اغلاها واسمنها[1] قال الفاضل الشارح فالاسمن افضل من العدد[2] اھ۔

اقول دیکھو آیت کریمہ نے خیر کو (جو موضوع ہے) مؤخر کیا اور حدیث نے اس کو مقدم کیا۔ امام احمد اور حاکم نے کسی صحابی سے دریافت کیا وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا: "قربانی کے جانوروں میں سب سے بہتر سب سے قیمتی سب سے فربہ ہے۔" فاضل شارح نے کہا تو جو سب سے فربہ ہے وہ عدد سے افضل ہے اھ۔

اخرج احمد والطبرانی فی الکبیر عن ماعز رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افضل الاعمال الایمان باللہ ثم الجهاد ثم حجة برة تفضل سائر العمل[3]

امام احمد اور طبرانی معجم کبیر میں حضرت ماعز رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی انھوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ فرمایا: "سب سے بہتر عمل اللہ پر ایمان رکھنا ہے پھر جہاد، پھر حج مقبول تمام اعمال سے افضل ہے۔"

اقول انظر الی هذه الکلمة الآخرة صدر بالافضل ثم اخره۔

اقول (میں کہتا ہوں) اس کلمہ میں دیکھو، پہلے افضل کو مقدم کیا پھر اس کو مؤخر لائے۔

اخرج ابوالحسن القزوینی فی امالیه الحدیثیة عن ابی امامة

ابوالحسن قزوینی اپنے امالی حدیثیہ میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث جد ابی الاشد السلمی المکتب الاسلامی بیروت ۳/۴۲۴
المستدرک کتاب الاضاحی باب افضل الضحایا الخ دار الفکر بیروت ۴/۲۳۱
[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث ان افضل الضحایا مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/
[3] مسند احمد بن حنبل حدیث ماعز رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت
المعجم الکبیر حدیث ۸۰۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۰/

عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "ان اشد الناس تصدیقا للناس اصدقھم حدیثا وان اشد الناس تکذیبا اکذبھم حدیثا"[1]۔ قال الفاضل الشارح فالصدوق یحمل کلام غیرہ علی الصدق لاعتقادہ قبح الکذب والکذوب یتھم کل مخبر بالکذب لکونہ شانہ[2] اھ۔

وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں "سب سے زیادہ لوگوں کی تصدیق کرنے والا وہ ہے جس کی بات سب سے زیادہ سچی اور لوگوں کو سب سے زیادہ جھوٹا بتانے والا وہ ہے جو اپنی بات میں سب سے بڑا جھوٹا ہو۔" فاضل شارح نے فرمایا وہ سچا دوسرے کے کلام کو سچائی پر محمول کرتا ہے اس لئے کہ وہ جھوٹ کو برا جانتا ہے اور جھوٹا ہر مخبر کو جھوٹ کی تہمت لگاتا ہے اس لئے کہ جھوٹ بولنا اس کا کام ہے اھ۔

اخرج احمد فی کتاب الزھد عن سلمان الفارسی واقفا علیہ و ابن لال وابن النجار عن ابی ھریرۃ والسجزی فی الابانۃ عن ابن ابی اوفی رافعین الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکثر الناس ذنوبا یوم القیمۃ اکثرھم کلاما فیما لایعنیہ[3]۔

امام احمد نے کتاب الزہد میں حضرت سلمان فارسی سے حدیث موقوف روایت کی اور ابن لال اور ابن نجار نے ابوہریرہ سے اور سجزی نے ابانہ میں ابن ابی اوفٰی سے ان سب نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مرفوعا روایت کیا کہ فرمایا "سب لوگوں سے زیادہ قیامت کے دن اس کے گناہ ہونگے جو سب سے زیادہ لایعنی باتیں کرے۔"

قال الفاضل الشارح لان

فاضل شارح نے فرمایا اس لئے کہ

---

[1] کنز العمال حدیث نمبر ۶۸۵۴ موسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۳۴۴
الجامع الصغیر " ۲۲۰۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۳۴
[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ان اشد الناس تصدیقا مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۳۱۱
[3] الجامع الصغیر بحوالہ ابن لال وابن نجار حدیث ۱۳۸۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۸۶
کتاب الزہد ۸۱۱ دار الکتاب العربی " ص ۲۱۹

من کثر کلامه کثر سقطه فتکثر ذنوبه من حیث لا یشعر[1]" اھ۔

جس کا کلام کثیر ہوگا تو اس میں مہمل خلاف شرع باتیں زیادہ ہوں گی تو اس کے گناہ بڑھیں گے اور اس کو شعور نہ ہوگا اھ۔

اخرج البخاری فی التاریخ والترمذی وابن حبان بسند صحیح عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اولی الناس بی یوم القیٰمۃ اکثرھم علیّ صلوٰۃ[2]۔

امام بخاری تاریخ میں اور ترمذی اور ابن حبان بسند صحیح حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا "قیامت کے دن سب لوگوں سے زیادہ مجھ سے قریب وہ ہوگا جو سب لوگوں سے زیادہ مجھ پر درود بھیجے گا۔

قال الفاضل الشارح" ای اقربھم منی فی القیٰمۃ واحقھم بشفاعتی اکثرھم علیّ صلاۃ فی الدنیا لان کثرۃ الصلوٰۃ علیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تدل علی صدق المحبۃ وکمال الوصلۃ فتکون منازلھم فی الاٰخرۃ منہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بحسب تفاوتھم فی ذٰلک[3] اھ۔

فاضل شارح نے فرمایا یعنی قیامت میں سب سے مجھ سے زیادہ قریب اور سب سے زیادہ میری شفاعت کا حقدار وہ شخص ہوگا جو دنیا میں مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھتا تھا اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود کی کثرت سچی محبت پر اور کمال ربط پر دلالت کرتی ہے، تو لوگوں کے مدارج حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قرب میں اس امر میں لوگوں کے تفاوت کے حساب سے ہوں گے۔ا

اقول انظر شرح اولاً لفظ الحدیث

اقول دیکھو پہلے لفظ حدیث کی شرح

---

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث اکثر الناس ذنوبا یوم القیٰمۃ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۲۰۰

[2] جامع الترمذی ابواب الوتر باب ماجاء فی فضل الصلوٰۃ علی النبی امین کمپنی دہلی ۱/ ۶۴
الجامع الصغیر حدیث ۲۲۴۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۳۶

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ان اولی الناس بی الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۳۱۶

ثم علل بما لا يستقيم الا على جعل
الاولى محكوما به، وابين من
هذا ان العلماء المحدثين
افاض الله علينا من بركاتهم
استدلوا بهذا الحديث على فضل
اهل الحديث، وانهم اولى الناس
برسول الله صلى الله تعالى
عليه وسلم لانهم اكثر
الناس صلوٰة عليه صلى الله
تعالى عليه وسلم لا يذكرون
حديثا الا ويصلون فيه على النبي
صلى الله تعالى عليه وسلم
عشرا او خمسا او مرتين او مرة
لا اقل كما هو معلوم مشاهد
والحمد لله۔

ارايتك هذا الاستدلال
اليس على طبق احتجاجنا بالأيتين
حذوا بحذو وسواء بسواء، ثم
من تمام نعمة الله ان جاء حديث
عند البيهقي برجال ثقات عن
ابي امامة رضي الله تعالى عنه عن النبي
صلى الله تعالى عليه وسلم "اكثروا
من الصلوٰة عليّ في كل يوم جمعة
فان صلوٰة امتي تعرض عليّ في كل
يوم جمعة فمن كان اكثرهم علي

کی پھر علت وہ بیان کی جو اسی صورت میں ٹھیک
بیٹھتی ہے جبکہ حدیث میں (وارد) لفظ اولیٰ
کو محکوم بہ ٹھہرائیں اور اس سے روشن تر یہ ہے
کہ علماء محدثین نے (اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے
اوپر ان کی برکتیں برسائے) اس حدیث سے
علمائے حدیث کی فضیلت پر استدلال کیا،
اور اس پر دلیل پکڑی کہ وہ سب لوگوں سے
زیادہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قریب
ہیں اس لئے کہ وہ سب سے زیادہ حضور
صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔
جب کوئی حدیث ذکر کرتے ہیں تو نبی صلی اللہ
تعالےٰ علیہ وسلم پر دس مرتبہ یا پانچ مرتبہ یا
دو مرتبہ یا کم از کم ایک مرتبہ درود پڑھتے ہیں
جیسا کہ معلوم ہے اور اس کا مشاہدہ ہے،
والحمدللہ۔

مجھے بتاؤ کیا یہ استدلال ان دونوں
آیتوں سے ہمارے استدلال کے بالکل مطابق
نہیں، پھر اللہ تبارک وتعالےٰ کی تمامی نعمت
سے یہ ہے کہ ایک حدیث بیہقی میں ثقہ راویوں
کی روایت سے حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالےٰ
عنہ سے آئی انھوں نے نبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ
وسلم سے روایت کیا کہ فرمایا کہ ہر جمعہ کے دن
بکثرت درود بھیجو اس لئے کہ تمھارا درود
ہر جمعہ کے دن میرے اوپر پیش ہوتا ہے تو سب
سے زیادہ جو میرے اوپر درود بھیجے گا وہ درجے

صلوٰۃ کان اقربھم منی منزلۃ۔[1]

فعلم انہ لایبالیٰ فی امثال المقام بتقدیم ولا تاخیر لعدم الالتباس والسر فیہ ما القینا علیک ان ھذہ احکام شرعیۃ لا یطلع علیہا الا باطلاع الشارع فھی التی تلیق ان تجعل محمولات، ولا تسبق الاذھان الا الیٰ ذلک مقدمۃ جاءت او مؤخرۃ وھذا کلہ واضح جلی کاد ان یقال بدیھی واولیٰ لایسوغ انکارہ الا لجاھل خرف او متجاھل متعسف، ونخشی ان یعد اکثارنا ھذا من اقامۃ الدلائل علیہ شبیہا بالعبث عند العلماء لان اذانھم ممتلئۃ بالوف الاف من امثال تلک المحاورات، وھم العارفون باسالیب الکلام ومجاری البیان فی مناھج المرام، فحاشاھم ان یتعسر علیھم تمییز محمول من (ھٰھنا سقط ظاھر ولعل العبارۃ ھکذا ان یخطر ببالھم) یحط ببالھم نحو ھذہ الخدشات، لکنی اتنصل الیھم وعذری ان شاء اللہ تعالیٰ واضح لدیھم

میں سب سے زیادہ مجھ سے قریب ہوگا۔ تو معلوم ہوا کہ ایسے مقامات میں تقدیم و تاخیر کی پرواہ نہیں کی جاتی اس لئے کہ اشتباہ نہیں ہوتا اور اس میں سر وہی ہے جو ہم نے بتایا۔ تو یہ احکامِ شرعیہ ہیں جن پر بغیر شارع کے بتائے اطلاع نہیں ہوتی۔ تو یہی اس کے لائق ہیں کہ محمول بنائے جائیں، اور اذہان کی سبقت انھیں کی طرف ہوتی ہے خواہ مقدم آئیں یا موخر، اور یہ سب واضح و روشن ہے۔ قریب ہے کہ اس کو بدیہی واولیٰ کہا جائے اس کا انکار جاہل بے خرد یا جاہل بننے والے معاند کے سوا کسی کو نہ بن پڑے گا اور ہم کو ڈر ہے کہ ہمارا اس پر بکثرت دلائل قائم کرنا علماء کے نزدیک عبث کے مشابہ قرار دیا جائے اس لئے کہ ان کے کان اسی قسم کے ہزاروں محاورات سے بھرے پڑے ہیں اور وہ کلام کے اسالیب سے اور مقصود کے طریقوں میں بیان کی راہوں سے آگاہ ہیں تو وہ اس سے منزہ ہیں کہ انھیں محمول کی تمیز موضوع سے دشوار ہو اور یہ انکے ذہن میں ایسے خدشات جگہ پائیں لیکن میں ان کی طرف معذرت کرتا ہوں اور میرا عذر ان کے نزدیک ظاہر ہے اس لئے کہ میری مثال اور ان لوگوں کی مثال جو میری نہیں مانتے

---

[1] السنن الکبریٰ کتاب الجمعۃ باب مایؤمر بہ فی لیلۃ الجمعۃ الخ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۳/۲۴۹

فانما مثلی ومثل الذین لاینقادون لی کجمال شردت عن صاحبها فهو یقصد اسرها ویقتفی اثرها لاتعلو شرفا و لاتهبط وادیا الا اتبعها۔

ان اونٹوں کی سی ہے جو اپنے مالک کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوں تو ان کا مالک ان کو پکڑنے کا قصد کرے اور ان کے پیچھے پیچھے چلے وہ کسی بلندی پر نہ چڑھیں اور نہ کسی گھاٹی میں اتریں مگر یہ کہ وہ ان کا پیچھا کرتا ہو۔

تکمیل: ومن ھھنا بان لک ان ما قالت النحاۃ من وجوب تقدیم المبتداء علی الخبر اذا کانا معرفتین او متساویین امر اکثری لا کلی وانما المعنی علی اللبس واذ لیس فلیس، بذلک صرح الشراح و لا یغرنک اطلاق المتون فانہا ربما تمشی علی الاطلاق فی مقام التقیید فی علم الفقہ فکیف بغیرہ من الفنون۔

تکمیل: یہاں سے تمہیں ظاہر ہو گیا کہ نحویوں نے جو یہ کہا کہ مبتدا کو خبر پر مقدم کرنا ضروری ہے جب دونوں معرفہ ہوں یا تنکیر و تعریف میں دونوں برابر ہوں یہ اکثری قاعدہ ہے کلی قاعدہ نہیں اور معنی یہی ہے کہ مبتدا کی تقدیم ایسی صورت میں اس وقت واجب ہے جبکہ التباس کا اندیشہ ہو اور جب التباس کا اندیشہ نہ ہو تو واجب نہیں، شارحین نے اس کی تصریح کی تو ہرگز تمہیں متون کا اس مسئلہ کو مطلق کرنا دھوکا میں نہ ڈالے اس لئے کہ متون تو بسا اوقات اطلاق کی راہ پر چلتے ہیں مسئلہ کو مقید رکھنے کے مقام میں علم فقہ میں تو تمہارا کیا گمان ہے فقہ کے سوا دوسرے فنون میں۔

انبانا مفتی الحرم عن ابن عمر عن الزبیدی عن یوسف المزجاجی عن ابیہ محمد بن علاء الدین عن حسن العجیمی عن العلامۃ خیر الدین الرملی عن ابی عبداللہ محمد بن عبد اللہ الغزی التمرتاشی مصنف تنویر الابصار قال فی منح الغفار ان العجب من اصحاب المتون

ہمیں خبر دی مفتی حرم نے، وہ روایت کرتے ہیں ابن عمر سے، وہ روایت کرتے ہیں زبیدی سے، وہ روایت کرتے ہیں یوسف مزجاجی سے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ محمد بن علاء الدین سے، وہ روایت کرتے ہیں حسن عجیمی سے، وہ روایت کرتے ہیں خیر الدین رملی سے، وہ روایت کرتے ہیں ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ غزی تمرتاشی مصنف تنویر الابصار سے، انھوں نے منح الغفار میں فرمایا اصحاب متون سے تعجب ہے اس لئے کہ وہ اپنے

فانهم یتركون فی متونهم قیودا لابد منها وهی موضوعۃ لنقل المذهب فیظن من یقف علی مسائلہ الاطلاق فیجری الحکم علی اطلاقہ وهو مقید فیرتکب الخطاء فی کثیر من الاحکام فی الافتاء والقضاء[1] انتہی۔

متون میں ضروری قیدیں چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ یہ متون نقل مذہب کے لئے وضع کئے گئے ہیں کہ جو متن کے مسائل سے واقف ہوتا ہے وہ حکم کو مطلق گمان کرتا ہے تو اس حکم کو اس کے اطلاق پر جاری کرتا ہے حالانکہ وہ مقید ہوتا ہے تو وہ خطا کر جاتا ہے فتوٰی اور قضا کے دوران بہت سارے احکام میں انتہی

انبانا السراج بالسند المذکور الی العلامۃ الغزی عن العلامۃ زین بن نجیم المصری قال فی البحر الرائق قصدهم بذلك ان لایدعی علمهم الا من زاحمهم علیہ بالرکب ولیعلموا انہ لایحصل الا بکثرۃ المراجعۃ وتتبع عباراتهم والاخذ عن الاشیاخ[2] انتہی۔

ہمیں خبر دی سراج نے علامہ غزی تک اسی سند مذکور سے، انھوں نے روایت کیا علامہ زین ابن نجیم مصری سے، انھوں نے بحرالرائق میں فرمایا کہ اس طریقے سے ان کا قصد یہ ہے کہ ان کے علم کا دعوٰی وہی کرے جو زانوؤں سے ان کا مزاحم ہو اور تاکہ معلوم ہو کہ یہ علم کثرتِ مراجعت اور فقہاء کی عبارات کی تلاش اور مشائخ فن سے حاصل کئے بغیر حاصل نہیں ہوتا، انتہی۔

اقول وقد واللہ رأینا تصدیق هذا فی کثیر من ابناء الزمان ممن تصدر بالدعوی وتصدی للفتوی وما عندہ ما یرد عن الطغوی فمنهم من افتی بتوریث المنکوحۃ بالنکاح الفاسد واخر ببطلان تزویج الام الصغیرۃ من دون حضرۃ العم

اقول (میں کہتا ہوں) اور بے شک بخدا میں نے اس کی تصدیق آج کل کے ان لوگوں میں دیکھی جو زبانی دعوٰی سے خود صدر بن بیٹھے اور فتوٰی دینے کے درپے ہوئے حالانکہ ان کے پاس وہ علم نہیں جو انھیں حد سے گزر جانے سے باز رکھے ان میں کچھ وہ ہیں جنھوں نے نکاح فاسد سے بیاہی گئی عورت کے وارث ہونے کا فتوٰی دیا تو ان میں سے کسی دوسرے نے یہ فتوٰی دیا کہ چچا کی

---

[1] ردالمحتار کتاب الجہاد فصل فی کیفیۃ القسمۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۲۳۵

[2] ردالمحتار بحوالہ البحرالرائق کتاب الصلوٰۃ باب صفۃ الصلوٰۃ " " " ۱/۳۰۳

معانہ متوقف لا باطل، وآخر باعطاء
المسمّی من نکحت فی عدة اختہا۔
وآخر بتحریم بیع ھذہ القراطیس
الافرنجیة المقدرة بقدر معلوم من
الدراھم بما یزید علی ھذا
المقدار او ینقص ظنا منہ انہ
ربو مع عدم الاتحاد جنسا
ولا قدرا، وآخر بتجویز اخذ
الربو من کفار الہند زعما
منہ انہا دار الحرب مع عدم
الانقطاع عن دار الاسلام من
کل جانب وشیوع بعض الشعائر
الاسلامیة قطعاً، وآخر بحل ما
قطع من حیوان حی اخذا
من قول الہدایة وما ابین من
الحی "وان کان میتا فمیتہ حلال"
حتی انتہت ریاسة الفتوی و
انتمت السیادة الکبری الی من اباح بنت
الاخ رضاعاً، وتقدمہ مجتہد اخر
فجوز نکاح العمة النسبیة فالی
اللہ المشتکی من فساد الزمان
ولاحول ولاقوة الا باللہ العلی العظیم
وسیعلم ھذا من جرب

غیر موجودگی میں ماں کو صغیرہ (نابالغہ) کا عقد کر دینا باطل
ہے حالانکہ یہ متوقف ہے نہ کہ باطل ہے، اور کسی
دوسرے نے فتویٰ دیا کہ اس عورت کو جو اپنی بہن
کی عدت میں شادی کرے مہر مسمّٰی دیا جائے گا، اور
دوسرے نے ان افرنگی کاغذوں کو جن پہ روپوں کی
ایک معین مقدار سے زائد یا کم پر بیچنے کو حرام ہونے
کا فتویٰ دیا اپنی طرف سے اس گمان کی بنا پر
کہ یہ تبادلہ سود ہے حالانکہ نہ جنس میں اتحاد ہے
نہ مقدار میں۔ اور ایک اور نے فتویٰ دیا کہ ہندی
کافروں سے سود لینا جائز ہے اس زعم پر کہ
ہندوستان دار الحرب ہے، حالانکہ یہ ملک دار الاسلام
ہے ہر جانب سے کٹا ہوا نہیں اور بعض اسلامی
شعار یقیناً جاری ہیں۔ اور ایک نے فتویٰ دیا کہ
زندہ جانور کا جو عضو کاٹ لیا جائے حلال ہے،
ہدایہ کی اس عبارت سے "اور اگر مردہ ہو تو اس کا
مردار حلال ہے" اس مسئلہ کو اخذ کیا یہاں تک
کہ ریاست اسی فتویٰ تک پہنچی اور سیادت کبریٰ
اس سے منسوب ہوئی جس نے رضاعی بھائی کی
لڑکی سے نکاح حلال ٹھہرایا۔ اور ایک دوسرا مجتہد
اس سے آگے بڑھا تو اس نے حقیقی پھوپھی کا نکاح جائز
ٹھہرا دیا تو فسادِ زمانہ کی شکایت اللہ ہی سے ہے
ولاحول ولاقوة الا باللہ العلی العظیم، تو عنقریب
اس کو وہ جان لے گا جو میرے جیسے تجربہ کرے گا

---

[1] الہدایة کتاب الذبائح فصل فیما یحل اکلہ وما لا یحل مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۴۴۱

مثل تجربتي، اسأل الله تطهير جنانى و
تقويم لسانى وتسديد بنانى فيه اعتصامى
وعليه تكلانى، آمين!

تسجيل: ولعلك تقول لقد
كشفت النقاب ورفعت الحجاب
فبين لى ما النكتة فى تقديم الخبر
وانما حقه ان يوخر، قلت نعم
فيه نكت بديعة منها ان المحكوم
به لما كان خفيا والمحكوم عليه
مدركا جليا اشبه الاول بالمعرف
والآخر بالتعريف فاستحسن
تقديمه ليكون الاخير كالتعريف
له، ومنها تشويق السامع لان
النفوس متطلعة الى علم
ما لا تعلم فاذا سمعت بما هو خفى
لديها ورجت ان يذكر بعده
ما يظهره عليها توجهت
للاستماع وتفرغت للاطلاع
فكان الكلام اوقع وامكن
والنفس اليه اميل
واسكن، ومنها ان
الاعمال لا تقصد
فى الشرع لذواتها
بل لما يترتب عليها

اللہ سے میں اپنے قلب کی پاکی اور زبان کی درستگی
اور ہاتھ کی صلاح طلب کرتا ہوں تو اسی سے
میری حفاظت ہے اور اسی پر میرا بھروسا ہے۔
یا الٰہی! قبول فرما۔

تسجیل: اور شاید تم کہو بیشک تم نے
نقاب اٹھا دیا اور حجاب کو دور کر دیا تو مجھ سے
بیان کرو کہ خبر کو مقدم کرنے میں کیا نکتہ ہے حالانکہ
اس کا حق یہ ہے کہ اس کو موخر رکھا جائے۔
میں کہوں گا ہاں اس میں بدیع نکتے ہیں ان
میں سے ایک یہ کہ محکوم بہ (خبر) جبکہ پوشیدہ
ہو اور محکوم علیہ (مبتدا) ادراک میں ظاہر ہو تو
پہلا (خبر) معرف کے مشابہ ہوگا اور دوسرا
(مبتدا) تعریف کے مشابہ ہوگا لہذا اس کو مقدم
کرنا مستحسن ہے تاکہ لفظ اخیر اس کیلئے تعریف
کے مانند ہو جائے اور انھیں نکتوں میں سے
سننے والوں کو شوق دلانا ہے اس لئے کہ نفوس
انجانی بات کو جاننے کے لئے ہمکتے ہیں تو جب
کسی ایسی چیز کو سنیں گے جو ان کے نزدیک
پوشیدہ ہے اور امید رکھیں گے کہ اس کے بعد وہ
ذکر کیا جائے جو ان پر ظاہر ہے۔ تو سننے کے لئے
متوجہ ہوں گے اور جاننے کے لئے فارغ ہونگے
تو اس صورت میں کلام زیادہ دلنشیں اور راسخ
ہوگا اور نفس کو اس کی طرف زیادہ میلان اور
سکون ہوگا اور ان میں سے یہ ہے کہ شریعت
میں اعمال اپنی ذات کے لئے مقصود نہیں ہوتے

من ثمراتها فضلا من المولى سبحنه وتعالى، فكانت الثمرات هي المقاصد وحق المقاصد ان تقدم الى غير ذلك مما لا يخفى على اولى الالباب، وفيما ذكرنا ما يغني عن الاطناب والحمد لله رب العلمين

هذا كله مما جاني الملك الجواد تبارك وتعالى، فقد بان لك صدقي في قولي ان هذا الزاعم لاخبرة له بمناهج الكلام في النصوص ولا باسباب النزول في هذا الخصوص ولا بالتفسير المرفوع الى الجناب الرفيع ولا بتصريح القادة في كلامهم البديع ولا بشئ مما خلا والحمد لله جل وعلا۔

بلکہ ان ثمرات کے لئے مقصود ہوتے ہیں جو ان پر مرتب ہوتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل سے لہذا وہ ثمرات ہی مقاصد ہیں اور مقاصد کا حق یہ ہے کہ ان کو مقدم کیا جائے، اس کے علاوہ اس میں اور بھی نکتے ہیں جو عقل والوں پر پوشیدہ نہیں، اور جو ہم نے ذکر کیا ان میں تطویل سے بے نیازی ہے، یہ سب ان عنایتوں سے ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے عطا کی، اب تمھیں میری سچائی ظاہر ہوگئی میری اس بات میں کہ اس زعم والے شخص کو نصوص میں کلام کے طریقوں کی خبر نہیں نہ ان نصوص میں اسباب نزول کو جانتا ہے اور نہ جناب رفیع صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے مروی تفسیر مرفوع سے خبر ہے اور نہ رہنمایانِ شریعت کی ان کے کلام بلیغ میں تصریحات کی واقفیت ہے اور نہ ان چیزوں سے جن کا ذکر گزرا اس کے پاس کچھ نہیں، والحمد للہ جل وعلا۔

من وجوه الجواب

عن هذا الارتياب اقول بتوفيق الوهاب لئن جئنا على المماكسة والاستقصاء لما تركناكم ان تزعموا ان الأية لا تقتضي باكرمية الاتقى وان سلمنا الموضوع

اس شبہہ کے جواب میں دوسری وجہ، میں اللہ وہاب کی توفیق سے کہتا ہوں اگر ہم اس بحث کا دائرہ بند کرنے پر اور حد تک پہنچانے پر آجائیں تو ہم تم کو نہ چھوڑیں کہ تم یہ کہو کہ آیت اتقی کی فضیلت کا تقاضا نہیں کرتی اگرچہ ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ آیت میں اکرم ہی

هو الاکرم و ذلك لان اتقلکم و اکرمکم
لا یصدقان بل لا یصلحان لان
یصدقا الاعلی واحد ولا یجوز
تعددهما بمعنی الصدق مرة
علی هذا واخری علی ذاك
فاذا ثبت اتحادهما فی الوجود
کما هو مقتضی الحمل وجب
التعاکس اذ لما اتحد مصداقهما
وقد علمنا بطلان التعدد کانا
کعلمین لجزئی واحد لك ان
تجعل ایهما شئت مرآة لملاحظة
وایهما شئت محمولاً علیه و
له نظائر جمة تقول افضل
الانبیاء اولهم خلقا و اکرم
الرسل اٰخرهم بعثاً و احسن
الجنن اقربها الی العرش ، و
اعظم شجرة فی الجنة طوبیٰ ،
ومنتهی جبریل سدرة
المنتهیٰ و افضل الصلوات
الصلوٰة الوسطی ، و ابوك
ابوه ، و املك امه ، و اول
من دخل اٰخر من
خرج ، و اقل الاعداد
اول الاعداد ، و الشمس
النیر الاعظم ، و اعلی

موضوع ہے یہ اس وجہ سے کہ اتقاکم اور
اکرمکم صادق نہیں آتے بلکہ ان میں صلاحیت
ہی نہیں اس کی کہ وہ ایک ذات واحد پر
صادق آئیں تو ان دونوں کا تعدد جائز نہیں
بایں معنی کہ کبھی اس پر صادق ہوں اور کبھی
اس پر صادق ہوں، کہ جب ان کا وجود میں
اتحاد ثابت ہوگیا تو دونوں کا باہم عکس ضروری
ہوا اس لئے کہ جب دونوں کا مصداق
ایک ہے اور ہم نے تعدد کا باطل ہونا جان
لیا تو یہ دونوں ایک ذات واحد کے دو علم کی
مثال ہوئے تمہیں اختیار ہے کہ جن کو چاہو
ذات کے لئے مرآۃِ ملاحظہ بناؤ اور جن کو چاہو
محمول علیہ بناؤ اور اس کی بہت ساری مثالیں
ہیں، تم کہتے ہو سب نبیوں سے افضل وہ ہیں
جو سب سے پہلے مخلوق ہوئے اور سب رسولوں
سے اکرم وہ ہیں جو سب کے بعد مبعوث ہوئے
اور سب جنتوں سے بہتر وہ جنت ہے جو سب
سے زیادہ عرش سے قریب ہے۔ اور جنت
میں سب سے بڑا پیڑ طوبیٰ ہے ، اور جبریل کا
منتہیٰ سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ اور سب نمازوں
سے بہتر بیچ کی نماز (عصر) ہے اور تمہارا باپ
اس کا باپ ہے اور تمہاری ماں اس کی ماں
ہے۔ اور سب سے پہلے داخل ہونے والا
سب کے بعد نکلنے والا ہے ، اور عدد میں سب
سے کمتر پہلا عدد ہے۔ اور سورج نیرِ اعظم ہے

الافلاك اكبرها حجما ، واخص
الكليات اقلها افرادًا وفلك جوزهر
فلك القمر وسيارة لا تدور لها ذكاء
المتحيرة السوداء زحل، والخانس
الكانس الاحمر مريخ الى غير ذلك
مما لا يعد ولا يحصى ومحال ان
تبدى مثالا يحمل فيه
افعل مضافا على
افعل مضافا الى اضيف اليه
الاول مع جريانهما على
معناهما الحقيقى ثم
لايصح العكس ، فاذا صدقت
القضية بالنظر الى الواقع كفانا
هذا الانتظام القياس و استنتاج
المدعىٰ والسرفى ذلك ان
الموجبات انما تنعكس الى ما لا يصلح
لكبروية الاول لجواز عموم المحمول
واذا كان هناك مفهومان ليس لكل منهما
الا مصداق واحد بحسب ظرف الخارج
او الذهن ايضًا بطل عمومهما بحسب
ذلك الظرف (فلا يجوز ان يكون احدهما
اعم من الاخر بمعنى شموله له ولغيره
فى ذلك الظرف) فلم يبق باعتباره الا
التساوى) او التباين ولا ثالث لهما فان
صدقت الحملية القائلة ان هذا ذلك

اور سب سے اونچا فلک حجم میں سب سے بڑا ہے
اور خاص تر کلی سب سے کم افراد والی ہے اور فلک
جوزہر فلک قمر ہے۔ اور وہ سیارہ جس میں گولائی
نہیں وہ سورج ہے اور سیارہ سیاہ متحیرہ زحل ہے
اور سیدھے چل کر اُلٹے پھرنے والا اور غائب ہو جانیوالا
سرخ سیارہ مریخ ہے۔ اس کے علاوہ بہت ساری
مثالیں جن کی گنتی اور شمار نہیں، اور محال ہے کہ تم
ایسی مثال ظاہر کرو جس میں افعل التفضیل مضاف
ہوکر دوسرے افعل التفضیل پر محمول ہو درانحالیکہ
وہ اس کی طرف مضاف ہو جس کی طرف پہلا
مضاف ہوا ہے اور اسی کے ساتھ دونوں اپنے
معنی حقیقی پر جاری ہوں پھر ان دونوں کا عکس
صحیح نہیں۔ تو جب قضیہ نظر بنفس الامر صادق
ہے تو ہمیں نظم قیاس اور مدعا کا نتیجہ حاصل
کرنے کے لئے یہی کافی ہے اور اس میں راز یہ
ہے کہ موجبہ قضیے کا عکس وہ آتا ہے جو شکل اول
کے کبریٰ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس لئے
کہ محمول کے عموم کا احتمال ہے اور جبکہ دو مفہوم وہاں
ایسے ہوں کہ جن میں سے ہر ایک کے مصداق کا
اعتبار اس کے محل خارجی کے اعتبار سے ایک
ہو یا ذہن میں بھی متحد ہو تو ان دونوں کے مفہوم
کا عموم باعتبار اس محل کے باطل ہے تو اس کے
اعتبار سے نہ رہی مگر تساوی یا تباین اور ان دونوں
کا ثالث نہیں تو اگر قضیہ حملیہ جس میں یہ دعویٰ ہو
کہ بیشک یہ شخص وہی ہے تو ضروری ہے کہ قضیہ

وجب صدق القائلة ان ذاك هذا والالجاز السلب فيتباينان فتبطل الاولى هف فاذا بلغنا مثلاً عن رجل قولان احدهما قوله لعمرو زيد ابوك والاٰخر قوله ابي ابوك امكن لنا ان نعمل من قوليه شكلاً ينتج ان زيدا ابي لانه اذا صدق قوله ابي ابوك لزم صدق ابوك ابي والا لتعدد ابواهما فبطل الاول واذا صدقت هذه انتظم الشكل بان زيدا ابوك وابوك ابي فزيد ابي، وافعل التفضيل مضافاً الى جماعة اذا كان باقياً على معناه الحقيقي المتبادر منه شانه هذا اذ لا يكون الفرد الاكمل من جماعة الا واحدا ولن يصدقن ابدا قضيتان قائلتان بان هذا اكملهم وذلك اكملهم معًا وهذا ظاهر جدا بل شان هذا انور من شان الشمس واخواتها فان العقل

حملیہ صادق آئے کہ وہ شخص یہی ہے ورنہ اس کا سلب جائز ہوگا تو آپس میں دونوں متباین ہونگے تو پہلا قضیہ باطل ہو جائیگا اور یہ خلاف مفروض ہے لہٰذا اگر ہمیں ایک شخص سے دو باتیں پہنچیں ان میں سے ایک اس کا قول عمرو سے مخاطب ہوکر کہ زید تیرا باپ ہے اور دوسرا اس کا قول کہ میرا باپ تیرا باپ ہے تو ہمیں ممکن ہے کہ ہم اسکے دونوں قول سے ایک شکل بنائیں تو یہ نتیجہ دیں کہ زید میرا باپ ہے اس لئے کہ جب اس کا یہ قول کہ میرا باپ تیرا باپ ہے صادق ہے تو لازم ہے کہ یہ قول صادق ہو کہ تیرا باپ میرا باپ ہے ورنہ ان دونوں کے باپ متعدد ہوں گے تو پہلا قول باطل ہو جائے گا اور جب یہ قضیہ صادق ہے تو شکل اسی طور پر بنے گی کہ زید تیرا باپ ہے اور تیرا باپ میرا باپ ہے، نتیجہ یہ ہوگا کہ زید میرا باپ ہے۔ اور افعل التفضیل جو ایک جماعت کی طرف مضاف ہو جب وہ اپنے اس معنیٰ حقیقی پر باقی ہو جو اس سے متبادر ہوتے ہیں تو اس کی شان یہی ہوتی ہے اس لئے کہ کسی جماعت سے فرد اکمل ایک ہوگا اور ہرگز کبھی ایسے دو قضیے صادق نہ آئیں گے جو یہ دعویٰ کرتے ہوں کہ یہ شخص ساری جماعت سے اکمل ہے اور وہ شخص ساری جماعت سے افضل ہے، اور یہ سب ظاہر ہے بلکہ اس کا معاملہ سورج اور اس کے امثال کے ظہور سے روشن تر ہے اس لئے کہ عقل

يجيز صدقها على افراد كثيرة
ثبيرة واذا وجد لها فى الخارج
فرد لم يستبعد وجود أخر بخلاف
افعلهم فانما يقبل الاشتراك
على سبيل البدلية واذا
صدق فى الخارج على فرد
احال العقل صدقه على
أخر منحازا عنه كدأب
اسماء الاشارة سواء بسواء
فصدق العكس ههنا ابين
واجلى، وأما قول اهل الميزان
لا تنعكس الموجبة الاجزئية معناه
ان كلما جعلت موضوع موجبة
كلية محمولا ومحمولها موضوعا
واتيت بسور الكلية كانت القضية
كاذبة فان الواقع يكذبه بل
المعنى عدم الاطراد، وهم لا
اقتصر نظرهم على الكليات
لا يعتدون الا بالمطرد المضبوط
الذى لا يتخلف فى مادة من
المواد وعدم الاطراد لا يستلزم
المراد العدم، ولا اقول انه عكس منطقى،
ولا انها تلزم القضية لزوما عاما لكنها
تلزم فى امثال المقام لا شك فتصدق
القضية بالنظر الى الواقع

شمس وغیرہ کے مفہومات کا صادق آنا بہت سارے
افراد پر جائز جانتی ہے اور جب ان مفہومات کا
خارج میں کوئی فرد پایا جائے تو عقل دوسرے
فرد کے وجود کو بعید نہیں جانتی بخلاف اَفْعَلُهُمْ
کہ یہ تو اشتراک کو بر سبیل بدلیت قبول کرتا ہے
اور جب خارج میں کسی فرد پر اس کا مصداق پایا جائے
تو عقل محال جانتی ہے کہ افعل التفضیل کا
مصداق دوسرے پر صادق آئے جو اس سے منفرد ہو
اس کا معاملہ اسمائے اشارہ کے مانند
برابر برابر ہے تو یہاں پر عکس کا صادق ہونا
روشن تر اور ظاہر تر ہے۔ رہا منطق والوں کا
یہ قول کہ موجبہ کا عکس نہیں ہوتا مگر جزئیہ اس کا
معنیٰ یہ ہے کہ جب کبھی تم موجبہ کلیہ کے
موضوع کو محمول بناؤ اور اس کے محمول کو موضوع
بناؤ اور اس پر کلیہ کا سور لاؤ تو قضیہ کاذب
ہوگا اس لئے کہ واقع اس بات کو جھٹلاتا ہے بلکہ
معنیٰ یہ ہے کہ یہ مطرد نہیں اور منطقیوں کی نظر
چونکہ کلیات تک محدود ہوتی ہے تو وہ اعتبار
نہیں کرتے مگر اس مفہوم کا جو مطرد و مضبوط
ہو مواد میں کسی مادہ میں جس کا حکم متخلف نہ ہو اور
عدم اطراد اطرادِ عدم کو مستلزم نہیں ہے اور
میں یہ نہیں کہتا کہ یہ عکس منطقی ہے، نہ یہ دعویٰ
کرتا ہوں کہ یہ قضیہ کو عام طور پر لازم ہے لیکن
اس مقام کے امثال میں بلاشبہ عکس لازم
ہوتا ہے تو قضیہ منعکسہ واقعہ پر نظر کرتے ہوئے

سماها الميزانيون عكسًا اولاً وهذا القدر يكفي لانتظام الشكل فان صادقتين مستجمعتين للشرائط لا تنتجان الا صادقة و لا يلزم اثبات الصدق على انها عكس منطقي لقضية صادقة وانكار هذا من اخنى المكابرات ـ ثم هذا العكس لم يرشدنا اليه الا الأية الكريمة اذهي التي دلتنا على اتحادهما في الوجود فاذا كان هذا في مفهومين لا تعدد لمصداق شئ منهما كان ارشادًا الى التعاكس قطعًا، كما اذا سمعت رجلاً يقول ابي زيد جاز لك ان تقول كان الرجل يقول زيد ابي لان زيدًا لا يتعدد وابو الرجل لا يتعدد فاذا كان ابوه زيد اكان زيد اباه كذا هذا من دون شك ولا اشتباه والحمد لله على نعمائه وعليك بتسكين الهواجس يا فلسفياه ـ

صادق ہے اہلِ منطق نے اس کا نام عکسِ اول رکھا ہے اور اتنی مقدار انتظام شکل کے لئے کافی ہے اس لئے کہ دو قضایا صادقہ جو شرائط کے جامع ہوں ایک قضیہ صادق ہی کا نتیجہ دیں گے اور صدق کا ثابت کرنا اس پر موقوف نہیں کہ وہ قضیہ صادقہ عکس منطقی ہو اور اس کا انکار نہایت بے شرمی کے مکابرات میں سے ہے ۔ پھر اس عکس کی طرف آیت کریمہ نے ہی رہنمائی کی اس لئے کہ اسی نے ہم کو یہ دکھایا کہ دونوں قضیے وجوب میں متحد ہیں تو جب یہ حال ایسے دو مفہوموں میں ہے کہ ان میں سے کسی شے کا مصداق متعدد نہیں تو یہ یقیناً دونوں قضیے کے باہم منعکس ہونے کی طرف رہنمائی ہے جیسے کہ تم جب کسی شخص کو کہتے سنو کہ میرا باپ زید ہے تو تمہیں جائز ہے کہ تم کہو گویا کہ یہ شخص یوں کہہ رہا ہے کہ زید میرا باپ ہے، اس لئے کہ زید متعدد نہیں اور اس شخص کے باپ متعدد نہیں تو جب اس کا باپ زید ہوا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زید اس شخص کا باپ ہے، اسی طور پر بلا شک و شبہہ یہ آیت ہے اور اللہ کے لئے اس کی نعمتوں پر حمد، اور اے فلسفی! تجھے لازم ہے کہ وساوس کو ساکن رکھ ۔

الثالث من وجوه الجواب

اقول وربي هادي الصواب اخترنا عن هذا كله و سلمنا ان مفاد الأية الاولى قولنا

وجوہِ جواب میں سے تیسری وجہ، میں کہتا ہوں اور میرا رب راہِ صواب دکھانے والا ہے ہم نے اس سب کو اختیار کیا اور مان لیا ۔ آیت اولیٰ کا مفاد ہمارا یہ قول ہے کہ

كل اكرم اتقى وينعكس بعكس النقيض الى قولنا من ليس باتقى ليس باكرم وقد اثبتنا فيما اسلفنا عرش التحقيق على ان المراد بالاتقى فى الآية الثانية اعنى قوله تعالىٰ وسيجنبها الاتقى[1] اتقى الصحابة جميعاً فوجب ان لايكون احد من الصحابة اتقى منه و لامساويًا له فى التقوىٰ اذا ثبت هذا فنقول كل صحابى فهو ليس باتقى من ابى بكر ومن ليس باتقى منه ليس باكرم منه۔ انتج ان كل صحابى فهوليس باكرم من ابى بكر وصغرى القياس معدولة كما لوحنا اليه بتقديم اداة الربط على حرف السلب ولك ان تجعلها موجبة سالبة المحمول اعنى على قول قوم من المتاخرين ويرشدك الى مايزيح وهمك جعل السلب فى الكبرىٰ مرأة لملاحظة افراد الاوسط وان شئت لم تعكس الآية الاولى ايضا ونسجت الشكل

كل اکرم اتقیٰ (یعنی ہر اکرم سب سے بڑا متقی ہے) اور اس کا عکس نقیض ہمارا یہ قول ہے کہ من لیس باتقیٰ لیس باکرم (جو اتقیٰ سب سے بڑا متقی نہیں ہے وہ اکرم نہیں ہے) اور ہم نے ان کلمات میں جو ہم پہلے کہہ چکے عرش تحقیق کو ثابت کر دیا کہ مراد اتقیٰ سے آیت ثانیہ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کے قول وسیجنبہا الاتقیٰ میں تمام صحابہ سے زیادہ متقی شخص مراد ہے تو ضروری ہے کہ صحابہ میں کوئی اس سے بڑھ کر متقی نہ ہو اور تقویٰ میں اس کے کوئی مساوی ہو، جب ثابت ہوگیا تو ہم کہتے ہیں کہ ہر صحابی ابوبکر سے بڑھ کر متقی نہیں اور جو ان سے بڑھ کر متقی نہیں وہ کرامت میں ان سے بڑھ کر نہیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر صحابی ابوبکر سے زیادہ عزت والا نہیں اور اس قیاس کا صغریٰ معدولہ ہے جیسا کہ ہم نے اس کی طرف اداتِ ربط کو حرفِ سلب پر مقدم کرکے اشارہ کیا اور تمہیں اختیار ہے کہ تم اس قضیہ کو موجبہ سالبۃ المحمول بناؤ یعنی متاخرین میں سے ایک قوم کے قول پر اور تمہاری رہنمائی اس بات کی طرف جو تمہارے وہم کو دُور کردے سلب کو کبریٰ میں افرادِ اوسط کے لئے مرآۃ ملاحظہ بنانے سے ہوگی اور اگر تم چاہو تو آیتِ اولیٰ کا عکس نہ کرو اور شکل کو آیتِ ثانیہ کے طرز پر

---

[1] القرآن الکریم ۹۲ /۱۷

على منوال الثانى بان تقول لا شئ من الصحابة اكرم من ابى بكر وكل اكرم من ابى بكر اتقى منه انتج ان لا شئ من الصحابة اكرم من ابى بكر ولعلك ان تقرره قياسا استثنائيا يرفع المقدم لرفع التالى فتقول لو كان احد من الامة اكرم من الصديق لكان اتقى منه لان كل اكرم اتقى لكنهم ليسوا باتقى منه للآية الثانية فليسوا باكرم منه وفيه المقصود۔

منتظم کرو بایں طور کہ تم کہو کہ کوئی صحابی ابوبکر سے بڑھ کر عزت والا نہیں، اور شاید تم اس کو قیاس استثنائی کے طور پر مقرر رکھو جو مقدم کو ارتفاع تالی کی وجہ سے مرتفع کردے تو تم یوں کہو امت میں اگر کوئی صدیق سے بڑھ کر عزت والا ہوتا تو وہ ضرور صدیق سے بڑھ کر متقی ہوتا اس لئے کہ ہر اکرم اتقی ہے لیکن ساری امت صدیق سے بڑھ کر متقی نہیں بدلیل آیت ثانیہ، تو وہ صدیق سے بڑھ کر عزت والے نہیں اور اسی میں ہمارا مقصود ہے۔

تنبيه: سيقول السفهاء من الناس ما ولكم عن دعواكم التى كنتم عليها فان الثابت على هذه التقارير الثلثة الاخيرة انما هو نفى اكرم من الصديق وهو لا يستلزم اكرميته رضى الله تعالى عنه اذ يحتمل التساوى۔

تنبیہ: اب کہیں گے بیوقوف لوگ اس دعوٰی سے جس پر تم قائم تھے کس چیز نے تمہیں پھیر دیا اس لئے کہ ان تین تقاریر اخیرہ پر جو ثابت ہوتا ہے وہ صدیق سے زیادہ عزت والے کی نفی ہے اور اس سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی (اولویت) سب پر لازم نہیں آتی اس لئے کہ تساوی کا احتمال ہے۔

اقول او قد قالوا فلئن قالوا فلقد زاغوا۔

اقول کیا ان بیوقوفوں نے یہ بات کہی اگر انہوں نے ایسا کہا تو بے شک وہ منحرف ہوگا،

اما **اولاً** فنصوص الشرع ومحاورات البلغاء طافحة بسوق الكلام الى غرض التفضيل على الاطلاق على هذا المساق يقولون ليس احد افضل من فلان ويريدون انه افضل الكل وذلك لان التساوى

اولاً نصوص شرع اور اہل بلاغت کے محاورے اس ڈھنگ سے بھرے ہیں کہ کلام کو علی الاطلاق فضیلت بتانے کی غرض سے اس طور پر لایا جاتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ کوئی فلاں سے افضل نہیں ہے اور مراد لیتے ہیں کہ وہ سب سے افضل ہے اور یہ اس لئے کہ تساوی حقیقی عادتاً گویا

الحقیقی کالمحال عادة وعلیك بكلام شراح الحدیث۔

واما ثانیًا فلك ان تضم الیہ اجماع الامة علیٰ وجود التفاضل والحق لا یخرج عن اقوالھم۔

واما ثالثًا ھو الظاہر ان المعلم ان العارف باسالیب الكلام یفھم من الأیة الاولیٰ تسبب التقویٰ لایراث الكرامة وقصر حصولھا علی حصولہ وبہ صرحت الاحادیث الناشیة عن ارشاد الأیة اللاحظة الی ملحظ الكریمة۔

انبأنا سراج الحنفیة بالسند عن الشریف عن محمد بن اركماش عن العلامة ابن حجر عسقلانی عن عبد الرحمٰن بن احمد بن المبارك الغزی عن احمد بن ابی طالب الحجار عن علی بن اسمٰعیل بن قریش عن الحافظ المنذری قال فی كتاب الترغیب والترھیب عن عقبة بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال ان انسابكم ھذہ لیست بسباب علی احد وانما انتم ولد آدم طف الصاع لم تملؤوہ لیس لاحد فضل علی احد الا بالدین او

محال ہے اور تم شراح حدیث کے کلام کو لازم پکڑو۔

ثانیاً تمھیں یہ اختیار ہے کہ اس کے ساتھ وجود تفاضل پر امت کا اجماع ضم کرو اور حق اقوالِ اُمت سے باہر نہ ہوگا۔

ثالثاً اور وُہ جو طراز معلم یہ کہ اسالیب کلام کا واقف آیت اولیٰ سے سمجھتا ہے کہ تقویٰ عزت حاصل ہونے کا سبب ہے اور عزت کا حصول تقویٰ کے حصول پر منحصر ہے اسی کی تصریح ان احادیث نے کی جو ارشادِ آیت سے ناشی ہیں اور آیت کریمہ کے مطمعِ نظر کی طرف دیکھتی ہیں۔

ہمیں سراج الحنفیہ نے خبر دی اپنی سند سے، وہ روایت کرتے ہیں شریف سے، وہ روایت کرتے ہیں محمد بن ارکماش سے، وہ روایت کرتے ہیں علامہ ابن حجر عسقلانی سے، وہ روایت کرتے ہیں عبد الرحمٰن ابن احمد ابن مبارک غزی سے، وہ روایت کرتے ہیں احمد بن ابی طالب حجار سے، وہ روایت کرتے ہیں علی ابن اسمٰعیل ابن قریش سے، وہ روایت کرتے ہیں حافظ منذری سے، اُنھوں نے فرمایا: کتاب الترغیب والترھیب میں کہ عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمھارا یہ نسب کسی کیلئے گالی نہیں ہے تم تو آدم کی اولاد ہو پیمانہ کی طرح جو تم نے نہیں بھرا کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر دین یا عمل صالح کے سبب۔ اس

عمل صالح، رواہ احمد والبیھقی کلاھما من روایۃ ابن لھیعۃ۔ ولفظ البیھقی قال لیس لاحد علی احد فضل الا بالدین او عمل صالح حسب للرجل ان یکون بذیا بخیلا۔ وفی روایۃ لیس لاحد علی احد فضل الا بالدین او تقوی وکفی بالرجل ان یکون بذیا فاحشا بخیلا، قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم طف الصاع بالاضافۃ ای قریب بعضکم من بعض[1]۔ اھ۔

حدیث کو روایت کیا احمد اور بیہقی دونوں نے ابن لہیعہ کی روایت سے، اور بیہقی کے لفظ یوں ہیں، کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر دین یا عمل صالح سے، اور آدمی کے بُرا ہونے کے لئے کافی ہے کہ وہ بدزبان کنجوس ہو۔ اور ایک روایت میں ہے، کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر دین یا تقوٰی سے، اور آدمی کے لئے کافی برائی ہے کہ وہ بدگو بے حیا کنجوس ہو۔ حدیث میں حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قول "طف الصاع" اضافت کے ساتھ کا معنٰی یہ ہے یعنی تم میں سے بعض بعض کے قریب ہے انتہی۔

قلت واخرجہ الطبرانی فی حدیث طویل من طریق ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما ولفظہ انما انتم من رجل وامرأۃ کجُمام الصاع لیس لاحد علی احد فضل الا بالتقوٰی[2] اھ۔ قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کجُمام الصاع جُمام بالضم ما یملأ والمعنی انکم متساوون فی القدر کحبات الصاع تکال فیعرف مقدارھا واستواءھا بمثلھا کیلا من

قلت (میں کہتا ہوں) اور طبرانی میں اس کی تخریج کی ایک حدیث طویل میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے طریق سے، اور ان کے لفظ یہ ہیں، تم لوگ ایک مرد اور عورت سے ہو جُمام صاع کی طرح۔ کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر تقوٰی سے انتہی۔ حدیث میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قول "جُمام صاع"۔ "جُمام" بضم جیم وہ چیز ہے جو پیمانہ میں بھری جاتی ہے، اور معنی یہ ہے کہ تم قدر میں ایک دوسرے سے برابر ہو پیمانہ کے حبوں کی طرح جس کو پیمانہ میں بھرا جاتا ہے تو ان کی مقدار اور ان کے مثل کے ساتھ

---

[1] الترغیب والترھیب من احتقار المسلم وانہ لافضل لاحد الخ حدیث ۶۰۷ مصطفی البابی مصر ۳/۶۱۲
[2] الجامع لاحکام القرآن تحت الآیۃ ۴۳/۴۴ دار الکتاب العربی بیروت ۱۶/۸۲

دون حاجة الى الوزن لتساويهما ثقلا و اكتنازا. و به قال المنذري عن ابي ذر رضي الله تعالٰى عنه" ان النبي صلى الله تعالٰى عليه وسلم قال له انظر فانك لست بخير من احمر ولا اسود الا ان تفضله بتقوى، رواه احمد و رواته ثقات مشهورون الا ان بكر بن عبد الله المزني لم يسمع من ابي ذر[1] اهـ۔

قلت والمرسل مقبول عندنا وعند الجمهور۔ و به قال عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالٰى عنهما قال خطبنا رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم في اوسط ايام التشريق خطبة الوداع فقال يا ايها الناس ان ربكم واحد وان اباكم واحد، الا لا فضل لعربي على عجمي ولا لعجمي على عربي ولا لاحمر على اسود ولا لاسود على احمر الا بالتقوى ان اكرمكم عند الله اتقكم الاهل

ان کی برابری پیمانہ میں معلوم ہوتی ہے اور انھیں تولنے کی ضرورت نہیں ہوتی اس لئے کہ بوجھ اور موٹائی میں وہ برابر ہوتے ہیں۔ اور اسی مضمون کو منذری نے ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "بے شک تم سیاہ فام سے اور سُرخ سے بہتر نہیں اور نہ سیاہ فام تم سے بہتر ہے مگر یہ کہ تم اس پر فضیلت پاؤ تقویٰ کی وجہ سے۔" اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا، اور اس کے راوی ثقہ معروف ہیں مگر یہ کہ بکر بن عبد اللہ مزنی نے اس حدیث کو ابوذر سے نہیں سُنا۔ انتہی

قلت (میں کہتا ہوں) اور مرسل ہمارے نزدیک اور جمہور کے نزدیک مقبول ہے۔ اور اسی مضمون کی روایت کی جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انھوں نے فرمایا کہ ہمیں رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایام تشریق کے درمیانی دن میں خطبۃ الوداع دیا کہ فرمایا: اے لوگو! بے شک تمھارا رب ایک ہے اور بیشک تمھارا باپ ایک ہے۔ سنتے ہو عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں اور نہ عجمی کو عربی پر اور نہ سرخ کو کالے پر اور نہ کالے کو سرخ پر فضیلت ہے مگر تقویٰ سے، بیشک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے،

---

[1] الترغیب والترہیب من احتقار المسلم وانہ لا فضل لاحد الخ حدیث ۸ مصطفی البابی مصر ۳/ ۶۱۲

بلغت؟ قالوا بلٰی یا رسول الله، قال فلیبلغ الشاھد الغیب، ثم ذکر الحدیث فی تحریم الدماء والاموال والاعراض رواہ البیھقی وقال فی اسنادہ بعض من یجھل[1] انتھی

قلت ولایضرنا فی الشواھد واخرج الطبرانی فی الکبیر عن حبیب بن خراش رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم المسلمون اخوۃ لافضل لاحد علی احد الا بالتقوٰی[2]، وبالجملۃ فالاحادیث کثیرۃ فی ھذا المعنی ثم ان الکرامۃ والتقوٰی کلاھما مقولان بالتشکیک فکلما زاد زادت وکلما نقص نقصت والمتساویان فیہ یتساویان فیھا کالعصیان[ع] سبب للھوان فیزداد بزیادتہ وینتقص بانتقاصہ وھکذا فاذا ثبت ھذا کان معنی قولنا کل اکرم اتقی منحلا الی ثلث قضایا احدھا ھذہ والثانیۃ کل ناقص فی الکرم عن غیرہ ناقص عنہ فی التقوٰی

سنتے ہو کیا میں نے رب کا پیغام پہنچا دیا؟ صحابہ نے عرض کی کیوں نہیں یارسول اللہ (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)، فرمایا اب جو حاضر ہیں وہ غائبین کو پہنچادیں۔ پھر حدیث ذکر کی جو لوگوں کے خون، مال اور آبرو کی حرمت میں ارشاد ہوئی۔ اسے بیہقی نے روایت کیا اور کہا اس کی سند میں بعض مجہول ہیں۔

قلت (میں کہتا ہوں) شواہد میں ہم کو راوی کی جہالت مضر نہیں۔ طبرانی نے معجم کبیر میں حبیب بن خراش رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان آپس میں بھائی ہیں کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر تقوٰی سے۔ بالجملہ اس معنی کی حدیثیں بکثرت وارد ہیں مگر کرامت اور تقوٰی دونوں تشکیک کے ساتھ بولے جاتے ہیں تو جب تقوٰی زیادہ ہوگا کرامت زیادہ ہوگی اور جب تقوٰی کم ہوگا کرامت کم ہوگی، اور تقوٰی میں متساوی کرامت میں متساوی ہوں گے جیسے کہ عصیان سبب ذلت کا، تو ذلت عصیان کی زیادتی سے زیادہ اور اس کی کمی سے کم ہوتی ہے اور یونہی جب یہ بات ثابت ہے تو ہمارے قول "کل اکرم اتقی" کے معنی کی تحلیل تین قضیوں کی طرف ہوگی ان کا ایک تو یہی ہے اور دوسرا

ع ای فی اصل قضیۃ المجازاۃ اما تدارک الرحمۃ ففضل الٰہی یختص بہ من یشاء کما اسلفنا تحقیقہ ۱۲ منہ غفرلہ۔

یعنی اصل مقتضائے مجازات میں رہا تدارک رحمت تو یہ فضل الٰہی ہے اللہ تبارک وتعالٰی جسے چاہے اس کے ساتھ مخصوص فرماتا ہے، جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق گزشتہ میں کی ۱۲ منہ غفرلہ

---

[1] الترغیب والترہیب من احتقار المسلم وانہ لافضل لاحد الخ حدیث ۹ مصطفی البابی مصر ۳/ ۶۱۲ تا ۶۱۳

[2] المعجم الکبیر حدیث ۳۵۴۷ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۴/ ۲۵

والثالث كل متساويين فيهما
متساويان فيه والآية الثانية
ايضا تنحل الى ثلث مقدمات
"ابوبكر اتقى الكل" وهو
المنطوق ولايزيد عليه احد في التقوى و
لايساويه احد فيه و
عند هذا ليسهل عليك دفع الاشكال
ونظم الاشكال لقطع الاحتمال والحمد
لله المهيمن المتعال هذا ما
الهمنا المولى تبارك وتعالى بمنيع
فضله ورفيع كرمه ومنحنا
من عظام آلائه وحسان نعمه
في تقرير دليل اهل السنة والجماعة
ودفع شبهات (اهل) البطالة
والخلاعة وارجوا ان تكون عامة ما
في تلك الخيام من عرائس بيض تجلوا
الظلام وبسائم تكشر عن برد
الغمام اكون انا ابا عذرتها وماذون
الدخول في حجرتها وكان قال الاول
ليس على الله بمستنكر ان يجمع العالم
في واحد، فقلت انا قد قدر الله فلا
تنكر ان لحق العاجز بالقادر، كيف وقد
فاز بافضاله ال، كل فما ظنك
بالقادري۔

یہ ہے کل ناقص فی الکرم عن غیرہ ناقص عنہ
فی التقوی (عزت میں دوسرے سے کمتر اس سے
تقوی میں کمتر ہے) اور تیسرا کل متساویین فیہما
متساویان فیہ (ہر دو شخص جو تقوی میں برابر ہیں وہ
عزت میں برابر ہیں) اور اس صورت میں تمہیں
اشکال کا دفع کرنا قطع احتمال کے سبب آسان
ہے اور سب تعریفیں اللہ کے لئے جو نگہبان و
برتر ہے ——— یہ وہ ہے جو
جو ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے الہام فرمایا اپنے
فضلِ عظیم اور کرمِ رفیع سے، اور بخشا ہمیں اپنے
عظیم احسانوں سے، اور حسین نعمتوں سے اہلسنت
وجماعت کی دلیل کی تقریر میں تائیداور اہل بطالت و
ضلالت کے شبہات کے دفع کرنے کے لئے،
اور میں امید کرتا ہوں کہ ان خیموں میں جو خوبصورت
دلہنیں ہیں وہ اندھیروں کو دور کریں اور مسکراتی
صورتیں جو بارش کے اولے دکھائیں ان میں سے
اکثر کا میں ہی صاحب ہوں، اور ان کے حجرے
میں دخول کا مجاز ہوں، اور مجھ سے پہلے نے کہا
تھا کہ اللہ پر مستبعد نہیں کہ عالم کو ایک میں
جمع کردے، تو میں نے کہا بے شک اللہ نے
مقدر کیا تو اس کا انکار نہ کرنا کہ اللہ نے عاجز کو
قادر سے ملحق کردیا، کیوں نہ ہو حالانکہ اللہ کے
فضل سے سب بہرہ مند ہیں تو تیرا کیا گمان ہے
قادری کے ساتھ۔

خاتمہ: رزقنا الله تعالیٰ حسنها امین۔ فان **قلت** لقد تفضل الله علیك یا وضیع القدر فنطقت بکلمات بلغن قاموس البحر فماذا تأمرنی فی المسئلة اقطع بتفضیل الصدیق نظرًا الی هذا الاستدلال مع ما فی الآیة من تاویل واحتمال اذ ذهب ذاهبون الی ان الاتقی بمعنی التقی وان زیفت قولهم بتحقیق نقی۔

قلت نعم اقطع ولا تبال بما قیل او ما یقال اذ قاطعان لا یأتیان قط الا بقطع وقد سمعت ان الصدیق هو المراد بالاتقی باجماع الامة قاطبة ولم ینقل فی ذلك شذوذ شاذ فکان قطعیا والآیة الاُخری نص فی المرام لا شك اما ما ذکرت من حدیث من ذهب الی ما ذهب فقد سمعت ان الآیة لا مساغ فیها للتاویل واحتمال بلا دلیل لا ینزل التنزیل عن درجة برهان قاطع جلیل الا تری ان کل نص یحتمل التاویل ومع ذلك هو قطعی قطعًا کما صرح به ائمة الاصول۔

خاتمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں حسنِ خاتمہ نصیب کرے، اب اگر تم کہو بے شک اللہ نے اے کمترین! تیرے اوپر احسان فرمایا تو تُو نے وہ کلمات بولے جو سمندر کی گہرائیوں میں پہنچ گئے اب مجھے اس مسئلہ میں کیا حکم دیتا ہے آیا میں فضیلتِ صدیق کا یقین لاؤں اس استدلال پر نظر کرتے ہوئے باوجودیکہ اس آیت میں تاویل واحتمال ہے اس لئے کہ جانے والے اس طرف گئے کہ اتقی بمعنی تقی ہے اگرچہ تُو نے ان کا قول سُتھری تحقیق سے غلط ثابت کر دیا۔

قلت (میں کہتا ہوں) ہاں یقین کر اور قیل وقال کی پرواہ نہ کر، اس لئے کہ دو قطعی نتیجہ نہیں دیتے مگر قطعی کا، اور تم سُن چکے کہ صدیق ہی مراد ہیں اتقی سے ساری امت کے اجماع کے بموجب، اور اس میں کسی نادر کی رائے شاذ بھی منقول نہیں، تو یہ اجماع قطعی ہوا، اور دُوسری آیت مدعا میں نص ہے جس میں کوئی شک نہیں، رہی وہ بات جو تم نے اس رائے کی کہی جس کی طرف جانے والے گئے، تو تم سُن چکے کہ آیت میں تاویل کی گنجائش نہیں اور احتمال بے دلیل تنزیل کو برہان قاطع جلیل کے درجے سے نازل نہیں کرتا کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہر نص تاویل کی محتمل ہے اور وہ اس کے باوجود یقیناً قطعی ہے جیسا کہ ائمہ اصول نے اس کی تصریح کی۔

و تحقیق المقام علی ما الهمنی الملك العلام ان العلم القطعی یستعمل فی معنیین ؛

احدهما قطع الاحتمال علی وجه الاستیصال بحیث لایبقی منه خبر ولا اثر وهذا هو الاخص الاعلی کما فی المحکم والمتواتر وھو المطلوب فی اصول الدین فلایکتفی فیہا بالنص المشہور۔

والثانی ان لایکون ھناك احتمال ناشئ من دلیل وان کان نفس الاحتمال باقیاً کالتجوز والتخصیص وسائر انحاء التاویل کما فی الظواھر والنصوص والاحادیث المشہورۃ والاول یسمی علم الیقین ومخالفہ کافر علی الاختلاف فی الاطلاق کما ھو مذھب فقہاء الآفاق، والتخصیص بضروریات الدین کماھو مشرب العلماء المتکلمین، والثانی علم الطمانیة ومخالفہ مبتدع ضال ولامجال الی اکفارہ کمسئلة وزن الاعمال یوم القیمة قال تعالٰی "والوزن یومئذ الحق"[1] ویحتمل النقد احتمالاً لاصارف

اور مقام کی تحقیق اس طور پر جو مجھے اللہ ملک العلام نے الہام کیا یہ ہے کہ علم قطعی دو معنی میں مستعمل ہوتا ہے ؛

ایک تو یہ کہ احتمال جڑ سے منقطع ہوجائے بایں طور کہ اس کی کوئی خبر یا اس کا کوئی اثر باقی نہ رہے، اور یہ اخص اعلیٰ ہے جیسا کہ محکم اور متواتر میں ہوتا ہے۔ اور اصولِ دین میں یہی مطلوب ہے، تو اس میں نصِ مشہور پر کفایت نہیں ہوتی۔

دوسرا یہ کہ اس جگہ ایسا احتمال نہ ہو جو دلیل ناشی ہو اگرچہ نفسِ احتمال باقی ہو جیسے کہ مجاز اور تخصیص، اور باقی وجوہِ تاویل، جیسا کہ ظواہر اور نصوص اور احادیثِ مشہورہ میں ہے۔ اور پہلی قسم کا نام علم یقین ہے اور اس کا مخالف کافر ہے علماء میں اختلاف کے بموجب مطلقاً، جیسا کہ فقہائے آفاق کا مذہب ہے، یا ضروریاتِ دین کی قید کے ساتھ یہ حکم مخصوص ہے جیسا کہ علمائے متکلمین کا مشرب ہے۔ اور دوسرے کا نام علم طمانیت ہے، اور اس کا مخالف بدعتی وگمراہ ہے، اور اس کو کافر کہنے کی مجال نہیں، جیسے کہ قیامت کے دن اعمال کو تولنے کا مسئلہ۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے" اور قیامت کے دن تول ہونا برحق ہے" اور یہ آیت نقد (پرکھ) کا ایسا احتمال رکھتی ہے

---

[1] القرآن الکریم ۷/ ۸

اليه ولا دليل اصلا عليه فيكون
كقولك "وزنته بميزان العقل"
وهو رائج في العجم ايضاً تقول
"سخن سنج" اى ناقد الكلام، و
مسئلة رؤية الوجه الكريم
للمؤمنين، رزقنا المولىٰ بفضله
العميم، قال تعالىٰ "وجوه يومئذ
ناضرة الى ربها ناظرة"[1] و يحتمل
احتمالاً كذلك ارادة الامل و
والرجاء وهو ايضاً مما توافقت
عليه العرب والعجم تقول
"دست نگر من ست" اى يرجو
عطائى ويحتاج الى نوالى
وهكذا مسئلة الاسراء الى
السموٰت العلى والشفاعة الكبرىٰ
للسيد المصطفىٰ عليه افضل التحية
والثناء فكل ذلك ثابت بنصوص
قواطع بالمعنى الثانى، ولذا لا نقول
باكفار المعتزلة والروافض الاولين
المأولين، وهكذا الظن له معنيان اذ
مقابل الاعم اخص والاعم اخص كما لا يخفى،
اذا عرفت هذا فمسئلتنا هذه ان
اريد فيها القطع بالمعنى الاخص فهذا

جس کی طرف پھیرنے والی کوئی چیز نہیں اور نہ اصلاً
اس پر کوئی دلیل ہے۔ اب آیت کا معنی تمہارے
قول "میں نے اس کو میزانِ عقل سے تولا" کے
مثل ہوگا، اور یہ عجم میں رائج ہے، تم کہتے ہو
"سخن سنج" یعنی کلام کو پرکھنے والا، اور مومنین
کے لئے اللہ تبارک وتعالےٰ کے دیدار کا مسئلہ،
مولائے کریم اپنے فضلِ عظیم سے نصیب فرمائے۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "کچھ منہ اس دن تر و تازہ
ہوں گے اپنے رب کو دیکھتے" احتمال رکھتا ہے
اسی طرح اُمید و رجاء کے ارادے کا، اور
یہ بھی ان باتوں میں سے ہے جن پر اب عرب و
عجم سب متفق ہیں، تم کہتے ہو: "دستِ نگر من
ست" یعنی میری عطا کی امید رکھتا ہے اور میری
بخشش کا محتاج ہے۔ اور اسی طرح آسمانوں
کی سیر اور شفاعتِ کبریٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ تعالےٰ
علیہ وسلم کے لئے کہ یہ تمام باتیں دوسرے معنیٰ
پر نصوصِ قطعی سے ثابت ہیں اور اسی لئے ہم
تاویل کرنے کے سبب معتزلہ اور اگلے روافض
کی تکفیر نہیں کرتے، اور اسی طرح ظن کے دو
معنی ہیں اس لئے کہ اعم کا مقابل اخص ہے
اور اعم اخص ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں،
جب تم نے یہ جان لیا تو ہمارا یہ مسئلہ اگر اس
میں قطعی بالمعنی الاخص مراد لیا جائے تو یہ

---

[1] القرآن الکریم ۷۵/ ۲۲ و ۲۳

جبل وعر صعب المرتقی اذ ما ورد فیہا فاما نص او ظاہر وکلاہما یقبلان التاویل ولو قبولاً ضعیفاً بعیداً او ابعد اضعف ما یکون کالاتقی فیما نحن فیہ یحتمل التجوز بالبالغۃ فی التقوی والخیر والافضل فی الاحادیث یحتمل تقدیر من کقول القائل "فلان اعقل الناس" وما جاء من الاحادیث مفسرًا محکمًا فاحاد تطرق الیہا الاحتمال من قبل النقل لکننا مالنا ولہذا القطع، اذ لا نقول باکفار المفضلۃ ومعاذ اللہ ان نقول اما الابتداع فیثبت بخلاف القطع بالمعنی الثانی وھو حاصل لا شك فیہ لایسوغ انکارہ الا لغافل او متغافل فقد تظافرت علیہ النصوص تظافرا جلیا وبلغت الاخبار تواترًا معنویا والاحتمالات الرکیکۃ السخیفۃ الناشیۃ من غیر دلیل لا تقدح فی القطع بہذا المعنی کما صرحت بہ علماء الاصول وزادنا نورًا الٰی نور ورشادًا الٰی رشاد اجماع الصحابۃ الکرام و

پہاڑ ہے سخت دشوار گزار چڑھائی والا، اس لئے کہ اس میں جو کچھ وارد ہوا ہے یا تو نص ہے یا ظاہر ہے اور دونوں تاویل کو قبول کرتے ہیں اگرچہ ضعیف بعید یا بہت زیادہ ابعد اضعف سہی، جیسے کہ ہمارے اسی مسئلہ میں جس میں ہمیں بحث ہے جیسے کہ اتقی، تقویٰ اور خیر میں بالغیت کے معنی مجازی کا احتمال رکھتا ہے اور احادیث میں لفظ افضل کے مقدر ہونے کا احتمال رکھتا ہے جیسے کوئی کہے "فلان اعقل الناس" (فلاں شخص لوگوں سے زیادہ عاقل ہے) اور جو احادیث مُفسّر محکم آئیں تو وہ خبر واحد ہیں جن میں روایت کی طرف سے احتمال راہ پاتا ہے لیکن ہمیں اس طرز کے قطعی سے کیا کام، اس لئے کہ ہم تفضیلیوں کے کافر ہونے کا قول نہیں کرتے اور اللہ کی پناہ ہو کہ ہم یہ قول کریں، لیکن اُن کا بدعتی ہونا وہ تو ثابت ہے برخلاف قطعی بمعنی دیگر تو وہ بلاشک حاصل ہے جس کا انکار سوائے غافل یا غافل بننے والے کے کسی کو نہ بن پڑے گا اس لئے کہ اس پر واضح کثرت کے ساتھ نصوص آئیں اور احادیث تواتر معنوی کی حد کو پہنچ گئیں اور رکیک کمزور احتمالات جو کسی دلیل سے ناشی نہیں ہوتے اس معنی پر قطعی میں اثر انداز نہ ہوں گے، جیسا کہ علمائے اصول نے اس کی تصریح کی ہے اور ہمارے لئے نُور پر نُور بڑھایا اور ہدایت کے اوپر ہم کو ہدایت کی صحابہ کرام اور

التابعين العظام كما نقله جمهور الائمة الاعلام منهم سيدنا عبد الله بن عمر وابوهريرة من الصحابة وميمون بن مهران من التابعين والامام الشافعي من الاتباع وغيرهم من لا يحصون لكثرتهم، و حكاية ابن عبد البر لا معقولة في الدراية ولا مقبولة في الرواية كما حققناه في مطلع القمرين مع ما ارشدنا القرآن العظيم واحاديث المصطفى الكريم عليه افضل الصلوٰة والتسليم الى دلائل جمة توخذ منها بالاستنباط ووفق لها هذا الفقير الضعيف كما عقدنا لها الباب الثاني من الكتاب الكبير فلولا الا واحد من هذه لشفى وكفى ودفع كل ريب ونفى فكيف اذا كثرت وجلت وعقدت وحلت ورعدت وبرقت واضاءت واشرفت فلا وربك لم يبق للشك محل ولا للريب مدخل والحمد لله الاعلى الاجل، اما قول من قال انا وجدنا النصوص متعارضة فهذا اخبار عن نفسه فكيف يحتج به على من نظر وابصر ونقد واختبر فقتلها خبرا واحاط بما لديها علماً على

تابعین عظام کے اجماع نے جیسا کہ اس کو نقل کیا ہے جمہور ائمہ اعلام نے، ان میں عبد اللہ بن عمر اور ابوہریرہ صحابہ میں سے، اور میمون ابن مہران تابعین میں سے اور امام شافعی تبع تابعین میں سے، اور ان کے سوا جن کی گنتی نہیں بوجہ ان کی کثرت کے، اور ابن عبد البر کی حکایت نہ تو از راہِ درایت معقول ہے اور نہ روایۃً مقبول ہے، جیسا کہ ہم نے اسکی تحقیق کی ہے مطلع القمرین میں مع ان دلائل کثیرہ کے جن کی طرف ہماری رہنمائی قرآن عظیم اور احادیث مصطفیٰ کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے کی۔ یہ دلائل قرآن وحدیث سے استنباط کے ذریعہ ماخوذ ہیں اور ان کے لئے اس فقیر ناتواں کو توفیق ہوئی جیسا کہ ہم نے اس کے لئے اپنی کتاب کبیر کا باب دوئم باندھا ہے تو اگر ان دلائل میں سے نہ ہوتی مگر ایک دلیل تو وہ بھی شافی وکافی ہوتی اور ہر شک کی دافع ونافی ہوتی تو کیا گمان ہے جبکہ یہ دلائل کثیر وجلیل ہوں اور دین کی گرہیں باندھیں اور شبہوں کی رسیاں کھولیں اور گرجیں اور چمکیں اور روشن اور بلند ہوں تو تیرے رب کی قسم شک کا محل باقی رہا نہ شبہہ کا مدخل، والحمد للہ الاعلی الاجل، رہی اس کی بات جس نے کہا ہم نے نصوص کو متعارض پایا تو یہ اس کی اپنی حالت کی خبر ہے، تو وہ کیسے حجت لاتا ہے اس سے اس پر جس نے دیکھا اور غور کیا اور جانچا اور پرکھا تو نصوص کو خوب پرکھ کے جان لیا اور ان کے پاس جو علم ہے اس کا احاطہ

انه ان اراد التعارض الصوری وقد یطلق علیه ایضاً کقول الاصولیین یقدم المحکم علی المفسر والمفسر علی النص والنص علی الظاهر عند التعارض مع انه لاتعارض لضعیف مع قوی فهذا لایضرنا ولاینفعه وان اراد الحقیقی اعنی تزاحم الحجتین علی حد سواء فنقول معناً ناش عن غفول وعلی قائله اومن یمشی بمشیه ان ینور دعواه ببینة مبینة وانّی لهم ذٰلک ولیت شعری الام یودی ضیق العطن اذا رأی احادیث لاتخیروا بین الانبیاء[1]، ولا تفضلونی علٰی یونس بن متی[2]، وافضل الانبیاء اٰدم[3]، وذاک (ای) خیر البریة ابراهیم[4]، ایقول بتعارض النصوص فی تفضیل المصطفٰی

کیا، علاوہ بریں یہ کہ اگر اس نے تعارض صوری مراد لیا اور کبھی تعارض کا اطلاق اس پر بھی آتا ہے جیسے اصولی کہتے ہیں کہ محکم کو مفسر پر اور مفسر کو نص اور نص کو ظاہر پر تعارض کے وقت مقدم کیا جائے گا حالانکہ بلاشبہہ ضعیف کا قوی کے ساتھ اصلاً تعارض نہیں ہوتا تو یہ ہم کو نقصان نہ دے گا نہ اس کو فائدہ دے گا' اور اگر اس نے تعارض حقیقی مراد لیا یعنی دو دلیلوں کا برابری کی حد پر ایک دوسرے کے مزاحم ہونا تو ہم کہیں گے یہ معنی غفلت سے ناشی ہے اور اس کے قائل پر یا جو اسکے طریقے پر چلے لازم ہے کہ اپنے دعوٰی کو روشن دلیل سے منور کرے اور ان کو یہ کیونکر بن پڑے گا'، اور کاش میں سمجھتا کہ بندش کی تنگی کا انجام کیا ہوگا جبکہ وُہ یہ حدیثیں دیکھتے کہ انبیاء میں باہم ایک دوسرے کو فضیلت نہ دو اور مجھے یونس ابن متی پر فضیلت مت دو' اور آدم افضل انبیاء ہیں' اور ابراہیم خلق میں سب سے بہتر ہیں' کیا وُہ مصطفٰی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم

---

[1] صحیح البخاری کتاب الخصومات باب مایذکر فی الاشخاص قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۲۵
صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل موسٰی علیہ السلام " " " ۲/۲۶۸
[2] اتحاف السادۃ المتقین کتاب قواعد العقائد "الاصل السابع" دار الفکر بیروت ۲/۱۰۵
[3] المعجم الکبیر حدیث ۱۱۳۶۱ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۱/۱۶۰
[4] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضائل ابراہیم علیہ السلام " " " ۲/۲۶۵

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی العالمین جمیعا ام یرجع الی نفسہ فیدری ان التعارض شیٔ ومجرد وجود النفی و الاثبات شیٔ اٰخر وبھذا التحقیق البدیع الانیق الذی خصنا بہ المولیٰ تبارک وتعالیٰ امکن لنا التوفیق بین کلمات الائمۃ الکرام فمن قال بالقطع ونفی الظن فانما اراد القطع بالمعنی الاعم والظن وبالمعنی الاخص وھو حق لامریۃ فیہ ومن عکس فقد عکس وھو صدق لاغبار علیہ فان تخالج فی صدرک ان المسئلۃ من الاعتقادیات فکیف اکتفیتم بالقطع بالمعنی الثانی۔

کی سب جہان پر فضیلت میں تعارض نصوص کو مانے گا یا اپنے نفس کی طرف لوٹے گا تو سمجھے گا کہ تعارض ایک شئے ہے اور مجرد وجود نفی واثبات دوسری شے ہے اور اس تحقیقِ انیق و بے نظیر سے جو خاص اللہ تبارک وتعالےٰ نے ہم کو عنایت کی ہم کو ائمہ کرام کے کلمات میں مطابقت ممکن ہے تو جس نے اس مسئلہ کو قطعی کہا اور ظن کی نفی کی تو اس نے قطعی بالمعنی الاعم ہی کو مراد لیا اور ظن بالمعنی الاخص، اور حق یہ ہے جس میں کوئی شبہہ نہیں اور جس نے عکس کیا تو اس نے عکس کیا اور وہ سچ ہے جس پر کوئی غبار نہیں اب اگر تمھارے سینے میں یہ خلش ہو کہ یہ مسئلہ تو اعتقادیات سے ہے تو تم نے معنی ثانی میں قطعی پر کیسے اکتفا کرلیا۔

قلت ھذا اشد ورودًا علی القائلین بالظن ان ارادوا الظن بالمعنی الاخص والحل ان المسئلۃ لیست من اصول الاسلام حتی یکفر جاحدھا کمسئلۃ امامۃ الخلفاء الراشدین رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین وبھذا المثال ینقطع قلب من قال من بطلۃ الزمان انھا اذا لم تکن من الاصول کما صرح بہ السید الشریف فی شرح المواقف[1]

قلت (میں کہتا ہوں) یہ اعتراض ان لوگوں پر جو ظنی کے قائل ہیں زیادہ سختی کے ساتھ وارد ہوتا ہے جبکہ وہ ظن بالمعنی الاخص مراد لیں، اور اس کا حل یہ ہے کہ یہ مسئلہ اصولِ اسلام سے نہیں ہے کہ اس کا منکر کافر ٹھہرے، جیسے کہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالےٰ عنہم کی خلافت کا مسئلہ، اور اس مثال سے اس کا دل ٹکڑے ہوجائے گا جو اس زمانے کے اہلِ باطل میں سے کہتا ہے کہ جب یہ مسئلہ اصول میں سے نہیں جیسا کہ سید شریف نے شرح مواقف

[1] شرح المواقف المرصد الرابع فی الامامۃ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۸/۳۴۴ تا ۴۰۱

(وغيره من المتكلمين الفحول وكذا
قد شهد على نفسه بالرسة
الكبرى في مناصب الجهل والسفاهة
من قال اذ لم تكن قطعية قلنا ان
نطوي الكشح عن تسليمها قل لهم
اتركوا الواجبات باسرها ثم انظروا
ما يأتيكم من وعيد الشريعة وتأثيمها
واذ قد علمت ان هذا التحقيق يرفع
الخلاف ويورث التطبيق فعليك به
اتفقت الاقوال او اختلفت اذ كلمة
جامعة خير من آراء متدافعة
فان رأيت شيئا من كلمات
المتاخرين تابى هذا النور المبين
فاعلموا ان تخطية هذا البعض
خير من تخطية احد الفريقين
من ائمة الدين، لاسيما القائلين
بالقطع فهم العمد الكبار للدين
الحنيف وبهم تشيد اركان الشرع
المنيف، فمنهم من هو اولهم واولٰهم
سيدهم ومولٰهم واكثرهم للتفضيل
تفصيلا واشدهم على المخالف تنكيلا
سيدنا المرتضى اسد الله العلى الاعلى
كرم الله تعالى وجهه
الكريم اذ قد تواتر عنه في
ايام امامته وكرسي زعامته

ہیں اور دوسرے علماء متکلمین نے اس کی تصریح
کی اور یونہی مناسب جہل وحماقت میں اپنی زعامتِ
کبریٰ پر گواہی دی اس نے جس نے یہ کہا کہ جب
یہ مسئلہ قطعی نہیں ہے تو ہمیں اختیار ہے کہ ہم
اسے تسلیم کرنے سے پہلوتہی کریں، ان سے کہو
سارے واجبات کو چھوڑ دو پھر دیکھو کہ تمہارے
پاس شریعت کی کیسی وعید اور تمہارے گنہگار
ہونے کی تہدید آتی ہے، جب تم نے جان لیا کہ
یہ تحقیق خلاف کو اٹھاتی اور کلماتِ علماء میں
مطابقت پیدا کرتی ہے تو تم اس کو لازم
پکڑو اقوال متفق ہوں یا مختلف اس لئے کہ
ایک جامع بات باہم ٹکراتی باتوں سے بہتر ہے
تو اگر تم دیکھو کلماتِ متاخرین میں کوئی عبارت
اس نورِ مبین سے ابا کرتی ہے تو جان لو کہ اس بعض کو خاطی
جاننا بہتر ہے اس سے کہ ائمہ دین میں کسی فریق کو خاطی ٹھہرایا جائے
خصوصاً وہ ائمہ کرام جو اس مسئلہ کو قطعی کہتے ہیں
اس لئے کہ وہی دین حنیف کے بڑے ستون
ہیں اور انھیں سے شرع بلند و برتر کے ستون
قائم ہیں، تو ان میں سے ایک وہ ہیں جو سب سے
اول و اولیٰ اور ان سب کے سید و مولیٰ اور
مسئلہ تفضیل کو سب سے زیادہ بیان
کرنے والے اور مخالفین کو سخت سزا کا
خوف دلانے والے سیدنا علی مرتضیٰ اللہ بلند و
بالا کے شیر کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اس لئے
کہ ان کے ایامِ خلافت اور کرسیِ زعامت میں

تفضيل الشيخين علىٰ نفسه وعلى سائر الامة، ورمى بها بين اكتاف الناس وظهورهم حتى جلى ظلام شكوك مدلهمة، وروى الدارقطني عنه رضى الله تعالىٰ عنه قال لا اجد احداً فضلني على ابى بكر وعمر الا جلدته حد المفتري۔[1]

ان کا شیخین ابوبکر وعمر کو خود پر اور تمام امت پر فضیلت دینا تواتر سے ثابت ہوا اس کو لوگوں کے کندھوں اور پشتوں پر مارا یعنی اس مسئلہ کو لوگوں کے سامنے اور ان کے پیچھے خوب روشن کیا یہاں تک کہ تیرہ و تار شبہات کی اندھیری کو دُور کردیا۔ دارقطنی نے اسی جناب سے روایت کیا فرمایا میں کسی کو نہ پاؤں گا جو مجھے ابوبکر وعمر پر فضیلت دے مگر یہ کہ میں اس کو مفتری کی حد ماروں گا۔

وقد كان رضى الله تعالىٰ عنه يبوح بهذا فى المجامع الشاملة والمحافل الحافلة والمساجد الجامعة وفيهم من فيهم من الصحابة والتابعين لهم باحسان، ثم لم ينقل عن احد منهم انه رد قوله هذا ولقد كانوا اتقى لله تعالىٰ من ان يسكتوا عن حق او يقروا علىٰ خطأ وهم الذين وصف الله سبحٰنه وتعالىٰ فى القراٰن العظيم بانهم خير امة اخرجت

اور سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عام مجلسوں میں اور بھری محفلوں میں اور جامع مسجدوں میں اس بات کا اعلان فرماتے تھے اور لوگوں میں صحابہ اور تابعین کرام موجود ہوتے تھے پھر ان میں سے کسی سے یہ منقول نہیں کہ انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے اس قول کو رَدّ کیا ہو اور بے شک وہ اللہ تعالےٰ سے بہت ڈرنے والے تھے اور اس بات سے دُور تھے کہ حق بتانے سے خاموش رہیں یا کسی خطا کو مقرر رکھیں حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا اللہ تبارک و تعالےٰ نے قرآن عظیم میں یوں بیان فرمایا" تم بہترین اُمت ہیں جو لوگوں کے لئے پیدا

(باقی حاشیہ صفحہ)

---

[1] الصواعق المحرقۃ بحوالہ الدارقطنی الباب الثالث الفصل الاول دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۹۱

قال سلطان الشان ابو عبد الله الذھبی حدیث صحیح۔

قلت انظر الی ھذا الوعید الشدید افتراہ معاذ اللہ مجترأ علی اللہ تعالٰی فی اجراء الحدود مع تعارض الظنون وھو الراوی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ادرؤا الحدود[1]، اخرجہ عنہ الدارقطنی والبیہقی وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ادرؤا الحدود عن المسلمین ما استطعتم فان وجدتم

اس فن کے سلطان حضرت ابو عبداللہ ذہبی نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

قلت (میں کہتا ہوں) اس وعید شدید کو دیکھو تو کیا تم حضرت علی کو گمان کرو گے پناہ بخدا اللہ تبارک وتعالٰی پر جرأت کرنیوالا حدود کو جاری کرنے میں باوجود گمانوں کے تعارض کے حالانکہ وہی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ فرمایا حدود کو دفع کرو مولٰی علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیہقی ودارقطنی نے روایت کیا اور فرمایا حضور صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے "مسلمانوں سے حدود کو دفع کرو جب تک تم کو استطاعت ہے، تو اگر تم مسلمان کے لئے کوئی راہِ خلاص پاؤ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر[2]، وائمتھم الکرام کانوا اتقی ومنھم احرص علی الرشد والصواب وقد کانوا یحثون العلماء علی ابانۃ الحق ان اخطاء وتقویم الاود ان مالوا۔

بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہو۔" اور اس گروہ کے ائمہ کرام ان سے زیادہ متقی اور ہدایت وصواب پر ان سے زیادہ حریص تھے اور علماء کو حق ظاہر کرنے پر اکساتے تھے اگر ان سے خطا ہو اور کجی کو درست کرنے کی ترغیب دیتے تھے اگر وہ منحرف ہوں۔

---

[1] سنن الدارقطنی کتاب الحدود والدیات حدیث ۹/۳۰۹۲ دار المعرفۃ بیروت ۳/۶
سنن الکبرٰی کتاب الحدود باب ما جاء فی درء الحدود بالشبہات دار صادر بیروت ۸/۲۳۸

[2] القرآن الکریم ۳/۱۱۰

للمسلم مخرجاً فخلوا سبيله فان الامام ان يخطئ في العفو خير من ان يخطئ في العقوبة رواه ابن ابي شيبة والترمذي[1] والحاكم والبيهقي عن ام المؤمنين الصديقة رضي الله تعالى عنها ومنهم ميمون ابن مهران من فقهاء التابعين سئل ابوبكر وعمر افضل ام علي؟ فقف شعره وارتعدت فرائصه حتى سقطت عصاه من يده وقال ماكنت اظن ان اعيش الى زمان يفضل الناس فيه احداً على ابي بكر وعمر اوكما قال رواه ابو نعيم[2] عن فرات بن السائب، ومنهم عالم المدينة الامام مالك بن انس رضي الله تعالى عنه سئل عن افضل الناس بعد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم

تو اس کا راستہ چھوڑ دو اس لئے کہ امام کا درگزر میں خطا کرنا اس سے بہتر ہے کہ وہ عقوبت میں خطا کرے۔" اس حدیث کو ابن ابی شیبہ، ترمذی، حاکم اور بیہقی نے ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا اور انھیں میں سے حضرت میمون ابن مہران ہیں جو کہ فقہائے تابعین سے ہیں ان سے سوال ہوا کہ سیدنا ابوبکر وعمر افضل ہیں یا علی؟ تو ان کے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور ان کی رگیں پھڑکنے لگیں یہاں تک کہ چھڑی ان کے ہاتھ سے گرگئی اور انھوں نے کہا کہ مجھے گمان نہ تھا کہ میں اس زمانہ تک جیوں گا جس میں لوگ ابوبکر وعمر پر کسی کو فضیلت دیں گے۔ یا جیسا انھوں نے فرمایا اس حدیث کو روایت کیا ابونعیم نے فرات بن سائب سے، اور انھیں میں سے عالم مدینہ امام مالک بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں ان سے سوال ہوا رسول اکرم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد سب لوگوں سے افضل کے بارے میں، تو فرمایا ابوبکر وعمر پھر

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب الحدود باب ان وجدتم لمسلم مخرجا الخ دار الفکر بیروت ۴/۳۸۴
جامع الترمذی ابواب الحدود باب ماجاء فی درء الحدود امین کمپنی دہلی ۱/۱۷۱
السنن الکبرٰی کتاب الحدود باب ماجاء فی درء الحدود بالشبہات دار صادر بیروت ۸/۲۳۸
المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الحدود باب فی درء الحدود بالشبہات حدیث ۲۸۴۹۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۵/۵۰۸

[2] حلیۃ الاولیاء ترجمہ ۲۵۱ میمون بن مہران دار الکتاب العربی بیروت ۴/۹۲ و ۹۳

فقال ابوبکر وعمر، ثم قال اوفی ذٰلك شك[1]، ومنهم الامام الاعظم الاقدم الاعلم الاکرم سیدنا ابوحنیفة رضی الله تعالٰی عنه سئل عن علامات اهل السنة فقال ان تفضل الشیخین وتحب الختنین وتمسح علی الخفین[2] ومنهم عالم قریش مالك طباق الارض علمًا سیدنا الامام محمد بن ادریس الشافعی المطلبی نقل اجماع الصحابة والتابعین علی تفضیل الشیخین ولم یحك خلافا[3] ومنهم امام اهل السنة والجماعة صاحب الحکمة الیمانیة سیدنا الامام ابوالحسن الاشعری رحمة الله تعالٰی علیه کما نقل عنه العلماء الثقات ومنهم الامام الهمام حجة الاسلام ذکر فی قواعد عقائد الاماجد وذکر فیها مسئلة التفضیل وقال فی اٰخرها ان فضل

فرمایا کیا اس میں کوئی شک ہے، اور انھیں میں سے امام اعظم اقدم سب سے زیادہ علم رکھنے والے سب سے زیادہ مکرم سیدنا ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں ان سے سوال ہوا اہلسنت کی علامات کے بارے میں، تو انھوں نے فرمایا اہلسنت کی پہچان یہ ہے کہ تو شیخین ابوبکر و عمر کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل جانے اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دونوں دامادوں سے محبت کرے اور خفین پر مسح کرے، انھیں میں سے عالم قریش زمین کے طباق کو علم سے بھرنے والے سیدنا امام محمد ابن ادریس شافعی مطلبی انھوں نے صحابہ اور تابعین کا فضیلتِ شیخین پر اجماع نقل کیا اور انھیں میں امام اہلسنت وجماعت حکمتِ یمانیہ سیدنا امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ہیں، جیسا کہ ان سے علمائے ثقات نے نقل کیا اور انھیں میں امام ہمام حجۃ الاسلام (غزالی) انھوں نے قواعد العقائد میں مجد والے ائمہ کے عقائد کو ذکر کیا اور ان عقائد میں مسئلہ تفضیل کو ذکر کیا اور اسکے آخر میں کہا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد السابع الفصل الثالث دار المعرفۃ بیروت ۷/ ۳۸

[2] تمہید ابی الشکور السالمی الباب الحادی عشر القول السادس دار العلوم حزب الاحناف لاہور ص ۱۶۵
خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الفاظ الکفر الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۸۱

[3] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد السابع الفصل الثالث دار المعرفۃ بیروت ۷/ ۳۹
تدریب الراوی شرح تقریب النواوی النوع التاسع والثلاثون قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۹۶

الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم علی حسب ترتیبہم فی الخلافۃ اذحقیقۃ الفضل ماھو فضل عند اللہ عزوجل و ذٰلک لایطلع علیہ الا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و ان یعتقد فضل الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و ترتیبہم وان افضل الناس بعد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابوبکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم[2] وان یعتقد والٰی ومنہم الامام جبل الحفظ علامۃ الورٰی سیدنا ابن حجر العسقلانی والامام العلام احمد بن محمد القسطلانی و المولی الفاضل عبدالباقی الزرقانی وناظم قصیدۃ بدء الامالی والفاضل الجلیل مولانا علی القاری وغیرھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ حدثنا المولی الثقۃ الثبت سلالۃ العارفین السید الشریف الفاطمی سیدنا ابو الحسین احمد النوری قال سمعت شیخی و مرشدی سیدنا و مولانا اٰل الرسول الاحمدی قال سمعت الشاہ عبدالعزیز الدھلوی یقول تفضیل الشیخین قطعی او کالقطعی۔

فضیلت خلافت میں ان کی ترتیب کے موافق ہے اس لئے کہ حقیقتِ فضل وہ ہے جو اللہ کے نزدیک فضل ہو اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کسی کو اطلاع نہیں، یا آدمی صحابہ رضوان اللہ علیہم کی فضیلت اور اس میں ترتیب کا اعتقاد کرے اور یہ عقیدہ رکھے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم، اور انھیں میں امام حفظ کے پہاڑ علامۂ جہاں سیدنا امام ابن حجر عسقلانی اور امام علام احمد بن محمد قسطلانی اور مولیٰ فاضل عبدالباقی زرقانی اور قصیدہ بدء الامالی کے ناظم اور فاضل جلیل مولانا علی قاری وغیرہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔ ہم سے حدیث بیان کی مولیٰ ثقہ ثبت سلالۃ العارفین سید شریف فاطمی سیدنا ابوالحسین نوری نے انہوں نے فرمایا میں نے سنا اپنے شیخ اور مرشد آل رسول احمدی سے انھوں نے فرمایا میں نے سنا شاہ عبدالعزیز دہلوی سے وہ فرماتے تھے شیخین کی فضیلت قطعی ہے یا قطعی جیسی ہے۔

---

[1] احیاء العلوم کتاب قواعد العقائد الفصل الثالث مطبعۃ المشھد الحسینی القاہرۃ ۱/۱۱۵

[2] " " " " " الفصل الاول " " " ۱/۹۳

اقول ولك ان تحمل الترديد على التنويع دون التردد، فالمعنى قطعي بالمعنى الثاني وكالقطعي بالمعنى الاوّل، ومن ههنا بان لك ان من قال رأينا المجمعين ايضاً ظانين غير قاطعين فقد صدق ان اراد الظن بالمعنى الاعم والقطع بالمعنى الاخص، ولا يضرنا ولا ينفعه وان عكس فقد غلط وهو محجوج بدلائل لا قبل له بها والله تعالٰى اعلم، هذا جملة القول في هٰذا المقام وقد اشرنا الى نكت تجلو بها الظلام، امّا التفصيل فقد فرغنا عنه في كتاب التفضيل بتوفيق الملك الجليل، ولا حول ولا قوة الّا بالله۔

اقول (میں کہتا ہوں) اور تمہیں اختیار ہے کہ تردید کو تقسیم پر محمول کرو نہ کہ تردد پر۔ تو معنی یہ ہے کہ معنی ثانی پر تفضیل شیخین قطعی ہے اور معنی اول پر قطعی جیسی ہے اور یہاں سے تمہیں ظاہر ہوگیا کہ جس نے یہ کہا کہ ہم نے اس مسئلہ میں اجماع کرنے والوں کو دیکھا کہ وہ بھی ظن پر قائم ہیں قطعی فیصلہ نہیں کرتے تو وہ سچا ہے اگر اس نے ظن بالمعنی الاعم مراد لیا اور قطعی بالمعنی الاخص کا قصد کیا اور یہ کہ ہم کو نقصان وہ نہیں اور اس کو سُود مند نہیں، اور اگر وہ اس کا عکس مراد لے تو اس نے غلط کہا اور اس پر ان دلائل سے حجت قائم ہے جن کے مقابل کی اس کو طاقت نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔ اس مقام میں یہ مختصر قول ہے اور ہم نے تمہیں اشارہ کیا اُن نکتوں کی طرف جن سے اندھیرا چھٹ جاتا ہے۔ رہی تفصیل تو ہم اس سے فارغ ہوچکے کتاب تفضیل میں اللہ ملک جلیل کی توفیق سے، اور برائی سے پھرنے اور نیکی کی طاقت نہیں مگر اللہ سے۔

لطيفة: قال الامام الرازي في مفاتيح الغيب سورة واللّيل سورة ابي بكر وسورة والضحٰى سورة محمد عليه الصلٰوة والسلام ثم ماجعل بينهما واسطة ليعلم انه لا واسطة بين محمد صلى الله تعالٰى عليه وسلم وابي بكر فان ذكرت الليل اولاً وهو ابو بكر

لطیفہ: فرمایا امام رازی نے مفاتیح الغیب میں کہ سورۃ واللیل ابوبکر کی سورۃ ہے اور سورۃ والضحٰی محمد صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی سورت ہے، پھر اللہ تعالٰے نے ان سورتوں کے درمیان واسطہ نہ رکھا تاکہ معلوم ہو کہ محمد صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم اور ابوبکر کے درمیان کوئی شخص واسطہ نہیں تو اگر تم پہلے واللیل کا ذکر کرو وہ ابوبکر ہیں پھر

ثم صعدت وجدت بعده النهار وهو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وان ذکرت والضحٰی اولاً وھو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ثم نزلت وجدت بعدہ واللیل وھو ابوبکر لیعلم انہ لا واسطۃ بینھما[1] انتھی۔

چڑھو تو اس کے بعد دن کو پاؤ گے تو وہ محمد صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ہیں اور اگر تم پہلے والضحٰی کا ذکر کرو اور وہ محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ پھر اترو تو اس کے بعد واللیل کو پاؤ گے اور وہ ابوبکر ہیں تاکہ معلوم ہوجائے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔

اقول وکان تقدیم واللیل علٰی ھذا التقدیر لانھا جواب عن طعن الکفار فی جناب الصدیق والضحٰی جواب عن طعنھم فی سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وتبرئۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا تستلزم تبرئۃ الصدیق لانہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعلی وبراءۃ الاعلی لا توجب براءۃ الادنی وتبرئۃ الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یحکم تبرئۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالطریق الاولٰی اذ انما برئ لانہ عبد بذالك البرئ النقی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فکان فی تقدیم واللیل استعجالاً الی الجواب عن الطعنین معًا ولو اخر لتأخر الجواب عن طعن الصدیق۔

اقول اور واللیل کی تقدیم اس تقدیر پر اس لئے ہے کہ وہ جناب صدیق کے بارے میں کفار کے طعنہ کا جواب ہے اور والضحٰی ان کے طعنہ کا جواب ہے سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں، اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برارت صدیق کی برارت کو مستلزم نہیں اس لئے کہ حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اعلےٰ ہیں اور اعلیٰ کی برارت ادنیٰ کی برارت کو لازم نہیں کرتی اور صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی برارت بدرجہ اولےٰ نبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی برارت کا حکم کرتی ہے اس لئے کہ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس لئے بری ہوئے کہ اس بری نقی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلام ہیں تو واللیل کی تقدیم میں ایک ساتھ دونوں طعنوں کے جواب کی جلت ہوتی، اور اگر واللیل کو مؤخر کیا جاتا تو صدیق کے طعنہ کا جواب مؤخر ہوجاتا۔

اقول تسمیۃ سورۃ الصدیق

اقول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۹۳/۱تا۳ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۳۱/۲۰۹

باللیل وسورة المصطفیٰ بالضحیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ورضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نہ اشارة الیٰ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نور الصدیق وھداہ ووسیلة الی اللہ بہ یبتغیٰ فضلہ ورضاہ والصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ راحة النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ووجہ انسہ وسکونہ واطمینان نفسہ وموضع سرہ ولباس خاصتہ فقد قال تبارك وتعالیٰ "وجعلنا الیل لباسا[1]" وقال تعالیٰ "وجعل لکم الیل والنہار لتسکنوا فیہ ولتبتغوا من فضلہ ولعلکم تشکرون[2]" وتلمیح الی ان نظام عالم الدین انما یقوم بھما کما ان نظام عالم الدنیا یقوم بالملوین فلولا النہار لما کان ابصار ولو لا اللیل لما حصل قرار، فالحمد للہ العزیز الغفار۔

لطیفة: استنبط القاضی الامام ابوبکر الباقلانی من الآیات

تعالےٰ عنہ کی سورت کو واللیل کا نام دینا اور مصطفیٰ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی سورت کا نام ضحیٰ رکھنا گویا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم صدیق کا نور اور ان کی ہدایت اور اللہ کی طرف ان کا وسیلہ جن کے ذریعہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا طلب کی جاتی ہے اور صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی راحت اور ان کے انس وسکون اور اطمینان نفس کی وجہ ہیں اور ان کے محرم راز اور ان کے خاص معاملات سے وابستہ رہنے والے اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: "اور رات کو پردہ پوش کیا" اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "تمھارے لئے رات اور دن بنائے کہ رات میں آرام کرو اور دن میں اس کا فضل ڈھونڈو اور اس لئے کہ تم حق مانو" اور یہ اس بات کی طرف تلمیح ہے کہ دین کا نظام ان دونوں سے قائم ہے جیسے کہ دنیا کا نظام دن رات سے قائم ہے تو اگر دن نہ ہو تو کچھ نظر نہ آئے اور رات نہ ہو تو سکون حاصل نہ ہو، تو اللہ عزیز غفار ہی کے لئے حمد ہے۔

لطیفہ: قاضی امام ابوبکر باقلانی نے اس آیہ کریمہ سے حضرت سیدنا مرتضیٰ پر فضیلت

---

[1] القرآن الکریم ۷۸/ ۱۰

[2] " " ۲۸/ ۷۳

الکریمة وجها اٰخر لتفضیل سیدنا الصدیق علیٰ سیدنا المرتضی لقاهما الله تعالیٰ باحسن الرضا'

انبانا السراج عن الجمال عن السندی عن الفلانی عن محمد سعید عن محمد طاهر عن ابیه ابراهیم الکردی عن القشاشی عن الرملی عن الزین زکریا عن ابن حجر عن مجد الدین الفیروزآبادی عن الحافظ سراج الدین القزوینی عن القاضی ابی بکر التفتازانی عن شرف الدین محمد بن محمد الهروی عن محمد بن عمر الرازی قال فی مفاتیح الغیب "ذکر القاضی ابوبکر الباقلانی فی کتاب الامامة فقال اٰیة الواردة فی حق علی کرم الله وجهه الکریم : انما نطعمکم لوجه الله لا نرید منکم جزاء ولا شکورا ٥ انا نخاف من ربنا یومًا عبوسا قمطریرا ٥" والاٰیة الواردة فی حق ابی بکر "الا ابتغاء وجه ربه الاعلیٰ ولسوف یرضیٰ" فدلت الاٰیتان

صدیق کی دوسری وجہ استنباط کی' اللہ تبارک و تعالیٰ دونوں کو اپنی بہترین رضا سے ہمکنار کرے'

ہمیں خبر دی سراج نے ، وہ روایت کرتے ہیں جمال سے ، وہ روایت کرتے ہیں سندی سے' وہ روایت کرتے ہیں محمد سعید سے ، وہ روایت کرتے ہیں محمد طاہر سے ، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ ابراہیم کردی سے ، وہ روایت کرتے ہیں قشاشی سے ، وہ روایت کرتے ہیں رملی سے ، وہ روایت کرتے ہیں زین زکریا سے ، وہ روایت کرتے ہیں ابن حجر سے ، وہ روایت کرتے ہیں مجد الدین فیروز آبادی سے ، وہ روایت کرتے ہیں حافظ سراج الدین قزوینی سے ، وہ روایت کرتے ہیں قاضی ابوبکر تفتازانی سے' وہ روایت کرتے ہیں شرف الدین محمد بن محمد الہروی سے ، وہ روایت کرتے محمد بن عمر رازی سے ، انھوں نے مفاتیح الغیب میں فرمایا قاضی ابوبکر باقلانی نے کتاب الامامۃ میں ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا کہ وہ آیت جو علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے حق میں وارد ہے "ان سے کہتے ہیں ہم تمھیں خاص اللہ کے لئے کھانا دیتے ہیں تم سے کوئی بدلہ یا شکر گزاری نہیں مانگتے بے شک ہمیں اپنے رب سے ایک ایسے دن کا ڈر ہے جو بہت ترش نہایت سخت ہے۔" اور وہ آیت جو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے حق میں وارد ہوئی "صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب

ان کل احد منهما انما فعل ما فعل لوجه الله الا ان آیة علی تدل علی انه فعل ما فعل لوجه الله وللخوف من یوم القیٰمة علیٰ ما قال" انا نخاف من ربنا یومًا عبوسا قمطریرا" واما اٰیة ابی بکر فانها دلت علی انه فعل ما فعل لمحض وجه الله تعالیٰ من غیر ان یشوبه طمع فیما یرجع الیٰ رغبة فی ثواب او رہبة من عقاب فکان مقام ابی بکر اعلیٰ واجلّ[1] انتھیٰ۔

سے بلند ہے اور بیشک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا"۔۔۔۔۔ یہ دونوں آیتیں دلالت کرتی ہیں کہ ان دونوں میں سے ہرایک نے نیکی اللہ کی خوشنودی کے لئے کی مگر یہ کہ سیدنا علی کے حق میں جو آیت اُتری وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اُنھوں نے جو کچھ کیا وُہ اللہ کی خوشنودی اور روزِ قیامت کے ڈر سے کیا اس بناء پر انھوں نے کہا، بیشک ہمیں اپنے رب سے ایک ایسے دن کا ڈر ہے جو بہت ترش اور نہایت سخت ہے" اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں اُترنے والی آیت وہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ انھوں نے جو کچھ کیا محض اللہ کے لئے کیا بغیر اس کے کہ اس میں کچھ طمع کا شائبہ ہو اس امر میں جو ثواب میں رغبت یا عذاب میں ہیبت کی طرف لوٹتا ہے، تو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام اعلیٰ اور اجل ہوا انتھیٰ۔

اقول والتحقیق ان جملة جلة الصحابة الکرام رضی الله تعالیٰ عنهم اجمعین ارقی فی مراقی الولایة والفناء عن الخلق والبقاء بالحق من کل من دونهم من اکابر الاولیاء العظام کائنین من کانوا وشانهم رضی الله تعالیٰ عنهم ارفع واعلیٰ من ان یقصدوا

اقول (میں کہتا ہوں) اور تحقیق یہ ہے کہ تمام اجلّہ صحابہ کرام مراتبِ ولایت میں اور خلق سے فنا اور حق میں بقا کے مرتبہ میں اپنے ماسوا تمام اکابر اولیاءِ عظام سے وہ جو بھی ہوں افضل ہیں اور ان کی شان ارفع واعلیٰ ہے اس سے کہ وہ اپنے اعمال سے غیر اللہ کا قصد کریں، لیکن مدارج متفاوت ہیں اور مراتب ترتیب کے ساتھ

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیة ۹۲/۲۰ و ۲۱ المطبعة البهیة المصریة مصر ۳۱/۲۰۶

باعمالهم غير الله سبحنه و تعالیٰ لكن المدارج
متفاوتة والمراتب مترتبة وشئ دون شئ وفضل
فوق فضل، ومقام الصديق حيث انتهت
النهايات وانقطعت الغايات اذهو رضي الله
تعالیٰ عنه كما صرح به امام القوم سيدي
محي الملة والدين ابن عربي قدس الله
تعالیٰ سره الزكی امام الائمة و مالك
الازمة ومقامه فوق الصديقية و دون
النبوة التشريعية وليس احد بينه و
بين مولاه الاكرم محمد رسول الله صلی
الله تعالیٰ عليه وسلم وعلی اسم خاتم
الرسالة ختمنا الرسالة، والحمد لله
مولی الجلالة ـه

تم الكتاب علی ثناء الهاشمی
ختم الاله لنا علی اسم الخاتم
سبحٰن ربك رب العزة عما يصفون
وسلٰم علی المرسلين، والحمد
لله رب العٰلمين ـه

ہیں اور کوئی شے کسی شے سے کم ہے اور کوئی
فضل کسی فضل کے اوپر ہے اور صدیق
(رضی اللہ تعالٰی عنہ) کا مقام وہاں ہے
جہاں نہایتیں ختم اور غایتیں منقطع ہوگئیں
اس لئے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ
امام القوم سیدی محی الدین ابن عربی قدس سرہ
الزکی کی تصریح کے مطابق پیشواؤں کے پیشوا
اور تمام کی لگام تھامنے والے اور ان کا مقام
صدیقیت سے بلند اور تشریع نبوت سے کمتر
ہے ان کے درمیان اور ان کے مولائے اکرم
محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے
درمیان کوئی نہیں، اور خاتم رسالت کے نام ہم
نے اپنا یہ رسالہ تمام کیا اور اللہ کے لئے حمد ہے
جو مالک ہے جلالت کا، کتاب رسول ہاشمی کی
ثنا پر تمام ہوئی اور اللہ ہمارا خاتمہ فرمائے
خاتم النبیین کے نام پر۔ سبحٰن ربك رب العزة
عما یصفون وسلٰم علی المرسلین والحمد
للہ رب العٰلمین۔